وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ

پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہیں (القرآن)

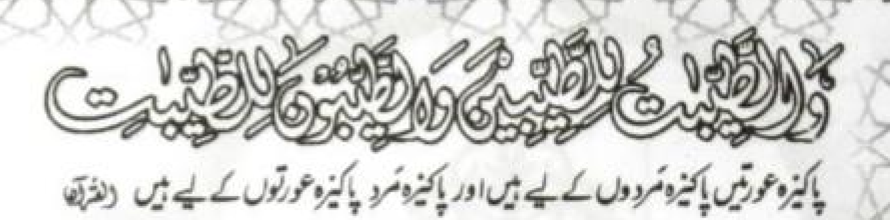


تالیف

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ

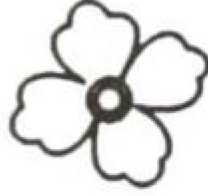


مکتبہ اسلامیہ



پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہیں (القرآن)





تالیف

علامہ سید سلیمان ندوی





مکتبہ اسلامیہ



نام کتاب .... سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا

تالیف .... علامہ سید سلیمان ندوی

اشاعت .... اپریل 2005ء

ناشر .... محمد سرور عاصم

قیمت ....

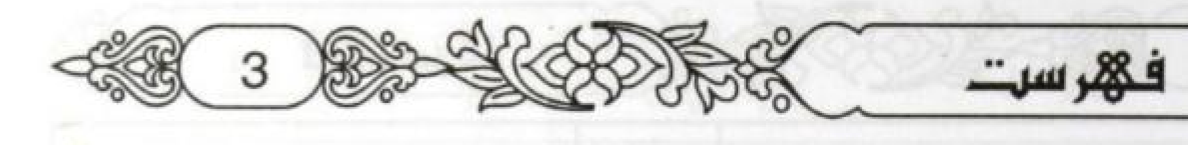


ناشر

مکتبہ اسلامیہ

لاہور بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار فون: 042-7244973

فیصل آباد بیرون امین پور بازار کوتوالی روڈ فون: 041-2631204



فہرست

علامہ سید سلیمان ندوی اور سیرت عائشہ

علامہ سید سلیمان ندوی جمعے کے روز ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء کو دیسنہ میں پیدا ہوئے جو ہندوستان کے صوبہ بہار کے ضلع پٹنہ کا مشہور قصبہ ہے۔ ان کا خاندان سادات کا خاندان ہے جو اس نواح میں کتاب وسنت سے وابستگی، تقویٰ شعاری اور علوم دینیہ میں درک کی وجہ سے شہرت رکھتا ہے۔ سید صاحب کے والد کا اسم گرامی مولوی سید ابوالحسن تھا، وہ اپنے علاقے کے معروف طبیب تھے اور نہایت مہذب اور وضع دار بزرگ تھے۔

سید سلیمان صاحب کی تعلیم کا آغاز ایک مقامی عالم خلیفہ انور علی مرحوم سے ہوا۔ اپنے برادر کبیر سید ابو حبیب سے بھی درسیات کی ابتدائی درجے کی بعض کتابیں پڑھیں انہوں نے اپنے برادر صغیر کو مولانا شاہ اسماعیل شہید کی تقویۃ الایمان کا درس خاص طور سے بڑے اہتمام کے ساتھ دیا اور اس کے مطالب سے انہیں اس طرح آگاہ کیا کہ وہ ان کے ذہن میں راسخ ہو گئے اور پھر تمام عمران کے اثرات فکر وعمل میں کارفرما رہے۔

کچھ عرصہ سید صاحب پھلواری ضلع پٹنہ کی خانقاہ مجیبی کے ایک جلیل القدر عالم مولانا شاہ محی الدین (متوفی ۲۲ اپریل ۱۹۴۷ء) سے عربی کی بعض کتابیں پڑھتے رہے۔

شاہ سلیمان پھلواروی سے منطق وفلسفہ کی چند کتابیں پڑھیں۔ شاہ سلیمان برصغیر کے ممتاز علما، خطبا اور دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے بانیوں میں سے تھے۔ پھلواری کی مسندِ مشیخت پر فائز تھے۔ ۵ جون ۱۹۳۵ء کو پھلواری میں فوت ہوئے۔

۱۹۰۱ء میں سید صاحب دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ میں داخل ہوئے اور (۱۹۰۷ء تک) سات سال وہاں کے مختلف اساتذہ سے مصروف استفادہ رہے اور سند فراغ حاصل کی۔

۱۹۰۵ء میں جب مولانا شبلی نعمانی ندوۃ العلما کے ناظم تعلیم مقرر کیے گئے اور وہاں آ کر انہوں نے طلبا کی قابلیت اور علمی صلاحیتوں کا جائزہ لیا تو نوجوان سید سلیمان کو ایک جوہر قابل گردانا اور ان کی علمی تربیت کرنا شروع کی۔ عربی ادبیات میں بالخصوص ان کی رہنمائی کی اور وہ ان کی توقعات پر پورا اترے اور عربی میں اس درجہ مہارت پیدا ہوئی کہ خود عرب ان کی گفتگو سن کر حیرت میں ڈوب جاتے تھے۔ علاوہ ازیں تفسیر، حدیث، تاریخ، رجال، منطق وفلسفہ، صرف ونحو غرض تمام علوم کا انہوں نے گہری نظر سے مطالعہ کیا اور وہ ان میں ماہر ہوئے۔ علوم میں اس مہارت وعبور کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۰۷ء میں انہیں دارالعلوم کے رسالے ''الندوہ'' کے سب ایڈیٹر بنا دیا گیا، جس کے چیف ایڈیٹر خود مولانا شبلی نعمانی تھے۔ فروری ۱۹۱۱ء تک وہ اس منصب سے وابستہ رہے۔ ۱۹۰۸ء میں اسی دارالعلوم میں عربی اور فارسی کے استاذ مقرر کیے گئے۔

اب ان کی شہرت ملک کے علمی اور تصنیفی اداروں میں پہنچ گئی تھی۔ اس زمانے میں مولانا ابوالکلام آزاد کا ہفت روزہ ''الہلال'' ہندوستان کے افق صحافت پر اپنی تابانیاں دکھا رہا تھا۔ اور تمام عالم اسلامی

میں اس کا شہرہ تھا۔ مولانا نے سید صاحب کو اس کے عملہ صحافت میں شامل ہونے کی دعوت دی اور وہ مئی ۱۹۱۳ء میں کلکتے تشریف لے گئے اور ''الہلال'' کے ادارہ تحریر میں شامل ہو گئے۔ لیکن زیادہ عرصہ وہاں نہیں رہے۔ دسمبر ۱۹۱۳ء تک اس میں خدمات انجام دے سکے یعنی صرف سات مہینے اس اثنا میں انہوں نے مولانا آزاد کے اسلوب نگارش کو اپنانے کی سعی کی۔

اس کے بعد وہ دوبارہ لکھنؤ آئے، کچھ عرصہ وہاں رہے، پھر پونہ چلے گئے اور ۱۹۱۴ء میں چونکہ کے دکن کالج میں فارسی کے اسسٹنٹ لیکچرار مقرر کر دیئے گئے۔ یہ خدمت صرف ایک سال ۱۹۱۵ء تک انجام دی۔

۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء مولانا شبلی نعمانی کی زندگی کی آخری تاریخ تھی۔ اس سے قبل وہ سیرۃ النبی کی دو جلدیں مکمل کر چکے تھے اور ان کے دل میں یہ شدید خواہش تھی کہ باقی جلدیں کسی نہ کسی طرح تکمیل کی منزل کو پہنچیں، لیکن موت ان کے بالکل قریب آ گئی تھی اور سیرۃ النبی کے بارے میں وہ سخت پریشان تھے۔ حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ اچانک سید صاحب تشریف لے آئے اور بستر مرگ پڑے مولانا شبلی نے ان کو اس کی تکمیل کی تاکید کی۔ سعادت مند شاگرد نے استاد کے آخری ارشاد پر عمل کرنے کا تہیہ کر لیا اور اعظم گڑھ کو علمی مرکز قرار دے کر پونہ کے دکن کالج کی پروفیسری چھوڑی اور ۱۹۱۵ء میں یہاں آ گئے اور دارالمصنفین کے نام سے تصنیفی ادارہ قائم کیا۔ وہیں سے جولائی ۱۹۱۶ء میں ماہانہ رسالہ ''معارف'' جاری کیا وسط ۱۹۴۶ء تک وہ اس کی ادارت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

جون ۱۹۴۶ء میں انہیں ریاست بھوپال کے قاضی القضاۃ اور امیر جامعہ مقرر کیا گیا اور یہ فرائض انجام دینے کے لئے وہ بھوپال چلے گئے۔ مجلّہ ''معارف'' کی ادارت مولانا معین الدین ندوی کے سپرد کر دی گئی۔ ''معارف'' کا معیار ہمیشہ بلند رہا۔ یہ رسالہ اب تک جاری ہے اور اس کا معیار اب بھی اللہ کے فضل سے بلند ہے۔ کئی سال سے اس کے ایڈیٹر مولانا ضیاء الدین اصلاحی ہیں۔

سید صاحب نے طالب علمی کے زمانے ہی میں مقالہ نویسی و مضمون نگاری میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ ان کا اولین مضمون بہ عنوان ''وقت'' ۱۹۰۳ء میں رسالہ ''مخزن'' میں چھپا، یہ رسالہ شیخ عبدالقادر (متوفی ۹ فروری ۱۹۵۰ء) کی ادارت میں لاہور سے شائع ہوتا تھا اور ادبی و علمی حلقوں میں بڑے شوق سے پڑھا جاتا تھا۔ اس زمانے میں سید صاحب کے وطن دیسنہ میں ''انجمن اصلاح'' کے نام سے ایک انجمن قائم تھی۔ اس کے ایک سالانہ جلسے میں انہوں نے ''علم اور اسلام'' کے موضوع پر مقالہ پڑھا جو بہت پسند کیا گیا۔ لکھنؤ کے ایک اخبار ''اودھ پنچ'' کو اس دور میں بڑی شہرت حاصل تھی۔ سید صاحب نے بعض مشہور مصنفین کے عربی مضامین اردو میں منتقل کر کے شائع کرانے شروع کیے۔

سید صاحب مرحوم کی زندگی علم کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی اور ان کا شب و روز کا یہی مشغلہ تھا۔ دارالمصنفین (اعظم گڑھ) کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ مقالات و مضامین کے علاوہ

انہوں نے جو کتابیں تصنیف فرمائیں، وہ بے حد اہمیت کی حامل ہیں، ان میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں۔

① سیرۃ النبی: مولانا شبلی مرحوم نے سیرۃ النبی کا جو مسودہ اپنے بعد چھوڑا وہ سید صاحب نے دو جلدوں میں مرتب کر کے شائع کیا۔ اس کے بعد چار جلدیں خود لکھیں۔ یہ ایک مہتمم بالشان کام ہے جو انہوں نے مکمل کیا۔

② ارض القرآن: اس کتاب میں ان مقامات کے محل وقوع، جغرافیے اور تاریخ کی تفصیل بیان کی گئی ہے، جن کا قرآن مجید میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ ان مقامات میں رہنے والی قوموں کا تذکرہ بھی اس میں آ گیا ہے۔ اس موضوع کی اردو میں یہ اولین کتاب ہے۔

③ حیات مالک: یہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات ہے۔

④ عربوں کی جہاز رانی: یہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، عربوں کی سمندری تگ و تاز پر مشتمل ہے۔

⑤ سفر افغانستان۔ ⑥ خیام

⑦ حیات شبلی: اس کتاب میں اپنے استاذ محترم مولانا شبلی کے حالات شرح بسط سے تحریر کیے ہیں۔

⑧ لغات جدیدہ:

⑨ خطبات مدراس: یہ آٹھ خطبات ہیں جو سید صاحب نے جنوبی ہند کی ''اسلامی تعلیمی انجمن'' کی فرمائش پر ۱۹۲۵ء کے اکتوبر اور نومبر میں مدراس میں ارشاد فرمائے تھے۔ ان خطبات کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس کی پوری عملی اور تاریخی زندگی کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ہر واقعہ نہایت موثر اور ہر بات قلب و روح کے لیے انتہائی مسرت انگیز ہے۔

⑩ سیرت عائشہ: اب ملاحظہ فرمایئے سید صاحب کی تصنیف سیرت عائشہ کے متعلق چند سطور۔ سیرت عائشہ اہل بیت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظیم خدمت ہے جو سید صاحب نے سرانجام دی اس کا آغاز انہوں نے اپنی طالب علمی کے آخری سال میں کیا تھا جب وہ ''الندوہ'' کے سب ایڈیٹر تھے یہ اپریل ۱۹۰۶ کا واقعہ ہے۔ ان کے استاد مکرم مولانا شبلی نے اس کے متعلق ان کی حوصلہ افزائی کی اور ضروری مشورے دیئے اس کے بعض اجزاء اپریل ۱۹۰۸ کے ''الندوہ'' میں شائع بھی ہوئے۔ لیکن اس کے بعد ان کے ذہن وفکر پر دوسرے کاموں نے غلبہ پالیا اور یہ سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا۔ طویل عرصے کے بعد ذہن نے پلٹا کھایا تو کتاب مکمل ہو گئی اور ۱۹۲۰ میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔ بعد ازاں دوسری دفعہ چھپی، لیکن سید صاحب اس پر نظر ثانی نہ کر سکے جو ان کے نزدیک ضروری تھی۔ تیسری اشاعت کا موقع آیا تو نظر ثانی بھی ہو گئی اور بعض نکات میں اضافہ بھی کر دیا گیا آخر میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ **"عین الاصابہ فیما استدر کتہ السیدۃ عائشۃ علی الصحابۃ"** بھی شامل کر دیا گیا۔

کتاب بہت سے اہم مسائل پر مشتمل ہے اور اس موضوع کی اولین کتاب ہے اور تحقیق کے

اعتبار سے آخری بھی۔! جن مضامین سے کتاب کو مزین کیا گیا ہے وہ یہ ہیں حضرت عائشہ صدیقہ کے ابتدائی حالات، ان کی تعلیم وتربیت، معاشرتی وازدواجی زندگی، سوتیلی اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک، واقعہ افک، اصلاحی کارنامے، قرآن مجید میں مہارت، مسائل پر عبور، قوتِ اجتہاد، فرامین رسالت مآب ﷺ پر عمیق نظر، فقہ وقیاس کا بے پناہ ملکہ، طب، تاریخ، خطابت اور شاعری، سلسلہ افتا، خواتین عالم پر ان کے علمی وتحقیقی احسانات۔ یہ اور ان کے علاوہ بہت سے مضامین نہایت حسنِ ترتیب اور محققانہ اسلوب میں کتاب میں مرقوم ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک بہت بڑا مسئلہ ان کی عمر سے تعلق رکھتا ہے یعنی جب وہ کاشانۂ نبوت میں زوجہ مطہرہ کی حیثیت سے آئیں تو ان کی کیا عمر تھی؟ یہ ایک اہم سوال ہے، جس کے متعلق بہت سے لوگوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے اس مسئلے کو خاص طور سے ہدف بحث ٹھہرایا ہے اور اس ضمن کے تمام اعتراضات کو محکم دلائل کے ساتھ حل فرمادیا ہے۔ اس کتاب کا ہر شخص کو مطالعہ کرنا چاہیے۔ خواتین کو بالخصوص اس کے مشمولات سے استفادہ کرنا چاہیے۔ اس کے صفحات میں شرعی اور دینی معلومات کا بہت بڑا گنجینہ پنہاں ہے۔

سید صاحب اپنے عہد کے بہت بڑے مصنف بھی تھے، شاعر بھی تھے، سیرت نگار بھی تھے، مورخ بھی تھے، عالم دین بھی تھے، ماہر قضیات بھی تھے، مبلغ بھی تھے، خطیب ومقرر بھی تھے، قرآن وحدیث پر بھی عبور رکھتے تھے اور انسانی نفسیات کو بھی خوب سمجھتے تھے۔

سید صاحب بلند فکر اور عالی دماغ عالم تھے۔ اس فقیر کو ان کی زیارت کا شرف حاصل ہے، ان کی مجلس میں حاضر ہونے اور ان کے ارشادات سننے کی سعادت سے بھی یہ عاجز بہرہ مند ہے۔ ان کے شاگردوں اور ان سے ملنے اور تعلق رکھنے والوں سے بھی ان کے متعلق بہت سی باتوں سے باخبر ہونے کے مواقع ملے ہیں۔ وہ شگفتگی وشائستگی کا حسین پیکر تھے۔

طویل عرصے تک وہ ملکی سیاسیات میں بھی عملاً حصہ لیتے رہے، لیکن ۱۹۲۰ء سے تھوڑا عرصہ بعد سیاسی معاملات سے کنارہ کش ہوگئے تھے اور اپنی تمام سرگرمیوں کا محور تصنیف وتالیف اور دار المصنفین اعظم گڑھ کے علمی معاملات کو قرار دے لیا تھا۔

تقسیم ملک سے دوسال دس مہینے بعد جون ۱۹۵۰ء میں وہ پاکستان آگئے تھے۔ ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو کراچی میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ.

محمد اسحاق بھٹی

اسلامیہ کالونی، سانده۔ لاہور

۱۱۔ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ ۷۔ نومبر ۲۰۰۳ء بروز جمعہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ طبع سوم

سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میری ابتدائی تصنیف ہے۔ جس کا آغاز طالب العلمی ہی میں کیا گیا تھا، مگر اس کی تکمیل استاد مرحوم کی وفات کے بعد ہوئی، اور اشاعت ۱۹۲۰ء میں اس وقت ہوئی جب خاکسار وفد خلافت کے سلسلہ میں لندن میں مقیم تھا، اس کے بعد دوسری دفعہ بھی چھپی مگر نظر ثانی کی نوبت نہیں آئی، مدت سے خیال تھا کہ بعض فقہی مسائل کے متعلق میری تحقیق کا جو نقطۂ نظر بدلا ہے اس کی اصلاح اس میں کر دی جائے۔ بحمد اللہ کہ اب اس کا موقع ہاتھ آیا۔ حوالوں کی دیکھ بھال، عبارت کی درستگی اور بعض نکات کے بڑھانے کی توفیق بھی ملی، آخر کتاب میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ''عین الاصابة فی استدراک عائشہ رضی اللہ عنہا'' کو بھی بطور ضمیمہ شامل کرنا مناسب معلوم ہوا تا کہ یہ نایاب رسالہ منظر عام پر آ جائے اور خاکسار کو حدیث شریف کی ایک ادنیٰ خدمت کا شرف حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ اس نے ہیچمداں و ہیچمیرز کو یہ سعادت بخشی کہ کاشانۂ نبوت کے اس نورِ باطن کو اس کے ہاتھوں عالم آشکارا فرمایا، جس سے مسلمان بیبیوں کو اپنی ایک ہم جنس کی شکل میں تعلیم نبوی کی مکمل تعلیم کا آئینہ نظر آتا ہے۔

اس کتاب کی تصنیف کے وقت چاہے مؤلف کی غرض طالب علمانہ ہو اور اس کی تکمیل کے وقت ایک رئیسۂ وقت کی فرمائش کا خیال ہو، لیکن اب بحمد اللہ اس نظر ثانی میں حق اور ذات حق کے سوا کچھ مطلوب نہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اوراق سے مسلمانوں کو عموماً اور مسلمان بیبیوں کو خصوصاً اہل بیت نبوی کی محبت اور عمل کی توفیق اور خاکسار مؤلف کو حسن خاتمہ اور مغفرت کا انعام ملے۔

ہیچمداں سلیمان

۲۵/ربیع الاول ۱۳۶۴ھ



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نو برس گزر گئے، [1] جب مجھے سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اوّل اوّل خیال آیا، اس وقت میں الندوہ کا سب اِڈیٹر تھا اور یہ میرے تعلیمی زمانہ کا آخری سال تھا۔ اپریل ۱۹۰۶ء میں ایک عریضہ کے ذریعہ سے اپنے خیالات استاد مرحوم کی خدمت میں عرض کئے، انہوں نے ہمت بندھائی اور کتابوں کے نام بتائے۔ [2] چنانچہ دو برس کے بعد ایک ٹکڑا ربیع الاوّل ۱۳۲۶ھ مطابق اپریل ۱۹۰۸ء کے الندوہ میں شائع بھی کیا گیا۔ پھر سوءِ اتفاق سے یہ خیال کچھ سرد سا پڑ گیا، لیکن احباب کا تقاضائے شوق برابر جاری رہا۔

مولوی عزیز مرزا مرحوم سے جب ملاقات ہوتی، سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تقاضا کرتے اور میں مسکرا کر خاموش ہو رہتا۔ حضرت استاذ بھی بار بار اس کی تکمیل کی ہدایت فرماتے رہے۔ [3] میرے احباب میں سید عبدالحکیم صاحب ایک بزرگ ہیں، ان کا کوئی خط "سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا" کے تقاضے سے خالی نہیں آیا۔ آخر میں نے اپنے سکوت سے ان کو خاموش کر دیا۔ لیکن میرے دوستوں میں ایک صاحب نہایت مستقل مزاج اور صابر نکلے، منشی محمد امین صاحب مہتمم صیغۂ تاریخ بھوپال، پورے آٹھ مہینے تک میرے انکار و تعلل سے بھی مایوس نہ ہوئے۔ آخر ۲۷ ررجب ۱۳۳۲ھ مطابق ۲۲ رجون ۱۹۱۴ء کو ان کا اصرار میرے انکار پر غالب آیا۔

چونکہ اس کام کی تکمیل میں ایک زمانہ صرف ہوا اور تکمیل کے بعد بھی سامانِ طبع کی گرانی کے باعث اس کی اشاعت میں تاخیر ہوئی اور مختلف تقریب سے اس کا ذکر قلم سے نکل چکا تھا۔ اس لئے بہت جلد اس کا نام زبانوں پر آ گیا، یہ دیکھ کر بعض مستعجل اصحاب قلم نے اس نام سے کئی کتابیں شائع کیں۔ لیکن مجھے اس کا غم نہیں ہوا اور امید ہے کہ میری طرح ناظرین کو بھی غم نہ ہوگا کہ یہ مصنف "الفاروق" کی سنت ہے، جو بہر حال مصنف سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیش آنی تھی: "فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ."

سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اہمیت

اردو کی نشاۃ جدیدہ نے ہماری زبان میں جن تصنیفات کا ذخیرہ فراہم کیا ہے، ان سے رجال اسلام کے کارنامے ایک حد تک منظر عام پر آ گئے ہیں، لیکن مخدراتِ اسلام کے کارہائے نمایاں

---

[1] تاریخ آغاز تصنیف یعنی ۱۹۱۴ء تک، ورنہ اختتام تصنیف یعنی ۱۹۱۷ء تک بارہ سال گزرے۔ [2] مکاتیب شبلی، جلد ۲ مکتوب: ۴۱ [3] مکاتیب شبلی، جلد ۲ مکتوب: ۵۸، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳۔

اب تک پردہ خفا میں ہیں، سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا پہلی کوشش ہے جس کے ذریعہ سے اس صنف کے کارناموں کو بے نقاب کیا گیا ہے، اس کے بعد حالات نے اجازت دی تو نساء الاسلام مرتب ہوگی۔

آج مسلمانوں کے اس دور انحطاط میں، ان کے انحطاط کا بحصہ رسدی آدھا سبب ''عورت'' ہے۔ وہم پرستی، قبر پرستی، جاہلانہ مراسم، غم وشادی کے موقعوں پر مسرفانہ مصارف اور جاہلیت کے دوسرے آثار، صرف اس لئے ہمارے گھروں میں زندہ ہیں کہ آج مسلمان بیبیوں کے قالب میں تعلیمات اسلامی کی روح مردہ ہوگئی ہے، شاید اس کا سبب یہ ہو کہ ان کے سامنے ''مسلمان عورت'' کی زندگی کا کوئی مکمل نمونہ نہیں۔ آج ہم ان کے سامنے اس خاتون کا نمونہ پیش کرتے ہیں، جو نبوتِ عظمیٰ کی نو سالہ مشارکت زندگی کی بنا پر خواتین خیر القرون کے حرم میں کم وبیش ۴۰ برس تک شمع ہدایت رہی۔

ایک مسلمان عورت کے لئے سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں اس کی زندگی کے تمام تغیرات، انقلابات اور مصائب، شادی، رخصتی، سسرال، شوہر، سوکن، لاولدی، بیوگی، غربت، خانہ داری، رشک وحسد، غرض اس کے ہر موقع اور ہر حالت کے لئے تقلید کے قابل نمونے موجود ہیں۔ پھر علمی، عملی، اخلاقی ہر قسم کے گوہر گرانمایہ سے یہ پاک زندگی مالا مال ہے۔ اس لئے سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے لئے ایک آئینہ خانہ ہے جس میں صاف طور پر یہ نظر آئے گا کہ ایک مسلمان عورت کی زندگی کی حقیقی تصویر کیا ہے؟

ایک خاص نکتہ جو اس موقع پر لحاظ کے قابل ہے، وہ یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سیرت مبارکہ نہ صرف اس لئے قابلِ مطالعہ ہے کہ وہ ایک حجلہ نشین حرم نبوت کی پاک زندگی کے واقعات کا مجموعہ ہے، بلکہ اس لحاظ سے بھی اس کا مطالعہ ضروری ہے کہ یہ ''دنیا کے بزرگ ترین انسان'' کی زندگی کا وہ نصف حصہ ہے، جو ''مرأۃِ کاملہ'' (کامل عورت) کا بہترین مرقع ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔

ماخذ

سوانح عمریوں کے لئے عموماً تاریخ کی کتابیں کارآمد ہوتی ہیں، لیکن اس وقت جس زمانہ کے واقعات لکھنا ہیں اس کی تاریخ صرف حدیث کی کتابیں ہیں۔ یہ تمام ذخیرہ درحقیقت جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن اور اصحاب کبار رضی اللہ عنہم کی مقدس زندگیوں کی عملی تاریخ ہے۔ اس بناء پر میری معلومات کا ماخذ صرف احادیث کی کتابیں ہیں۔ جوامع، مسانید اور سنن سے عموماً اور کہیں کہیں اسماء الرجال کی کتابوں مثلاً طبقات ابن سعد، تذکرۃ الحفاظ ذہبی، تہذیب ابن حجر وغیرہ اور فتح الباری، قسطلانی، نووی وغیرہ شروحِ احادیث سے بھی مدد لی گئی ہے۔ عام تاریخ کی کتابوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا ہے۔ جنگ جمل کے متعلق بلاشبہ مجبوری تھی کہ اس کا مفصل تذکرہ احادیث میں نہیں، اس لئے اس باب

میں زیادہ تر طبری پر اعتماد کیا گیا ہے۔

حدیث کی کتابوں میں زیادہ تر صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد اور مسند امام احمد بن حنبل میرے پیش نظر رہی ہیں۔ ان کتابوں کا ایک ایک حرف میں نے پڑھا۔ مسند کی چھٹی جلد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مرویات میں، ان کے حالات کثرت سے ملے، اس کتاب کے ماخذوں میں سب سے نادر کتاب حاکم کی مستدرک اور سیوطی کی ''عین الاصابہ فی استدراک عائشہ علی الصحابہ'' ہے۔ عین الاصابہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں وہ حدیثیں جمع کی گئی ہیں، جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے معاصرین کی غلطیاں یا غلط فہمیاں ظاہر کی ہیں۔

اربابِ نظر جانتے ہیں کہ کتب احادیث خصوصاً بخاری میں حالات اس قدر متفرق اور منتشر ہیں کہ ان کو ڈھونڈ کر یکجا کرنا چیونٹیوں کے منہ سے شکر کے دانے چننا ہے۔ تاہم مسلسل مطالعہ نے جو سرمایہ فراہم کر دیا ہے، وہ پیش نظر ہے۔ اس موقع پر یہ لحاظ رکھنا چاہئے کہ ایک ہی واقعہ حدیث کی مختلف کتابوں میں یا ایک ہی کتاب کے مختلف ابواب میں مذکور ہوتا ہے۔ میں نے جہاں کہیں کسی کتاب یا کتاب کے باب کا حوالہ دیا ہے، اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ یہ واقعہ حدیث کی دوسری کتابوں یا دوسرے ابواب میں نہیں ہے بلکہ جہاں جو حوالہ مناسب سمجھا گیا، دے دیا گیا۔ اس لئے آپ کہیں کہیں ایک ہی واقعہ کے مختلف حوالے پائیں گے۔

انتساب

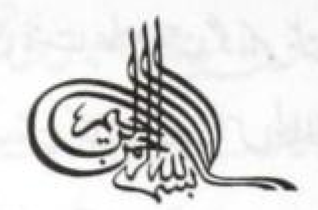
سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آغاز گو مصنف نے صرف اپنے شوق سے کیا تھا، لیکن الحمد للہ کہ اس کا انجام اس کے آغاز سے بہتر ہوا۔ ان اوراق میں جس مخدومۂ جہاں رضی اللہ عنہا کے حالات لکھے گئے ہیں، اس کے مقدس شریک زندگی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک، تاج ہند، ہر ہائنس والیۂ عالیہ بھوپال کی اعانت سے ہماری زبان میں تصنیف ہو رہی ہے۔ ایسی حالت میں ضروری تھا کہ حرم نبوت کی سیرت پاک کی تصنیف کا ایما بھی ادھر ہی ہوتا۔

اس تصنیف کی تکمیل کا باعث درحقیقت حضور ممدوحہ ہی کا ارشاد ہے، پہلے مولانائے مرحوم کے ذریعہ سے [1] اور ان کی وفات کے چند روز بعد ۲۹ نومبر ۱۹۱۴ء کو جب مجھے باریابی کا شرف حاصل ہوا تو مشافہۃً سرکار عالیہ نے اس کی تکمیل کا حوصلہ دلایا۔ برسوں کی محنت اور زحمت کشی کے بعد بحمد اللہ کہ ایک علمی خدمت کے انجام کے ساتھ تعمیل ارشاد کی مسرت بھی حاصل کر رہا ہوں۔

سید سلیمان (۱۹۲۰ء)

---

[1] مکاتیب شبلی: جلد ۲ ص ۱۲۸، ۱۲۹۔



اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَ اٰلِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِينَ.

نام، نسب، خاندان

عائشہ رضی اللہ عنہا نام، صدیقہ لقب، ام المؤمنین خطاب، ام عبداللہ کنیت اور حمیرا القب [1] ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنت الصدیق بھی سے خطاب فرمایا ہے۔ [2]

عبداللہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے یعنی آپ کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے تھے، جو زیادہ تر اپنے باپ کی نسبت سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں۔ عرب میں کنیت شرافت کا نشان ہے، چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اولاد نہ تھی، اس لئے کوئی کنیت بھی نہ تھی۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حسرت کے ساتھ عرض پرداز ہوئیں کہ اور بیبیوں نے تو اپنی سابق اولادوں کے نام پر اپنی کنیت رکھ لی ہے، میں اپنی کنیت کس کے نام پر رکھوں؟ فرمایا: ''اپنے بھانجے عبداللہ کے نام پر [3] '' چنانچہ اسی دن سے ام عبداللہ، عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت قرار پائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام عبداللہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ کنیت اور صدیق لقب تھا، ماں کا نام اُم رومان تھا۔ باپ کی طرف سے سلسلۂ نسب عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمر بن کعب بن سعد بن تیم، بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب، بن فہر بن مالک اور ماں کی

[1] جن روایتوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لقب ''حمیرا'' (گوری) ہے محدثین کے نزدیک وہ سنداً ثابت نہیں ہیں جیسا کہ کتب موضوعات میں زیر حدیث ((خذوا اشطر دینکم من الحمیراء)) مذکور ہے۔ بعضوں نے لکھا کہ نسائی کی ایک روایت میں سند صحیح یہ لقب مذکور ہے، لیکن مجھ کو تلاش پر بھی یہ روایت نہیں ملی، بلکہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہر وہ حدیث جس میں حمیرا ہے جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہے۔ (کشف الخفاء مزیل الالتباس مما اشتہر علی السنۃ الناس احمد عطار حلبی جلد ا ص ۳۷۴) بہر حال مصنفین کتب رجال نے حمیرا آپ کا لقب لکھا ہے اور لغات الحدیث مثلاً مجمع البحار اور نہایہ وغیرہ میں بھی زیر لفظ ''حمر'' اس کی تصریح ملتی ہے، واللہ اعلم۔

[2] ترمذی: تفسیر سورۃ المومنون۔

[3] ابوداود: کتاب الادب و مسند ابن حنبل مسند عائشہ رضی اللہ عنہا، جلد ۶ ص ۹۳ و ۱۰۷۔

طرف سے عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ام رومان بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ، بن سبیع، بن وہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ ہے۔ اس لحاظ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باپ کی طرف سے قرشیہ تیمیہ اور ماں کی طرف سے کنانیہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا نسب ساتویں آٹھویں پشت پر جا کر مل جاتا ہے اور ماں کی جانب سے گیارہویں بارہویں پشت میں کنانہ پر جا کر ملتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ۱۳ ھ میں وفات پائی، ان کی ماں ام رومان رضی اللہ عنہا کی نسبت اکثر مورخوں نے لکھا ہے کہ انہوں نے ۵ ھ یا ۶ ھ میں انتقال کیا۔ [1] لیکن یہ صحیح نہیں، معتبر حدیثوں سے ثابت ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہیں۔ ۶ ھ کے ''واقعہ افک'' کے سلسلہ میں تمام حدیثوں میں ان کا نام آیا ہے۔ ۹ ھ کے ''واقعہ تخییر'' کے وقت بھی وہ زندہ تھیں۔ [2] صحیح بخاری میں مسروق تابعی کی روایت ان سے متصلا مروی ہے۔ [3] امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ صغیر میں ان کا نام ان لوگوں میں لکھا ہے جنہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انتقال کیا اور پہلی روایت پر اعتراض کیا ہے [4] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب میں اس پر محققانہ نقد لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان بالکل صحیح ہے۔

ولادت

حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح عبداللہ ازدی سے ہوا تھا، عبداللہ کے انتقال کے بعد وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں، ان سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دو اولادیں ہوئیں، عبدالرحمن اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ ولادت سے تاریخ وسیر کی عام کتابیں خاموش ہیں۔

مؤرخ ابن سعد نے لکھا ہے اور بعض ارباب سیر نے اسی کی تقلید کی ہے کہ'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبوت کے چوتھے سال کی ابتداء میں پیدا ہوئیں اور نبوت کے دسویں سال چھ برس کے سن میں بیاہی گئیں۔'' لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا، کیونکہ اگر نبوت کے چوتھے سال کی ابتداء میں ان کی ولادت مان لی جائے تو نبوت کے دسویں سال ان کی عمر ۶ سال کی نہیں بلکہ سات سال کی ہوگی، اصل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے متعلق چند باتیں متفقہ طور پر ثابت ہیں، ہجرت سے تین

---

[1] اسد الغابہ ابن اثیر، جلد ۵ ص ۵۸۳ مطبوعہ مصر۔ [2] طبقات النساء ابن سعد، ص ۵۴ طبع یورپ وصحیح بخاری ومسلم واقعہ تخییر ومسند ابن حنبل جلد ۶۔ [3] صحیح بخاری: تفسیر سورہ نور۔ [4] تاریخ صغیر: امام بخاری، ص ۲۱/طبع الٰہ آباد۔

برس پہلے ۶ برس کی عمر میں بیاہی گئیں، شوال ۱ھ میں ۹ برس کی تھیں کہ رخصتی ہوئی، ۱۸ سال کی عمر میں یعنی ربیع الاول ۱۱ھ میں بیوہ ہوئیں، اس لحاظ سے ان کی ولادت کی صحیح تاریخ نبوت کے پانچویں سال کا آخری حصہ ہوگا۔ یعنی شوال ۹ ھ قبل ہجرت مطابق جولائی ۶۱۴ء۔

آئندہ کے تاریخی واقعات کے سمجھنے کے لئے یہ جان لینا چاہئے کہ نبوت کے ۲۳ سال میں سے تقریباً ۱۳ سال مکہ میں اور دس سال مدینہ منورہ میں گزرے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب پیدا ہوئی تھیں تو نبوت کے چار سال گزر چکے تھے اور پانچواں سال گزر رہا تھا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کاشانہ وہ برجِ سعادت تھا جہاں خورشیدِ اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے پرتوافگن ہوئیں، اس بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسلام کے ان برگزیدہ لوگوں میں ہیں جن کے کانوں نے کبھی کفر وشرک کی آواز نہیں سنی، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا، ان کو مسلمان پایا۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وائل کی بیوی نے دودھ پلایا تھا، وائل کی کنیت ابوالقعیس تھی، وائل کے بھائی افلح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا کبھی کبھی ان سے ملنے آیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے وہ ان کے سامنے آتی تھیں [2] اور ان کے رضاعی بھائی بھی کبھی کبھی ان سے ملنے آیا کرتے تھے۔ [3]

بچپن

غیر معمولی اشخاص اپنے بچپن ہی سے اپنی حرکات وسکنات اور نشو ونما میں ممتاز ہوتے ہیں، ان کے ایک ایک خط وخال میں کشش ہوتی ہے۔ ان کے ناصیۂ اقبال سے مستقبل کا نور خود بخود چمک چمک کر نتیجہ کا پتہ دیتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اسی قسم کے لوگوں میں تھیں، بچپن ہی میں ان کے ہر انداز سے سعادت اور بلندی کے آثار نمایاں تھے، تاہم بچہ بچہ ہے وہ صرف کھیلتا ہے اور کھیلنا ہی اس کی عمر کا تقاضا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی لڑکپن میں کھیل کود کی بہت شوقین تھیں، محلہ کی لڑکیاں ان کے پاس جمع رہتیں اور وہ اکثر ان کے ساتھ کھیلا کرتیں، لیکن اس لڑکپن اور کھیل کود میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ہر وقت ملحوظ رہتا۔

---

[1] بخاری شریف، جلد ۱ ص ۵۵۲ مصححہ مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ۔ [2] بخاری شریف، جلد ۱ ص ۳۶۰۔
[3] صحیح بخاری، جلد ۱ ص ۳۶۱۔

اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کھیلتی ہوتیں، اردگرد سہیلیوں کا ہجوم ہوتا، کہ اتفاقاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ جاتے، وہ جلدی سے گڑیوں کو چھپا لیتیں، سہیلیاں آپ کو دیکھ کر اِدھر اُدھر چھپ جاتیں لیکن چونکہ آپ بچوں سے خاص محبت رکھتے تھے اور ان کے کھیل کود کو برا نہیں سمجھتے تھے، اس لئے لڑکیوں کو پھر بلا بلا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھیلنے کو کہتے تھے۔ 1 تمام کھیلوں میں ان کو دو کھیل سب سے زیادہ مرغوب تھے، گڑیاں کھیلنا اور جھولا جھولنا۔ 2

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گڑیاں کھیل رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے۔ گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کے دائیں بائیں دو پر لگے ہوئے تھے، آپ نے استفسار فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا! یہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ ''گھوڑا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''گھوڑوں کے تو پر نہیں ہوتے۔'' انہوں نے برجستہ کہا: ''کیوں؟ سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر تو تھے''۔ آپ اس بے ساختہ پن کے جواب پر مسکرا دیئے۔ 3 اس واقعہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فطری حاضر جوابی، مذہبی واقفیت، ذکاوت ذہن اور سرعت فہم کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

عموماً ہر زمانہ کے بچوں کا وہی حال ہوتا ہے جو آج کل کے بچوں کا ہے کہ سات آٹھ برس تک تو انہیں کسی بات کا مطلق ہوش نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی بات کی تہہ تک پہنچ سکتے ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لڑکپن کی ایک ایک بات یاد رکھتی تھیں، ان کی روایت کرتی تھیں، ان سے احکام مستنبط کرتی تھیں، لڑکپن کے جزئی جزئی واقعات کی مصلحتوں کو بتاتی تھیں۔ لڑکپن کے کھیل کود میں اگر کوئی آیت ان کے کانوں میں پڑ جاتی تو اس کو بھی یاد رکھتی تھیں۔ فرمایا کرتی تھیں کہ مکہ میں یہ آیت ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ﴾ [۵۴/القمر:۴۶] نازل ہوئی تو میں کھیل رہی تھی۔ 4 ہجرت کے وقت ان کا سن آٹھ برس کا تھا، لیکن اس کم سنی اور کم عمری میں ہوش مندی اور قوت حافظہ کا یہ حال تھا کہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام واقعات بلکہ تمام جزئی باتیں ان کو یاد تھیں۔ ان سے بڑھ کر کسی صحابی نے ہجرت کے واقعہ کا تمام مسلسل بیان محفوظ نہیں رکھا ہے۔ 5

---

1 ابن ماجہ: باب مدارۃ النساء۔ صحیح مسلم: فضائل عائشہ رضی اللہ عنہا ۔ 2 ابوداود: کتاب الادب

3 مشکوۃ: باب عشرۃ النساء۔ ابوداود کتاب الادب میں ہے کہ غزوہ خیبر یا غزوہ تبوک کے زمانہ کا واقعہ ہے غزوہ خیبر ۷ھ اور تبوک ۹ھ میں ہوا۔ اس لحاظ سے اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۳ یا ۱۵ برس کی ہوگی۔

4 صحیح بخاری: تفسیر سورۂ قمر۔

5 صحیح بخاری: باب الهجرۃ۔

شادی

رسول اللہ ﷺ کی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد ہیں۔ آپ ﷺ کا سن شریف اس وقت پچیس برس کا تھا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا چالیس برس کی تھیں، اس کے بعد وہ پچیس برس تک شرف صحبت سے ممتاز رہیں۔ رمضان ۱۰ نبوت میں ہجرت سے تین برس پہلے انہوں نے وفات پائی، اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر شریف پچاس برس تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ۶۵ برس کی تھیں۔

اسلام میں بیوی کا جو درجہ ہونا چاہئے وہ اس سے ظاہر ہے کہ دنیا میں اپنے عزیز شوہر کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دوسری مسلمان تھیں، تنہائی کے اضطراب میں، مصیبتوں کے ہجوم میں اور ستم گاریوں کے تلاطم میں ہر جگہ وہ اپنے مقدس شوہر کے ساتھ تھیں، وہ ہر ایسے موقع پر آپ کو تسکین دیتی تھیں، آپ کے ساتھ ہمدردی کرتی تھیں اور آپ کی مصیبتوں میں آپ کا ہاتھ بٹاتی تھیں، اب ایسی رفیق و غمگسار بیوی کی وفات کے بعد آنحضرت ﷺ بہت ملول رہا کرتے تھے، بلکہ اس تنہائی کے غم سے زندگی بھی دشوار ہو گئی تھی۔

جانثاروں کو اس کی بڑی فکر ہوئی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون المتوفی ۲ھ ایک مشہور صحابی ہیں، ان کی بیوی خولہ رضی اللہ عنہا بنت حکیم آپ ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ دوسرا نکاح کر لیں۔ آپ نے فرمایا: کس سے! خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بیوہ اور کنواری دونوں طرح کی لڑکیاں موجود ہیں، جس کو آپ پسند فرمائیں اس کے متعلق گفتگو کی جائے، فرمایا: وہ کون ہیں؟ خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بیوہ تو سودہ بنت زمعہ ہیں اور کنواری [2] ابوبکر رضی اللہ عنہ کی لڑکی عائشہ رضی اللہ عنہا، ارشاد ہوا: بہتر ہے تم ان کی نسبت گفتگو کرو۔

---

[1] طبقات ابن سعد، جلد ص ۱۴۱ طبع لائیڈن۔

[2] یورپ کے مستشرقوں اور عیسائی محققوں کی شرمناک جہالتوں کا ایک نمونہ یہ ہے کہ چونکہ "بکر" عربی میں کنوارے کو کہتے ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا پیغمبر اسلام علیہ السلام کی تنہا کنواری بیوی تھیں، اس شرف و امتیاز کی بنا پر ان کے باپ کا خطاب اسلام میں ابوبکر قرار پایا۔ اگر بیگانوں کو اصل واقعہ کی خبر نہ ہو تو محل افسوس نہیں، افسوس تو یہ ہے کہ اپنوں کو بھی گھر کی اطلاع نہیں۔ مسٹر امیر علی جو ہماری جدید تعلیم کی بہترین پیداوار ہیں۔ لائف آف محمد باب ۱۴ میں اس غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں، عرب میں کنیت، عزت کا نشان سمجھا جاتا تھا، کنیت سے خطاب کرنا عربوں میں انتہائی تعظیم تھی، جو لوگ انتہائی معزز ہوتے تھے کنیت کے آگے ان کے اصلی نام گم ہو جاتے تھے، ابوسفیان، ابوجہل، ابولہب، ابوذر کو سب جانتے ہیں لیکن ان کے نام کون جانتا ہے، ابوبکر کا بھی یہی حال ہے، یہ کنیت نہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش بلکہ خود اسلام کی پیدائش سے بھی پہلے رکھی جا چکی تھی، پھر ان کو کون بتائے کہ عربی میں کنوارے کو بکر نہیں کہتے، وہ لفظ بالکسر بکر ہے، بکر، زید، عمرو وغیرہ کی طرح عرب کا ایک مشہور علم ہے، بنوبکر بن وائل مشہور قبیلہ تھا، اس کا بکر کے لفظ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئیں اور ان سے تذکرہ کیا۔ جاہلیت کا دستور تھا کہ جس طرح سگے بھائیوں کی اولاد سے نکاح جائز نہیں، عرب اپنے منہ بولے بھائیوں کی اولاد سے بھی شادی نہیں کرتے تھے۔ اس بناء پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: خولہ! عائشہ رضی اللہ عنہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے، آپ سے اس کا نکاح کیونکر ہو سکتا ہے؟ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا، آپ نے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے دینی بھائی ہیں، اور اس قسم کے بھائیوں سے نکاح جائز ہے۔ [1] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے قبول کر لیا۔

لیکن اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جبیر بن مطعم کے بیٹے سے منسوب ہو چکی تھیں، اس لئے ان سے بھی پوچھنا ضروری تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جبیر سے جا کر پوچھا کہ تم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت اپنے بیٹے سے کی تھی، اب کیا کہتے ہو؟ جبیر نے اپنی بیوی سے پوچھا۔ جبیر کا خاندان ابھی اسلام سے آشنا نہیں ہوا تھا، اس کی بیوی نے کہا: اگر یہ لڑکی ہمارے گھر آ گئی تو ہمارا بچہ بد دین ہو جائے گا ہم کو یہ بات منظور نہیں۔ [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کم سن بچی تھیں، کبھی کبھی بچپن کے تقاضے سے ماں کی خلاف مرضی کوئی بات کر بیٹھتی تھیں تو ماں سزا دیتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں دیکھتے تو رنج ہوتا۔ اس بناء پر حضرت ام رومان سے تاکید فرما دی تھی، کہ ذرا میری خاطر اس کو ستانا نہیں، ایک بار آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کواڑ سے لگ کر رو رہی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم نے میری بات کا لحاظ نہیں کیا۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ باپ سے میری بات جا کر لگا آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ بھی کرے لیکن اس کو ستاؤ نہیں۔ [3]

حدیثوں میں آیا ہے کہ نکاح سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے سامنے کوئی چیز پیش کر رہا ہے، پوچھا کیا ہے؟ جواب دیا کہ آپ کی بیوی ہیں۔ آپ نے کھول کر دیکھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ [4]

---

[1] صحیح بخاری: باب تزویج الصغار من الکبار ص ۷۶۰۔

[2] مسند احمد جز ۶ ص ۲۱۱۔

[3] مستدرک حاکم [4] صحیح بخاری: مناقب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جب نکاح ہوا تھا تو اس وقت چھ برس کی تھیں۔ [1] اس کم سنی کی شادی کا اصل منشاء نبوت اور خلافت کے درمیان تعلقات کی مضبوطی تھی، ایک تو خود عرب کی گرم آب و ہوا میں عورتوں کی غیر معمولی نشو ونما کی طبعی صلاحیت موجود ہے، دوسرے عام طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جس طرح ممتاز اشخاص کے دماغی اور ذہنی قویٰ میں ترقی کی غیر معمولی استعداد ہوتی ہے، اسی طرح قد و قامت میں بھی بالیدگی کی خاص قابلیت ہوتی ہے، اسی کو انگریزی میں ''پری کوشیس'' کہتے ہیں، بہرحال اس کم سنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں قبول کرنا، اس بات کی صریح دلیل ہے کہ لڑکپن ہی سے ان میں نشو ونما، ذکاوت، جودت ذہن اور نکتہ رسی کے آثار نمایاں تھے۔

حضرت عطیہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا واقعہ اِس سادگی سے بیان کرتی ہیں کہ ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں، ان کی انا آئی اور ان کو لے گئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آ کر نکاح پڑھا دیا۔

مسلمان عورت کی شادی صرف اسی قدر اہتمام چاہتی ہے، لیکن آج ایک مسلمان لڑکی کی شادی مسرفانہ مصارف اور مشرکانہ مراسم کا مجموعہ ہے، لیکن کیا خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مقدس تقریب اس کی عملی تکذیب نہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی کہ میرا نکاح ہوگیا، جب میری والدہ نے باہر نکلنے میں روک ٹوک شروع کی، تب میں سمجھی کہ میرا نکاح ہوگیا، اس کے بعد میری والدہ نے مجھے سمجھا بھی دیا۔ [2]

ابن سعد کی دو روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک مکان دیا تھا، جس کی قیمت پچاس درہم تھی یعنی دس روپے لیکن درایۃً یہ صحیح نہیں ہے۔ دس روپے تو بدحیثیت سے بدحیثیت اور چھوٹے سے چھوٹے مکان کی قیمت بھی نہیں ہوسکتی۔ ابن اسحاق کی

---

[1] بعض بے احتیاط لوگوں نے اس خیال سے کہ کم سنی کی یہ شادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے موزوں نہیں، اس بات کی کوشش کی ہے کہ وہ ثابت کریں کہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ برس کے بجائے ۱۶ برس کی تھی، لیکن یہ کوشش تمام تر بے سود اور ان کا یہ دعویٰ بالکل بے دلیل ہے۔ حدیث و تاریخ کے پورے دفتر میں ایک حرف بھی ان کی تائید میں موجود نہیں، جس کو تفصیل درکار ہو وہ معارف جولائی ۱۹۲۸ء و جنوری ۱۹۲۹ء میں اس بحث کو دیکھے ''س''۔ یہ تفصیل بھی آخر کتاب میں ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر پر تحقیقی نظر'' کے عنوان سے شامل اشاعت ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔ [ناشر]

[2] طبقات ابن سعد، ص ۴۰، لائیڈن

روایت ہے کہ چار سو درہم مہر مقرر ہوا تھا، لیکن ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے جو خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان کا مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا۔ [1] یعنی پانچ سو درہم، جس کے تقریباً سو روپے ہوئے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ازواج مطہرات کا مہر عموماً پانچ سو درہم ہوتا تھا۔ [2] مسند ابن حنبل میں بھی خود انہی سے روایت ہے کہ ان کا مہر پانچ سو درہم تھا۔ [3] بہر حال مہر کی اس مقدار کا مقابلہ آج کل کے زر مہر کی تعداد سے کرو جو ہمارے ملک میں جاری ہے، آج مہر کی کمی خاندان کی ذلت سمجھی جاتی ہے، لیکن کیا اسلام کا کوئی خاندان، خانوادۂ صدیق رضی اللہ عنہ سے شریف تر ہے اور کوئی مسلمان لڑکی صدیقہ کبریٰ رضی اللہ عنہا سے زیادہ بلند پایہ ہے......!!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ازدواج کی تاریخ میں اختلاف ہے، علامہ بدرالدین عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سنہ ہجرت سے دو برس پہلے اور کہا جاتا ہے کہ تین برس پہلے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ڈیڑھ برس پہلے ہوا تھا۔ [4] بعض اور روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تین برس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا اور بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ جس سال حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، اسی سال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔

ممکن تھا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کی تاریخ سے نکاح کی تاریخ مقرر کی جاتی لیکن خود حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کی تاریخ بھی متفق علیہ نہیں، ایک روایت ہے کہ سنہ ہجرت سے پانچ برس پہلے انتقال ہوا، دوسری روایت ہے کہ چار برس پہلے اور بعض روایتوں میں ہے کہ تین برس پہلے ہوا، اس اختلاف کے موقع پر خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول زیادہ معتبر ہو سکتا تھا لیکن لطف یہ ہے کہ بخاری اور مسند میں خود ان سے دو روائتیں ہیں ایک میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تین برس بعد نکاح ہوا۔ [5] اور دوسری میں ہے کہ اسی سال کا یہ واقعہ ہے۔ [6] جمہور محققین کا فیصلہ یہ ہے اور روایتوں کا بڑا اور مستند حصہ اسی کا مؤید ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبوت کے دسویں سال ہجرت سے تقریباً تین برس پہلے رمضان المبارک میں انتقال کیا، اور اسی کے ایک مہینہ کے بعد شوال

---

[1] طبقات ابن سعد، ص ۴۳۔ [2] صحیح مسلم: کتاب النکاح

[3] مسند عائشہ رضی اللہ عنہا ص ۹۴۔ [4] عمدۃ القاری، جلد ا ص ۴۵ قسطنطنیہ

[5] صحیح بخاری: فضل خدیجہ رضی اللہ عنہا و مسند احمد: جلد ۶ ص ۵۸ [6] بخاری: تزویج عائشہ رضی اللہ عنہا و مسند عائشہ رضی اللہ عنہا ص ۱۱۸۔

میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا چھٹا سال تھا۔ اس حساب سے شوال ۳ قبل ہجرت مطابق مئی ۶۲۰ء میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔ استیعاب میں علامہ ابن عبدالبر نے بھی اسی قول کی توثیق کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو دو روایتیں مذکور ہیں، میری رائے میں اس میں راوی کی غلط فہمی کو دخل ہے، نکاح تو اسی سال ہوا، جس سال حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی، لیکن زن وشوئی کے تعلقات تین برس بعد قائم ہوئے، جب وہ نو برس کی ہو چکی تھیں۔

ہجرت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد تقریباً تین برس تک میکہ ہی میں رہیں۔ دو برس، تین مہینے مکہ میں اور سات آٹھ مہینے ہجرت کے بعد مدینہ میں۔

مسلمانوں نے اپنے وطن سے دو بار ہجرتیں کیں ہیں، پہلے ملک حبش اور اس کے بعد مدینہ میں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی حبش کی طرف ہجرت کرنی چاہی تھی اور برک الغماد تک جو مکہ سے پانچ روز کی مسافت پر ایک منزل ہے، پہنچ چکے تھے کہ اتفاق سے ابن الدغنہ نامی ایک شخص کہیں سے آ رہا تھا اس نے یہ دیکھ کر کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اب وطن چھوڑ رہے ہیں، قریش کی بدقسمتی پر اس کو افسوس ہوا، اور نہایت اصرار سے اپنی پناہ میں ان کو مکہ واپس لایا۔ [1] ممکن ہے کہ اس سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کا خاندان بھی ہمراہ ہو۔

دوسری مرتبہ جب مکہ کے مشرکوں کے ظلم وستم کے شعلے، مسلمانوں کے صبر وتحمل کے خرمن میں آگ لگا رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ روزانہ صبح یا شام کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر بلا ناغہ آیا کرتے تھے۔ ایک دن خلاف معمول چہرۂ مبارک چادر سے لپیٹے، دوپہر کو تشریف لائے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا دونوں صاحبزادیاں بیٹھی تھیں۔ آپ نے پکار کر آواز دی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ذرا لوگوں کو ہٹا دو! میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں کوئی غیر نہیں، آپ ہی کے اہل خانہ ہیں۔ آپ تشریف لائے اور ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے مل جل کر سامان سفر درست کیا۔ [2] دونوں صاحبوں نے

---

[1] صحیح بخاری: باب الہجرۃ، جلد ۱، ص ۵۵۲۔

[2] یہ پوری تفصیل خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی صحیح بخاری: باب الہجرۃ، جلد اول، ص ۵۵۲ میں ہے۔

مدینہ کی راہ لی اور تمام اہل وعیال کو یہیں دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ گئے۔ جس دن یہ مختصر قافلہ دشمنوں کی گھاٹیوں سے بچتا ہوا مدینہ پہنچا، نبوت کا چودھواں سال اور ربیع الاول کی بارہویں تاریخ تھی۔

مدینہ میں ذرا اطمینان ہوا تو آپ نے اہل وعیال کے لانے کے لئے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ابو رافع رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو مکہ بھیجا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا آدمی بھیج دیا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اپنی ماں اور دونوں بہنوں کو لے کر مکہ سے روانہ ہوئے۔ اتفاق سے جس اونٹ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں، وہ بھاگ نکلا اور اس زور سے دوڑا کہ ہر منٹ پر یہ ڈر تھا کہ اب پالان گرا، اور اب گرا، عورتوں کا جیسا کہ قاعدہ ہے ماں کو اپنی پروا تو نہ تھی لیکن لخت جگر کے لئے زار و قطار رونے لگیں، آخر میلوں پر جا کر جب اونٹ پکڑا گیا تو ان کو تشفی ہوئی۔ یہ مختصر قافلہ جب مدینہ پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد نبوی اور اس کے آس پاس مکانات بنوا رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحبزادیاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور آپ کی بیوی حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اسی نئے گھر میں فروکش ہوئیں۔ [1]

رخصتی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے عزیزوں کے ساتھ بنو حارث بن خزرج کے محلہ میں اتریں [2] اور سات آٹھ مہینے تک یہیں اپنی ماں کے ساتھ رہیں، اکثر مہاجرین کو مدینہ کی آب وہوا ناموافق آئی، متعدد اشخاص بیمار پڑ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سخت بخار میں مبتلا ہو گئے، کم سن بیٹی اس وقت اپنے بزرگ باپ کی تیمارداری میں مصروف تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہو کر خیریت پوچھتی، وہ یہ شعر پڑھتے:۔

كُلُّ امْرِءٍ مُصَبَّحٌ فِيْ اَهْلِهٖ
وَالْمَوْتُ اَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ [3]

”ہر آدمی پر اپنے اہل وعیال ہی میں ڈاکہ پڑ رہا ہے، اور موت اس کی چپل کے تسمہ سے بھی اس سے قریب ہے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیفیت عرض کی، آپ نے دعا فرمائی۔

---

[1] طبقات النساء، ابن سعد، ص ۴۳ میں یہ کل تفصیل موجود ہے۔
[2] ابوداود: کتاب الادب۔ [3] صحیح بخاری: کتاب المرضیٰ، رقم: ۵۶۵۴۔

اس کے بعد وہ خود بیمار پڑیں اور اب باپ کی غمخواری کا موقع آیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹی کے پاس جاتے اور حسرت سے منہ پر منہ رکھ دیتے۔ یہ اس شدت کی علالت تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سر کے تمام بال گر گئے۔ (1) صحت ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب آپ اپنی بیوی کو اپنے گھر کیوں نہیں بلوا لیتے؟ آپ نے فرمایا: کہ اس وقت میرے پاس مہر ادا کرنے کے لئے روپے نہیں ہیں، گزارش کی کہ میری دولت قبول ہو۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ اوقیہ اور ایک نش یعنی سو روپے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے قرض لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھجوا دیئے۔ (2) اس واقعہ سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ جو مہر کو دنیا کا وہ قرض سمجھتے ہیں جو ادائیگی کی منت سے بے نیاز ہے، مہر عورت کا حق ہے اور اس کو ملنا چاہئے۔

مدینہ گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سسرال تھی، انصار کی عورتیں دلہن کو لینے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئیں، حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا نے بیٹی کو آواز دی، وہ اس وقت سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں۔ آواز سنتے ہی ماں کے پاس ہانپتی کانپتی دوڑی آئیں۔ ماں بیٹی کا ہاتھ پکڑے دروازہ تک، وہاں منہ دھلا کر بال سنوار دیئے، پھر ان کو اس کمرے میں لے گئیں، جہاں انصار کی عورتیں دلہن کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ دلہن جب اندر داخل ہوئی تو مہمانوں نے ((عَلَى الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ وَعَلٰى خَيْرِ طَائِرٍ)) یعنی ''تمہارا آنا بخیر و بابرکت اور فالِ نیک ہو'' کہہ کر استقبال کیا، دلہن کو سنوارا، تھوڑی دیر کے بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ (3)

اس وقت آپ کی ضیافت کے لئے دودھ کے ایک پیالہ کے سوا کچھ نہ تھا، حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک سہیلی بیان کرتی ہیں کہ میں اس وقت موجود تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ سے تھوڑا سا دودھ پی کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھایا، وہ شرمانے لگیں۔ میں نے کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ واپس نہ کرو۔'' انہوں نے شرماتے شرماتے لے لیا، اور ذرا سا پی کر رکھ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی سہیلیوں کو دو۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت، ہم کو اشتہا نہیں، فرمایا: ''جھوٹ نہ بولو، آدمی کا ایک ایک جھوٹ لکھا جاتا ہے''۔ (4)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی صحیح روایتوں کی بنا پر دن کے وقت شوال ۱ھ میں ہوئی۔

---

(1) صحیح بخاری: باب الھجرۃ میں یہ تمام واقعات مذکور ہیں۔ (2) طبقات النساء: ابن سعد، ص ۴۳۔

(3) صحیح بخاری: تزویج عائشہ رضی اللہ عنہا ص ۵۵۱ و صحیح مسلم کتاب النکاح۔

(4) مسند احمد بن حنبل مسند اسماء بنت یزید۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی جنگ بدر کے بعد ۲ھ میں ہوئی تھی۔ [1] لیکن یہ صحیح نہیں، کیونکہ اس بیان کے موافق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دسواں سال ہوگا، حالانکہ حدیث اور تاریخ کی تمام کتابیں متفق ہیں کہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صرف نو سال کی تھیں۔

مذکورۂ بالا بیانات سے اتنا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح، مہر، رخصتی غرض ہر رسم کس سادگی سے ادا کی گئی تھی۔ جس میں تکلف، آرائش اور اسراف کا نام تک نہیں، ﴿وَ فِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ [۸۳/المطففین:۲۶]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی تقریب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے سے عرب کی بہت سی بے ہودہ اور لغو رسموں کی بندشیں ٹوٹیں۔ سب سے اول یہ کہ عرب منہ بولے بھائی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے تھے۔ اسی لئے خولہ نے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے حیرت سے کہا: ''کیا یہ جائز ہے!؟ عائشہ رضی اللہ عنہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے۔'' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَنْتَ اَخٌ فِی الْاِسْلَامِ)) تم صرف اسلامی بھائی ہو۔

دوسری رسم یہ تھی کہ اہل عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے، پہلے کبھی شوال میں عرب میں طاعون ہوا تھا، اس لئے ماہ شوال کو وہ منحوس سمجھتے تھے اور اس مہینے میں شادی کی کوئی تقریب انجام نہیں دیتے تھے۔ [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں اور اسی لئے وہ شوال ہی کے مہینہ میں اس قسم کی تقریبوں کو پسند کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ میری شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں اور با ایں ہمہ شوہر کے حضور میں مجھ سے خوش قسمت کون تھی۔ [3]

عرب میں قدیم سے دستور تھا کہ دلہن کے آگے آگے آگ جلاتے تھے اور یہ بھی رسم تھی کہ شوہر اپنی عروس سے پہلی ملاقات محمل یا محفہ ✽ کے اندر کرتا تھا، بخاری اور قسطلانی نے یہ تصریح کی ہے کہ ان رسوم کی پابندی بھی اس تقریب میں ٹوٹی۔ [4]

---

[1] عمدۃ القاری: جلد ۱، ص ۴۵، طبع قسطنطنیہ۔

[2] طبقات النساء ابن سعد ص ۴۱۔ [3] صحیح بخاری و مسلم کتاب النکاح۔

[4] صحیح بخاری: کتاب النکاح ✽ عورتوں کی سواری کی پالکی۔

تعلیم وتربیت

عرب میں خود مردوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا تو عورتوں میں کیا ہوتا۔ جب اسلام آیا تو قریش کے سارے قبیلہ میں صرف سترہ آدمی لکھ پڑھ سکتے تھے۔ ان میں شفاء بنت عبداللہ عدویہ صرف ایک عورت تھیں۔ ❶ اسلام کی دنیوی برکتوں میں یہ واقعہ بھی کچھ کم اہم نہیں ہے کہ اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ نوشت وخواند کا فن بھی فروغ پاتا جاتا تھا۔ بدر کے قیدیوں میں جو نادار تھے آنحضرت ﷺ نے ان کا فدیہ یہ مقرر کیا تھا کہ وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ ❷ صفہ والوں میں کم وبیش سو اصحاب داخل تھے ان کو دیگر تعلیمات کے ساتھ لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ ❸

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے خاص آنحضرت ﷺ کے حکم سے یہ فن شفاء بنت عبداللہ عدویہ سے سیکھا تھا۔ ❹ بعض اور صحابیات بھی نوشت وخواند سے آشنا تھیں۔ ❺

آنحضرت ﷺ کی کثرت ازواج اور خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس کم سنی کی شادی میں بڑی مصلحت یہ تھی کہ اگرچہ آنحضرت ﷺ کے دائمی فیضان صحبت نے سینکڑوں مردوں کو سعادت کے درجہ اعلیٰ پر پہنچا دیا تھا لیکن فطرۃً یہ موقع عام عورتوں کو میسر نہیں آ سکتا تھا۔ صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اس فیض سے متمتع ہو سکتی تھیں اور پھر یہ نور آہستہ آہستہ انہی ستاروں کے ذریعہ سے پوری کائناتِ نسوانی میں پھیل سکتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسری ازواج مطہرات بیوہ ہو کر آنحضرت ﷺ کے حبالۂ عقد میں داخل ہوئی تھیں۔ اس بنا پر ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی تنہا خالص فیضانِ نبوت سے مستفیض تھیں۔ لڑکپن کا زمانہ جو عین تعلیم وتربیت کا زمانہ ہے، ابھی شروع ہوا ہی تھا کہ سعادت نے ظلمت اور نقص کمال کے ہر گوشہ سے الگ کر کے کاشانۂ نبوت میں پہنچا دیا کہ ان کی ذات اقدس پُرنور اور کامل بن کر دنیا کی صنف لطیف آبادی کے لئے شمع راہ بن جائے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سارے قریش میں علم انساب وشعر کے ماہر تھے۔ ❻ قریش کے

---

❶ فتوح البلدان، بلاذری امر الخط۔ ❷ مسند احمد: جلد ا ص ۲۴۶۔
❸ مسند احمد: جلد ۳ ص ۱۳۷۔ ❹ ابوداؤد: کتاب الطب۔
❺ فتوح البلدان، بلاذری امر الخط۔ ❻ صحیح مسلم: مناقب حسان

شاعروں کے جواب میں اسلام کے زبان آور شاعر چوٹی کے جو شعر کہتے تھے، کفار کو یقین نہیں آتا تھا کہ وہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی اصلاح و مشورہ کے بغیر لکھے گئے ہیں۔ (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی باپ کی آغوش میں تربیت پائی تھی۔ اس لئے علم انساب کی واقفیت اور شاعری کا ذوق ان کا خاندانی ورثہ تھا۔ (2)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی اولاد کی تربیت میں نہایت سخت تھے۔ اپنے بیٹے عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اس جرم پر کہ انہوں نے مہمان کو جلد کھانا کیوں نہیں کھلا دیا، ایک دفعہ مارنے کو تیار ہو گئے تھے۔ (3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شادی کے بعد بھی اپنی لغزشوں پر باپ سے ڈرا کرتی تھیں۔ (4) کئی موقعوں پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو سخت تنبیہ کی۔ (5) ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ موقع پیش آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بچالیا۔ (6)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعلیم و تربیت کا اصلی زمانہ رخصتی کے بعد سے شروع ہوتا ہے انہوں نے اسی زمانہ میں پڑھنا سیکھا، قرآن دیکھ کر پڑھتی تھیں۔ (7) ایک روایت میں ہے کہ لکھنا نہیں جانتی تھیں۔ (8) احادیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے ان کا غلام ذکوان قرآن لکھتا تھا۔ (9) اس سے یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ وہ خود لکھنا نہ جانتی ہوں گی لیکن بعض روایتوں میں یہ مذکور ہے کہ ''فلاں خط کے جواب میں انہوں نے یہ لکھا۔'' (10) ممکن ہے کہ راویوں نے مجازاً لکھوانے کے بجائے لکھنا کہہ دیا ہو، جیسا کہ ایسے موقعوں پر عموماً بولتے ہیں۔

بہرحال نوشت و خواند تو انسان کی ظاہری تعلیم ہے۔ حقیقی تعلیم و تربیت کا معیار اس سے بدرجہا بلند ہے۔ انسانیت کی تکمیل، اخلاق کا تزکیہ، ضروریاتِ دین سے واقفیت، اسرار شریعت کی آگاہی، کلام الٰہی کی معرفت، احکام نبوی کا علم بھی اعلیٰ تعلیم ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس تعلیم سے کامل

---

(1) اصابہ و استیعاب ذکر حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت۔ (2) مستدرک حاکم: ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔
(3) صحیح بخاری۔ (4) صحیح مسلم: باب القسم بین الزوجات۔
(5) صحیح بخاری: باب التیمم، و صحیح مسلم باب القسم بین الزوجات۔
(6) ابوداؤد: کتاب الادب، باب المزاح۔
(7) صحیح بخاری: باب تالیف القرآن و بلاذری، فصل خط۔
(8) بلاذری: فصل خط (9) صحیح بخاری: صلوٰۃ الوسطیٰ، مسند احمد جلد ۶ ص ۷۳۔
(10) مسند احمد: جلد ۶ ص ۸۷ ترمذی ص ۳۹۷۔

طور بر بہرہ اندوز تھیں، علوم دینیہ کے علاوہ تاریخ، ادب اور طب میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ [1]

تاریخ و ادب کی تعلیم تو خود پدر بزرگوار سے حاصل کی تھی۔ [2] طب کا فن ان وفود عرب سے سیکھا تھا جو گاہ گاہ اطرافِ ملک سے بارگاہِ نبوت میں آیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ عمر کے اَخیر دنوں میں اکثر بیمار رہا کرتے تھے، اطبائے عرب جو دوائیں بتایا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کو یاد کر لیتی تھیں۔ [3]

علوم دینیہ کی تعلیم کا کوئی وقت مخصوص نہ تھا۔ معلم شریعت خود گھر میں تھا اور شب و روز اس کی صحبت میسر تھی۔ آنحضرت ﷺ کی تعلیم وارشاد کی مجلسیں روزانہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھیں۔ جو حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بالکل ملحق تھی، اس بنا پر آپ گھر سے باہر بھی لوگوں کو جو درس دیتے تھے وہ اس میں شریک رہتی تھیں۔ اگر کبھی بُعد کی وجہ سے کوئی بات سمجھ میں نہ آتی ہتو آنحضرت ﷺ جب زنان خانہ میں تشریف لاتے، دوبارہ پوچھ کر تشفی کر لیتیں [4] کبھی اٹھ کر مسجد کے قریب چلی جاتیں [5] اس کے علاوہ آپ نے عورتوں کی درخواست پر ہفتہ میں ایک خاص دن ان کی تعلیم و تلقین کے لئے متعین فرما دیا تھا۔ [6]

شب و روز میں علوم و معارف کے بیسیوں مسئلے ان کے کان میں پڑتے تھے۔ ان کے علاوہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عادت یہ تھی کہ ہر مسئلہ کو بے تامل آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کر دیتی تھیں اور جب تک تسلی نہ ہو لیتی صبر نہ کرتیں۔ [7] ایک دفعہ آپ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ((مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ)) قیامت میں جس جس کا حساب ہوا، اس پر عذاب ہو گیا، عرض کی یا رسول اللہ! خدا تو فرماتا ہے:

﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَسِيْرًا﴾ [۸۴/الانشقاق:۸]

''اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اعمال کی پیشی ہے لیکن جس کے اعمال میں جرح و قدح شروع ہوئی وہ تو برباد ہی ہوا۔'' [8] ایک دفعہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! خدا فرماتا ہے: [9]

﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ

---

[1] مستدرک حاکم: ذکر عائشہ فی الصحابیات۔ [2] مسند احمد: ابن حنبل جلد ۶ ص ۶۷۔ [3] مسند احمد: مسند عائشہ رضی اللہ عنہا ص ۶۷۔
[4] مسند عائشہ رضی اللہ عنہا، ص ۷۷۔ [5] ایضاً ص ۱۵۹۔ [6] صحیح بخاری: کتاب العلم۔
[7] صحیح بخاری: کتاب العلم، ص ۲۱۔ [8] صحیح بخاری: کتاب العلم ص ۲۱۔ [9] مسند احمد: ص ۳۵۔

الْقَهَّارِ﴾ [۱۴/ابراہیم:۴۸]

''جس دن زمین و آسمان دوسری زمین سے بدل دیئے جائیں گے اور تمام مخلوق خدائے واحد وقہار کے روبرو ہو جائے گی۔''

ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت پڑھی: ❶

﴿وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ.﴾ [۳۹/الزمر:۴۸]

''تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔''

''جب زمین و آسمان کچھ نہ ہوگا تو لوگ کہاں ہوں گے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''صراط پر''۔

اثنائے وعظ میں ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''قیامت میں لوگ برہنہ اٹھیں گے۔'' عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! زن و مرد یکجا ہوں گے، تو کیا ایک دوسرے کی طرف نظریں نہ اٹھ جائیں گی؟ ارشاد ہوا کہ ''عائشہ رضی اللہ عنہا! وقت عجب نازک ہوگا''۔ ❷ یعنی کسی کو کسی کی خبر نہ ہوگی، ایک بار دریافت کیا کہ ''یا رسول اللہ ﷺ قیامت میں ایک دوسرے کو کوئی یاد بھی کرے گا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تین موقعہ پر کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔ ایک تو جب اعمال تولے جا رہے ہوں گے، دوسرے جب اعمال نامے بٹ رہے ہوں گے، تیسرے جب جہنم گرج گرج کر کہہ رہی ہوگی کہ میں تین قسم کے آدمیوں کے لئے مقرر ہوئی ہوں''۔ ❸

ایک دن یہ پوچھا تھا کہ کفار و مشرکین نے اگر عمل صالح کیا ہے تو اس کا ثواب ان کو ملے گا یا نہیں؟ عبداللہ بن جدعان مکہ کا ایک نیک مزاج اور رحم دل مشرک تھا، اسلام سے پہلے قریش کی باہمی خونریزی کے انسداد کے لئے اس نے تمام رؤسائے قریش کو مجتمع کر کے ایک صلح کی مجلس قائم کی تھی، جس میں آنحضرت ﷺ بھی شریک تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! عبداللہ بن جدعان جاہلیت میں لوگوں سے بہ مہربانی پیش آتا تھا۔ غریبوں کو کھانا کھلاتا تھا، کیا یہ عمل اس کو کچھ فائدہ دے گا؟'' آپ ﷺ نے جواب دیا: ''نہیں عائشہ رضی اللہ عنہا! اس نے کسی دن یہ نہیں کہا کہ

❶ مسند احمد: ص ۱۱۰۔ ❷ صحیح بخاری: باب کیف الحشر ص ۹۶۶۔ ❸ مسند عائشہ رضی اللہ عنہا، ص ۹۳۔

خدایا! قیامت میں میری خطا معاف کرنا''۔ ❶

جہاد اسلام کا ایک فرض ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیال تھا کہ جس طرح دیگر فرائض میں زن و مرد کی تمیز نہیں، یہ فرض عورتوں پر بھی واجب ہوگا۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سوال پیش کیا۔ ارشاد ہوا کہ ''عورتوں کے لئے حج ہی جہاد ہے۔'' ❷

نکاح میں رضامندی شرط ہے لیکن کنواری لڑکیاں اپنے منہ سے آپ تو رضامندی نہیں ظاہر کر سکتیں، اس لئے دریافت کیا کہ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نکاح میں عورت سے اجازت لے لینی چاہئے؟'' فرمایا: ''ہاں''۔ عرض کی وہ شرم سے چپ رہتی ہے، ارشاد ہوا کہ ''اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے۔'' ❸

اسلام میں پڑوسیوں کے بڑے حقوق ہیں، اور اس ادائے حق کا سب سے زیادہ موقع عورتوں کو ہاتھ آتا ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ دو پڑوسی ہوں تو کس کو ترجیح دی جائے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ یہ سوال پیش کیا، جواب ملا کہ ''جس کا دروازہ تمہارے گھر سے زیادہ قریب ہو۔'' ❹

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا ان سے ملنے آئے۔ انہوں نے انکار کیا کہ اگر میں نے دودھ پیا ہے تو عورت کا پیا ہے، عورت کے دیور کا مجھ سے کیا تعلق؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''وہ تمہارا چچا ہے تم اس کو اندر بلا لو۔'' ❺

قرآن مجید کی ایک آیت ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ. ﴾ [۲۳/المؤمنون:۶۰]

''اور وہ لوگ جو کام کرتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شک تھا کہ جو چور ہے، بدکار ہے، شرابی ہے، لیکن اللہ سے ڈرتا ہے، کیا وہ اس سے مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں عائشہ رضی اللہ عنہا! اس سے وہ مراد ہے جو نمازی ہے، روزہ دار ہے اور پھر خدا سے ڈرتا ہے۔'' ❻

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو خدا کی ملاقات پسند کرتا ہے، خدا بھی اس کی ملاقات

❶ مسند عائشہ، ص ۹۳ ❷ صحیح بخاری: باب حج النساء۔ ❸ صحیح مسلم: کتاب النکاح۔
❹ مسند احمد، ص ۱۷۵۔ ❺ صحیح بخاری: باب تربت یمینک، ص ۹۰۹۔ ❻ ترمذی و ابن ماجہ و مسند احمد: جلد ۶ ص ۱۵۹۔

پسند کرتا ہے اور جو اس کی ملاقات کو ناگوار سمجھتا ہے، اس کو بھی اس سے ملنا ناگوار ہوتا ہے۔'' عرض کی یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے موت کو کوئی پسند نہیں کرتا ہے؟ فرمایا: اس کا یہ مطلب نہیں، مطلب یہ ہے کہ مومن جب اللہ تعالیٰ کی رحمت، خوشنودی اور جنت کا حال سنتا ہے تو اس کا دل خدا کا مشتاق ہو جاتا ہے۔ خدا بھی اس کے آنے کا مشتاق رہتا ہے اور کافر جب خدا کے عذاب اور ناراضی کے واقعات کو سنتا ہے، تو اس کو خدا کے سامنے سے نفرت ہوتی ہے، خدا بھی اس سے نفرت رکھتا ہے۔ [1]

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیسیوں سوالات اور مباحث احادیث میں مذکور ہیں۔ جو درحقیقت ان کے روزانہ تعلیم کے مختلف اسباق ہیں۔

اُن موقعوں پر بھی جہاں بظاہر آنحضرت ﷺ کی برہمی اور آزردگی کا اندیشہ ہوسکتا تھا، وہ سوال اور بحث سے باز نہیں آتی تھیں اور درحقیقت خود آپ بھی اس کو برا نہیں مانتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے کسی بات پر آزردہ ہوکر ایلا کرلیا تھا، یعنی عہد فرمایا تھا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات کے پاس نہ جائیں گے۔ چنانچہ ۲۹ دن تک آپ ﷺ ایک بالاخانہ پر تشریف فرما رہے۔ تمام ازواج رضی اللہ عنہن بے قرار تھیں، اتفاق سے مہینہ ۲۹ دن کا تھا۔ آپ ﷺ کیم کو یعنی تیسویں دن بالاخانہ سے اتر کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے۔ یہ ایسا موقع تھا کہ جس کی خوشی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سب کچھ بھول جانا چاہئے تھا اور پھر اس واقعہ پر نکتہ چینی بظاہر آپ کو دوبارہ آزردہ کرنا تھا لیکن مزاج شناس نبوت ان سب پر خود نفس شریعت کی گرہ کشائی مقدم سمجھتی تھی، عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا تھا ایک ماہ تک ہمارے حجروں میں نہ آئیں گے، آپ ایک دن پہلے کیونکر تشریف لائے؟ فرمایا: ''عائشہ مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔'' [2]

ایک مرتبہ ایک شخص نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہونا چاہا، آپ نے فرمایا: ''آنے دو، وہ اپنے خاندان میں برا ہے'' جب وہ آکر بیٹھا تو آپ نے اس سے نہایت توجہ اور لطف و محبت سے باتیں فرمائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تعجب ہوا۔ جب وہ اٹھ کر چلا، تو عرض کی یارسول ﷺ! آپ تو اس کو اچھا نہیں جانتے تھے، لیکن جب وہ آیا تو آپ نے اس لطف و محبت کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ ''عائشہ! بدترین آدمی وہ ہے جس کی بداخلاقی سے ڈر کر لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔'' [3]

---

[1] جامع ترمذی: کتاب الجنائز۔ [2] صحیح بخاری: باب الفرقہ، ص ۳۳۵۔
[3] صحیح بخاری: باب الغیبۃ۔

بادیہ عرب کے اجڈ بدوی اور دہقانی چونکہ بد احتیاط تھے اور شرائع اسلام سے ان کو پوری آگاہی نہ تھی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی چیز کھانے سے احتراز فرماتے تھے، ایک دفعہ ام سنبلہ نامی ایک گاؤں کی عورت آپ کے پاس تحفۃً دودھ لائی، آپ نے پی لیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے، انہوں نے بھی پیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کی چیز کھانا پسند نہیں فرماتے تھے۔ فرمایا کہ عائشہ! یہ وہ لوگ نہیں ہیں، ان کو تو جب بلایا جاتا ہے، آتے ہیں۔ [1] یعنی اسی سبب سے ان کو شریعت کے احکام معلوم ہیں۔

ایک دفعہ آپ نے فرمایا: ''اعتدال کے ساتھ کام کرو، لوگوں کو اپنے نزدیک کرو اور خوشخبری سناؤ کہ لوگوں کا عمل ان کو جنت میں نہ لے جائے گا۔ (بلکہ رحمت الٰہی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ آخری بات عجیب معلوم ہوئی، سمجھیں کہ جو لوگ معصوم ہیں وہ تو اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو بھی نہیں! فرمایا: نہیں لیکن یہ کہ خدا اپنی مغفرت اور رحمت سے مجھے ڈھانک لے۔ [2]

ایک دفعہ نماز تہجد کے بعد بے وتر پڑھے، آپ نے سونا چاہا، عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ وتر پڑھے بغیر سوتے ہیں؟ ارشاد ہوا: عائشہ رضی اللہ عنہا میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔ [3] بظاہر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ سوال گستاخی معلوم ہوتی ہے، لیکن اگر وہ یہ نسائیانہ جرأت نہ کرتیں تو آج امت محمدیہ نبوت کی حقیقت سے ناآشنا رہتی۔

ان سوالات اور مباحث کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت کی نگرانی کرتے اور جہاں لغزش نظر آتی، ہدایت وتعلیم فرماتے۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ کی خدمت میں چند یہودی آئے اور بجائے "السلام علیک" کے (تم پر سلامتی ہو) زبان دبا کر "السام علیک" (تم کو موت آئے) کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں صرف "وعلیکم" (اور تم پر) فرمایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سن رہی تھیں، وہ ضبط نہ کرسکیں، بولیں: "علیکم السام واللعنة" (تم پر موت اور لعنت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا نرمی چاہیے۔ خدائے عزوجل ہر بات میں نرمی پسند کرتا ہے۔ [4]

ایک دفعہ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کوئی چیز چرائی، زنانہ رسم کے مطابق انہوں نے

---

[1] مسند عائشہ، ص ۱۳۳۔ [2] صحیح بخاری: باب القصد والمداومۃ علی العمل۔

[3] صحیح بخاری: باب فضل من قام رمضان۔ [4] صحیح بخاری: باب الرفق فی الامر کلہ ص ۸۹۰۔

اس کو بد دعا دی، ارشاد ہوا: ''لَا تُسَبِّخِي عَنْهُ'' 1 یعنی بد دعا دے کر اپنا ثواب اور اس کا گناہ کم نہ کرو۔ ایک بار وہ سفر میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ ایک اونٹ پر سوار تھیں، اونٹ کچھ تیزی کرنے لگا، عام عورتوں کی طرح ان کی زبان سے فقرہ لعنت نکل گیا، آپ نے حکم دیا کہ اونٹ کو واپس کر دو، ملعون چیز ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ 2 یہ گویا تعلیم تھی کہ جانور تک کو برا نہیں کہنا چاہیے۔

عام طور سے لوگ اور خصوصاً عورتیں معمولی گناہوں کی پرواہ نہیں کرتیں۔ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف خطاب کر کے فرمایا: ((يَا عَائِشَةُ إِيَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ)) "عائشہ رضی اللہ عنہا معمولی گناہوں سے بچا کرو، خدا کے ہاں ان کی بھی پرسش ہوگی۔'' 3 ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے کسی عورت کا حال بیان کر رہی تھیں، اثنائے گفتگو میں بولیں کہ وہ پست قد ہے۔ آپ نے فوراً ٹوکا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بھی غیبت ہے۔ 4

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کسی قدر پست قد تھیں، ایک دن انہوں نے کہا ''یارسول اللہ ﷺ! بس کیجئے صفیہ رضی اللہ عنہا تو اتنی ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''تم نے ایسی بات کہی کہ اگر سمندر کے پانی میں بھی ملاؤ تو ملا سکتی ہو۔ یعنی یہ غیبت ایسی تلخ بات ہے کہ سمندر کے پانی میں ملا دی جائے تو کل پانی بدمزہ ہو جائے۔'' عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میں نے تو ایک شخص کی نسبت واقعہ بیان کیا۔ فرمایا کہ ''اگر مجھ کو اتنا اور اتنا بھی دیا جائے تو بھی یہ بیان نہ کروں۔'' 5 یعنی مجھ کو کسی قدر بھی لالچ دلائی جائے تو میں ایسی بات کسی کے متعلق نہ کہوں۔

ایک دفعہ کسی سائل نے سوال کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اشارہ کیا تو لونڈی ذرا سی چیز لے کر دینے چلی، آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! گن گن کر نہ دیا کرو، ورنہ اللہ تم کو بھی گن گن کر دے گا۔'' 6 دوسرے موقع پر فرمایا: ''عائشہ! چھوہارے کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو وہی سائل کو دے کر آتش جہنم سے بچو، اسے بھوکا کھائے گا تو کچھ تو ہوگا۔ اور پیٹ بھرے گا اس سے کیا بھلا ہوگا۔'' 7

ایک موقع پر آپ نے یہ دعا مانگی ''خداوند! مجھے مسکین زندہ رکھ اور حالت مسکینی میں ہی موت دے اور مسکینوں ہی کے ساتھ قیامت میں اٹھا۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یہ کیوں؟

---

1 مسند احمد: ص ۴۵۔ 2 ایضاً ص ۷۲۔ 3 ایضاً ص ۷۰۔
4 ایضاً ص ۲۰۶۔ 5 ایضاً ص ۷۰۔ 6 ابوداؤد: کتاب الادب۔
7 مسند عائشہ ص ۷۹۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! فرمایا: "مسکین دولت مندوں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے، اے عائشہ! کسی مسکین کو بے نیل مرام واپس نہ کرنا، گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، مسکینوں سے محبت رکھو اور ان کو اپنے پاس جگہ دیا کرو۔" [1]

ان مختلف اخلاقی نصائح کے علاوہ نماز، دعا اور دینیات کی اکثر باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سکھایا کرتے تھے، وہ نہایت شوق سے ان کو سیکھا کرتی تھیں اور ہر ایک حکم کی شدت کے ساتھ پابندی کرتی تھیں۔ [2]

خانہ داری

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس گھر میں رخصت ہو کر آئی تھیں وہ کوئی بلند اور عالی شان عمارت نہ تھی۔ بنی نجار کے محلّہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے متعدد حجرے تھے۔ ان ہی میں ایک حجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسکن تھا۔ یہ حجرہ مسجد کی شرقی جانب واقع تھا۔ [3] اس کا ایک دروازہ مسجد کے اندر مغرب رُخ اس طرف واقع تھا کہ گویا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا صحن بن گئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی دروازہ سے ہو کر مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ جب مسجد میں معتکف ہوتے تو سر مبارک حجرے کے اندر کر دیتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بالوں کے اندر کنگھا کر دیتیں۔ [4] کبھی مسجد میں بیٹھے بیٹھے حجرہ کے اندر ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز مانگ لیتے۔ [5]

حجرہ کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ تھی۔ دیواریں مٹی کی تھیں اور کھجور کی پتیوں اور ٹہنیوں سے مسقّف تھا، اوپر سے کمبل ڈال دیا گیا تھا کہ بارش کی زد سے محفوظ رہے، بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہوتا تو ہاتھ چھت تک پہنچ جاتا، دروازہ میں ایک پٹ کا کواڑ تھا [6] لیکن وہ عمر بھر کبھی بند نہ ہوا، [7] پردہ کے طور پر ایک کمبل پڑا رہتا تھا۔ حجرہ سے متصل ایک بالا خانہ تھا، جس کو مشربہ کہتے تھے، ایلا کے ایام میں آپ نے اسی بالا خانہ پر ایک مہینہ بسر فرمایا تھا۔ [8]

---

[1] جامع ترمذی: ابواب الزہد [2] مسند عائشہ: ص ۱۳۸، ۱۴۷، ۱۵۱۔

[3] خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفےٰ، سمہودی، باب ۴ فصل ۴۔

[4] صحیح بخاری: اعتکاف۔ مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۳۱۔ [5] صحیح بخاری: کتاب الحیض۔

[6] مسند احمد وابن سعد وادب المفرد امام بخاری باب النساء وسمہودی باب ۴ فصل ۴۔

[7] سمہودی باب ۴ فصل ۴ [8] ابوداؤد: باب صلوۃ الامام قاعدا۔

گھر کی کل کائنات ایک چارپائی، ایک چٹائی، ایک بستر، ایک تکیہ جس میں چھال بھری تھی۔ آٹا اور کھجور رکھنے کے ایک دو برتن، پانی کا ایک برتن اور پانی پینے کے ایک پیالہ سے زیادہ نہ تھی۔ [1] مسکن مبارک گو منبع انوار تھا لیکن راتوں کو چراغ جلانا بھی صاحب مسکن کی استطاعت سے باہر تھا۔ [2] کہتی ہیں کہ چالیس چالیس راتیں گزر جاتی تھیں اور گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا۔ [3]

گھر میں کل آدمی دو تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کچھ دن کے بعد بریرہ رضی اللہ عنہا نام ایک لونڈی کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ [4] جب تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا صرف دو بیویاں رہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز بیچ دے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں شب باش ہوتے تھے۔ اس کے بعد جب اور ازواج بھی اس شرف سے ممتاز ہوئیں تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی کبرسنی کے سبب اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایثاراً دیدی، اس بنا پر نو دن میں دو دن آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر مقیم رہتے۔

گھر کے کاروبار کے لئے بہت زیادہ اہتمام وانتظام کی ضرورت نہ تھی، کھانا پکنے کی بہت کم نوبت آتی تھی، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کبھی تین دن متصل ایسے نہیں گزرے کہ خاندانِ نبوت نے سیر ہو کر کھانا کھایا ہو۔ [5] فرماتی تھیں گھر میں مہینہ مہینہ بھر آگ نہیں جلتی تھی۔ [6] چھوہارے اور پانی پر گزارہ تھا۔ [7] فتح خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے سالانہ مصارف کے لئے وظائف مقرر کر دیئے تھے [8] اسی وسق (بار شتر) چھوہارا اور ۲۰ وسق جو [9] لیکن ایثار و فیاضی کی بدولت سال بھر کے لئے یہ سامان کبھی کافی نہ ہوا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی محبت سے تحفے اور ہدیے عموماً بھیجتے رہتے، بالخصوص جس دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام کی باری ہوتی لوگ قصداً ہدیے بھیجا کرتے تھے۔ [10] اکثر ایسا ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے

---

[1] احادیث میں مختلف موقعوں پر ان چیزوں کے نام آئے ہیں، دیکھو صلوٰۃ اللیل و کتاب الحیض و کتاب الطہارۃ۔
[2] صحیح بخاری: باب التطوع خلف المرأۃ ص ۷۳۔
[3] مسند طیالسی: ص ۲۰۷۔ [4] صحیح بخاری: ص ۳۴۸ باب استعانۃ المکاتب وواقعہ افک و باب الصدقہ۔
[5] صحیح بخاری: معیشت النبی و مسند احمد ص ۲۵۵۔
[6] مسند احمد: ۶ ص ۲۱۷، ۲۳۷ و مسند طیالسی ص ۲۰۷ وغیرہ، صحیح بخاری کتاب الاطعمہ میں "ایک مہینہ" کا لفظ ہے۔
[7] صحیح بخاری: باب کیف کان عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [8] ابوداؤد: حکم ارض خیبر۔
[9] حوالہ سابق۔ [10] صحیح بخاری: فضل عائشہ رضی اللہ عنہا۔

تشریف لاتے اور دریافت فرماتے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کچھ ہے؟ جواب دیتیں کہ یارسول اللہ ﷺ کچھ نہیں اور پھر گھر بھر روزہ ہوتا۔ (1) کبھی بعض انصار دودھ بھیج دیا کرتے تھے، اسی پر قناعت کر لیتے۔ (2)

اس عقل وشعور کے باوجود جو فطرۃً فیاض قدرت کی طرف سے ان کو عطا ہوا تھا، کم سنی کی غفلت اور بھول چوک سے وہ بری نہ تھیں گھر میں آٹا گوندھ کر رکھتیں اور بے خبر سو جاتیں، بکری آتی اور کھا جاتی۔ (3) ایک دن کا واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے آٹا پیسا، اس کی ٹکیاں پکائیں اور آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگیں، شب کا وقت تھا، آپ آئے تو نماز میں مشغول ہو گئے، ان کی آنکھ لگ گئی، ایک پڑوسی کی بکری آئی اور سب کھا گئی (4)، دوسری مُسن بیبیوں کے مقابلہ میں کھانا بھی اچھا نہیں پکاتی تھیں۔ (5)

آنحضرت ﷺ کا خانگی انتظام حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا، وہی سال بھر کا غلہ تقسیم کرتے تھے، ضرورت کے وقت باہر سے قرض لاتے تھے۔ (6) آنحضرت ﷺ نے جب وفات پائی ہے تو سارا عرب مسخر ہو چکا تھا، اور تمام صوبوں سے بیت المال میں خزانے کے خزانے لدے چلے آتے تھے۔ تاہم جس دن آنحضرت ﷺ نے وفات پائی، اس دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک دن کے گزارے کا سامان بھی نہ تھا۔ (7)

عہد صدیقی میں بدستور خیبر کی پیداوار سے مقررہ غلہ ملتا رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں سب کے نقد وظائف مقرر کر دیئے، دیگر ازواج کو دس ہزار درہم سالانہ ملتا تھا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بارہ ہزار پاتی تھیں۔ (8) ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اختیار دیا تھا کہ خواہ وہ غلہ لیں خواہ زمین لے لیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زمین لے لی (9) لیکن اس رقم کا اکثر حصہ فقراء اور مساکین پر وقف تھا۔ حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی غالباً یہی طریقہ قائم رہا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ حجاز ہوئے، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے، وہ خالہ کے تمام مصارف کے ذمہ دار تھے، لیکن جس دن بیت المال سے وظیفہ آتا اسی دن شام کو گھر میں فاقہ ہوتا۔ (10)

---

(1) مسند احمد: جلد ۶ ص ۴۹۔ (2) مسند احمد: جلد، ص ۲۴۴۔ (3) صحیح بخاری: واقعہ افک۔
(4) ادب المفرد امام بخاری، باب لا یوذی جارہ۔ (5) ابوداود: باب من افسد شیئاً یغرم مثلہ۔
(6) ابو داؤد: باب قبول ہدایا المشرکین۔ (7) ترمذی: ص ۴۰۷ مطبع العلوم دہلی۔ (8) مستدرک للحاکم: ذکر عائشہ رضی اللہ عنہا فی الصحابیات۔ (9) صحیح بخاری: باب المزارعہ بالشطر (10) صحیح بخاری: باب مناقب قریش۔

معاشرتِ ازدواجی

عورت کے متعلق مشرق و مغرب کا مذاق باہم نہایت مختلف ہے۔ مشرق میں عورت کی محبت دامن تقدس کا داغ ہے، وہ فقط ایوانِ عیش کی شمع دلفروز ہے، جس کی روشنی عزلت نشینان حریم قدس کے تنگ حجروں کو اور بھی تاریک کر دیتی ہے۔

دوسری طرف محبت کیش مغرب اس کو خدا سمجھتا ہے، یا خدا کے برابر جانتا ہے اور کہتا ہے کہ "جو عورت کی مرضی وہ خدا کی مرضی۔" یورپ کے نزدیک کسی مذہب کے معقول ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس نے عورت کا کیا درجہ قائم کیا ہے۔

اسلام کا صراط مستقیم افراط و تفریط کے وسط سے نکلا ہے، وہ نہ عورت کو خدا جانتا ہے نہ زندگی کی راہ کا کانٹا سمجھتا ہے۔ اس نے عورت کی بہترین تعریف یہ کی ہے کہ وہ مرد کے لئے اس کشمکش گاہِ عالم میں تسکین و تسلی کی روح ہے۔

﴿وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً﴾ [۳۰/الروم:۲۱]

"اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے خود تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں کہ تم ان کے پاس پہنچ کر تسلی پاؤ اور اسی نے تم دونوں کے درمیان لطف و محبت پیدا کیا۔"

بہر حال اس موقع پر یہ بحث مقصود نہیں کہ اسلام میں عورت کا کیا درجہ ہے اور اس کے کیا حقوق ہیں، یہاں ہم کو صرف یہ دکھانا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خانگی زندگی میں عملاً ازدواجی زندگی کا کیا حال تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((خَیْرُكُمْ خَیْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَ اَنَا خَیْرُكُمْ لِاَهْلِیْ.)) [1]

"تم میں اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے سب سے اچھا ہے اور میں اپنی بیویوں کے لئے تم سب سے اچھا ہوں۔"

---

[1] صحیح بخاری: جلد دوم، باب حسن المعاشرہ۔

اس کی عملی تصدیق اس سے ہوگی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ازدواجی زندگی نو برس تک قائم رہی لیکن اس طویل مدت میں واقعہ ایلا کے سوا کوئی واقعہ باہمی غیر معمولی کشیدگی کا پیش نہیں آیا، ہمیشہ لطف ومحبت اور باہمی ہمدردی وخلوص کی معاشرت قائم رہی۔ خصوصاً جب یہ تصور کیا جائے کہ خاندان نبوت کی دنیاوی زندگی کس عسرت اور فقر وفاقہ سے گزری تھی تو اس لطف ومحبت کی قدر اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

بیوی سے محبت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہایت محبت رکھتے تھے اور یہ تمام صحابہ کو معلوم تھا، چنانچہ لوگ قصداً اسی روز ہدیے اور تحفے بھیجتے تھے جس روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام کی باری ہوتی (1) اور ازواج مطہرات کو اس کا ملال ہوتا لیکن کوئی ٹوکنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ آخر سب نے مل کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آمادہ کیا۔ وہ پیام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لخت جگر! جس کو میں چاہوں اس کو تم نہیں چاہو گی؟ سیدۂ عالم کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ وہ واپس چلی آئیں، ازواج نے پھر بھیجنا چاہا مگر وہ راضی نہ ہوئیں۔ (2) آخر لوگوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بیچ میں ڈالا، وہ نہایت سنجیدہ اور متین بی بی تھیں۔ انہوں نے موقع پا کر متانت اور سنجیدگی کے ساتھ درخواست پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ام سلمہ! مجھ کو عائشہ کے معاملے میں دق نہ کرو، کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی اور بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔'' (3)

ایک دفعہ کہیں سے کوئی ہار آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ میں اس کو دوں گا، جو دنیا میں مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔'' سب نے کہا: یہ ابن قحافہ کی بیٹی (عائشہ رضی اللہ عنہا) کے ہاتھ لگا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک وخالص محبت رنگین لباسوں اور طلائی زیوروں کے پردہ میں کبھی نہیں ظاہر ہوئی۔ اس لئے آپ نے وہ ہار اپنی کمسن نواسی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی امامہ رضی اللہ عنہا کو عنایت فرمایا۔ (4)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جب غزوہ سلاسل سے واپس آئے، تو دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ دنیا میں سب سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ ''عائشہ رضی اللہ عنہا کو'' عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کی نسبت سوال ہے، فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا کے باپ کو'' (5) ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ

---

(1) صحیح بخاری: جلد دوم، باب فضل عائشہ رضی اللہ عنہا، ص ۵۳۲۔ (2) ایضاً: باب الہدایا (3) نسائی: حب الرجل بعض نساۂ۔ (4) مسند احمد: ج ۶، ص ۱۰۱۔ (5) صحیح بخاری باب مناقب ابی بکر۔

نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو سمجھایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ریس نہ کیا کرو، وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہے۔ ❶

ایک دفعہ ایک سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سواری کا اونٹ بدک گیا اور ان کو لے کر ایک طرف کو بھاگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر بے قرار ہوئے کہ بے اختیار زبان مبارک سے نکل گیا، وَاعرُوسَاہُ ❷ "ہائے! میری دلہن۔"

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سر میں درد تھا، اس لئے کراہ رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: "ہائے! میرا سر۔" اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شروع ہوئی اور یہی آپ کا مرض الموت تھا۔ ❸ مرض الموت میں بار بار دریافت فرماتے تھے کہ آج کون سا دن ہے؟ لوگ سمجھ گئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا انتظار ہے ❹ چنانچہ آپ کو لوگ ان کے حجرے میں لے گئے اور آپ تا وفات وہیں مقیم رہے اور وہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زانو پر سر رکھے ہوئے وفات پائی۔ ❺

فرمایا کرتے تھے کہ "الٰہی! جو چیز میرے امکان میں ہے (یعنی بیویوں میں معاشرت اور لین دین کی برابری) میں اس عدل سے باز نہیں آتا، لیکن جو میرے امکان سے باہر ہے (یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کی قدر ومحبت) اس کو معاف کرنا۔ ❻

عام لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت حسن و جمال کی بنا پر تھی۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے، ازواج مطہرات میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی حسین تھیں، ان کے محاسن ظاہری کی تعریف احادیث اور تاریخ وسیر کی کتابوں میں موجود ہے۔ اسی کے ساتھ کمسن اور گویا کنواری بھی تھیں ❼ لیکن حسن و جمال کی حیثیت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایک دو موقع کے سوا حدیث و تاریخ وسیر میں ایک حرف مذکور نہیں، ایک مستثنیٰ موقع یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا کہ "تم عائشہ رضی اللہ عنہا کی ریس نہ کرو کہ وہ تم سے خوبصورت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیاری ہے۔"

---

❶ صحیح بخاری: ص ۷۸۵ حب الرجل بعض نساءہ۔

❷ مسند احمد: ۶، صفحہ ۲۴۸۔ ❸ صحیح بخاری ص ۸۴۶ کتاب المرضی ومسند احمد ص ۲۲۸۔

❹ صحیح بخاری: ص ۱۸۶ ما جاء فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ❺ صحیح بخاری: ص ۶۴۰ باب مرض النبی۔

❻ ابوداؤد وغیرہ، باب القسم بین الزوجات۔

❼ زرقانی وغیرہ کتب سیر میں ان کی عمر وحالات دیکھو۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فقرہ سنا تو تبسم فرمایا۔ 1 بہر حال اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پر ترجیح رکھتی تھیں۔

اصل یہ ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں۔ 2 اور صحیح مسلم وابوداؤد (کتاب النکاح) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "شادی کے لئے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہوسکتا ہے۔ دولت، حسن وجمال، حسب ونسب، اور دینداری، تم دیندار کی تلاش کرو۔" اس لئے ازواج میں وہی زیادہ منظور نظر ہوتیں جن سے دین کی خدمت سب سے زیادہ بن آسکتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فہم مسائل، اجتہاد فکر اور حفظ احکام میں تمام ازواج سے ممتاز تھیں اس بنا پر شوہر کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ علامہ ابن حزم نے "الملل والنحل" میں اس مبحث کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور اس نتیجہ کو بدلائل ثابت کیا ہے۔ 3 صحاح 4 میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ غَيْرَ مَرْيَمَ بِنْتُ عِمْرَانَ وَ آسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ وَ اِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ. 5

"مردوں میں تو بہت کامل گزرے لیکن مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے سوا عورتوں میں کوئی کامل نہ ہوئی اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو عورتوں پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح ثرید کو تمام کھانوں پر۔"

اس حدیث سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس محبت اور قدر ومنزلت کا باعث کیا تھا، ظاہری حسن و جمال یا باطنی فضل وکمال۔ باطنی کمالات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا درجہ تھا، اس لئے وہ بھی آنحضرت ﷺ کو محبوب تھیں، حالانکہ عمر کے لحاظ سے وہ مسن تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ۶۵ برس کی ہو کر فوت ہوئیں، لیکن آنحضرت ﷺ کے دل میں ان کی محبت 6 اس شدت سے قائم رہی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی اس پر رشک آتا تھا۔ چنانچہ ایک بار حضرت

---

1 صحیح بخاری: باب موعظة الرجل ابنته بحال زوجها۔ 2 مسند احمد: مسند عائشہ رضی اللہ عنہا ص ۱۵۲۔

3 الملل والنحل: بحث افضلیت صحابہ رضی اللہ عنہم۔ 4 مسلم: کتاب فضائل الصحابہ، باب فضل عائشہ رضی اللہ عنہا رقم: ۶۲۹۹۔

5 بخاری: کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ وضرب اللہ مثلا للذین آمنوا: رقم: ۳۴۱۱۔

6 صحیح مسلم: باب فضل خدیجہ رضی اللہ عنہا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے برے طریقے سے ان کا نام لیا تو آپ نے برہمی ظاہر فرمائی۔ [1]

شوہر سے محبت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ صرف شدید محبت تھی بلکہ شغف وعشق تھا۔ اس محبت کا کوئی اور دعویٰ کرتا تو ان کو ملال ہوتا تھا۔ چنانچہ باہم ازواج مطہراتؓ میں اس کا بڑا خیال تھا، تفصیل آگے آتی ہے۔ کبھی راتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیدار ہوتیں اور آپ کو پہلو میں نہ پاتیں تو بے قرار ہو جاتیں، ایک دفعہ شب کو آنکھ کھلی، تو آپ کو نہ پایا۔ راتوں کو گھروں میں چراغ نہیں [2] جلتے تھے، ادھر ادھر ٹٹولنے لگیں، آخر ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک ملا، دیکھا تو آپ سربسجود مناجات الٰہی میں مصروف ہیں۔ [3] ایک دفعہ اور یہی واقعہ پیش آیا تو شک سے خیال کیا کہ شاید آپ کسی دوسری بیوی کے ہاں تشریف لے گئے ہیں، اٹھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں، دیکھا تو آپ تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں۔ اپنے قصور پر نادم ہوئیں اور بے اختیار زبان سے نکل گیا "میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں کس خیال میں ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس عالم میں ہیں۔" [4]

ایک شب کا اور واقعہ ہے کہ آنکھ کھلی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا، شب کا نصف حصہ گزر چکا تھا، ادھر ادھر ڈھونڈا لیکن محبوب کا جلوہ نظر نہیں آیا۔ آخر تلاش کرتی ہوئی قبرستان پہنچیں، دیکھا تو آپ دعا و استغفار میں مشغول ہیں، الٹے پاؤں واپس آئیں اور صبح کو آپ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا، ہاں! رات کوئی کالی کالی چیز سامنے جاتی معلوم ہوتی تھی، وہ تم ہی تھیں؟ [5]

ایک سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا دونوں آپ کے ساتھ تھیں، رات کو بلا ناغہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی محمل میں تشریف لاتے اور جب تک قافلہ چلا کرتا، باتیں کیا کرتے ایک دن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا: لاؤ ہم دونوں اپنا اپنا اونٹ بدل لیں، رات ہوئی تو حسب معمول آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے محمل میں تشریف لائے۔ دیکھا تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں، آپ سلام کر کے بیٹھ گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تشریف آوری کی منتظر تھیں، جب قافلہ نے

---

[1] صحیح بخاری ومسلم: باب فضائل خدیجہ رضی اللہ عنہا۔ [2] صحیح بخاری: باب التطوع خلف المرأۃ۔ موطا: باب صلوۃ اللیل۔ [3] موطا امام مالک: باب ماجاء فی الدعا۔ [4] نسائی: باب الغیرۃ وباب الدعا فی السجود۔

[5] حدیث کی مختلف کتابوں میں کسی قدر اختلاف ہے مگر مقصد ایک ہے، صحاح میں باب زیارۃ القبور، دیکھیے خصوصاً نسائی: باب الاستغفار للمومنین وباب الغیرۃ۔

پڑاؤ ڈالا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ضبط نہ ہو سکا محمل سے اتر پڑیں، دونوں پاؤں گھاس پر رکھ دیئے اور بولیں ''اے اللہ! میں ان کو تو کچھ نہیں کہہ سکتی تو کوئی بچھو یا سانپ بھیج جو مجھ کو آ کر ڈس لے۔'' [1]

دیکھو! اس فقرہ میں کس قدر نسوانی خصوصیات کی جھلک ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایلا کر لیا تھا یعنی عہد کر لیا تھا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات کے پاس نہ آئیں گے۔ باہر حجرہ سے متصل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک مردانہ بالا خانہ تھا وہیں قیام فرماتے تھے، تمام بیبیاں گریہ وزاری میں مصروف تھیں [2] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مرضی وہاں جا بھی نہیں سکتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ حال تھا کہ مہینہ گزرنے کے انتظار میں ایک ایک دن گنتی تھیں [3]۔ مہینہ جب ختم ہوا تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی کے کمرے میں تشریف لائے۔

چونکہ ازواج مطہرات میں مختلف درجوں کی عورتیں تھیں، بعض امراء اور رئیس گھرانوں کی بیٹیاں تھیں اور وہ اس طرح فقیرانہ زندگی بسر کرنے پر راضی نہ تھیں، اس بنا پر تخییر کی آیت نازل ہوئی کہ جو چاہے اس شرف کو قبول کرے اور جو چاہے خانۂ نبوت سے الگ ہو جائے۔ ازواج مطہرات میں کون سی ایسی بدقسمت تھی جو کنارہ کشی پسند کرتی، سب نے بخوشی اسی زندگی کو ترجیح دی، لیکن سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہی ابتداء کی اور فضل تقدیم کے لئے منع کر دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا جواب کسی کو نہ بتایئے گا۔ [4] اس فقرہ میں نسوانی فطرت کی جھلک نمایاں ہے۔

اسی کشمکش کے آخر زمانہ میں ارجاء کی آیت نازل ہوئی، یعنی جس بی بی کو آپ چاہیں رکھیں اور جس کو چاہیں الگ کر دیں، گو آپ نے اپنے فطری رحم و مروت کی بنا پر کسی کو الگ کرنا گوارا نہ فرمایا لیکن یہ اختیار بہر حال حاصل ہو چکا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر یہ اختیار مجھ کو عطا ہوا ہوتا تو میں اس شرف میں کسی اور کو ترجیح نہیں دیتی۔ [5]

غزوہ موتہ میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ملال ہوا۔ اسلام میں نوحہ ممنوع ہے، ایک صاحب نے آ کر اطلاع دی کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاں عورتیں نوحہ کر رہی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منع کر دو۔ وہ گئے اور واپس آئے۔ کہا نہیں مانتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] صحیح بخاری: باب القرعہ بین النساء ص ۷۸۵۔ [2] صحیح بخاری: باب ہجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم نساءہ ص ۷۸۳۔

[3] صحیح بخاری: کتاب المظالم، باب الغرفۃ رقم ۲۴۶۸۔ [4] صحیح بخاری: باب ایلاء، روایت عائشہ۔

[5] ایضاً: تفسیر سورۃ احزاب و مسند احمد جلد ۶ ص ۷۶۔

نے فرمایا: ان کے منہ میں خاک ڈال دو۔ وہ پھر گئے اور واپس آ کر کچھ کہنے لگے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دروازہ کی دراز سے دیکھ رہی تھیں اور بے قرار ہو رہی تھیں کہ نہ یہ صاحب جو آپ کہتے وہ کرتے ہیں اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان چھوڑ کر جاتے ہیں۔ (1) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زانو پر سر رکھے سو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ اسی طرح آرام فرما رہے تھے کہ ایک خاص سبب سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غصہ میں اندر تشریف لائے اور بیٹی کے پہلو میں کونچا دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں صرف اس خیال سے نہیں ہلی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوابِ راحت میں خلل واقع ہوگا۔ (2)

بیوی کی مدارات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی انسانی معاشرت کے لئے نمونہ تھی۔ اس بنا پر صرف اس تعلیم کے لئے کہ شوہر کو اپنی بیوی کی خوشنودی کی کس طرح کوشش کرنی چاہئے۔ آپ کبھی کبھی ان کے ساتھ غیر معمولی انبساط کے ساتھ پیش آتے تھے۔ چنانچہ اوپر گزر چکا ہے کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کھیل کود پر بھی مسرت ظاہر فرماتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک انصاری لڑکی کی پرورش کی تھی، اس کی شادی ہونے لگی تو اس تقریب کو معمولی سادگی کے ساتھ انجام دینے لگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے تو فرمایا۔ "عائشہ! گیت اور راگ تو ہے نہیں۔" (3)

ایک دفعہ عید کا دن تھا، حبشی عید کی خوشی میں نیزے ہلا ہلا کر پہلوانی کے کرتب دکھا رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ تماشا دیکھنا چاہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے اور وہ پیچھے کھڑی ہو گئیں اور جب تک وہ خود تھک کر نہ ہٹ گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر اوٹ کئے کھڑے رہے۔ (4)

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ بڑھ کر بول رہی تھیں۔ اتفاق سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انہوں نے یہ گستاخی دیکھی تو اس قدر برہم ہوئے کہ بیٹی کو مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوراً آڑے آ گئے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چلے گئے، تو فرمایا: کہو! میں نے تم کو کیسا بچایا۔ (5)

ایک دفعہ ایک لونڈی کو لئے ہوئے آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے۔ پھر

---

(1) صحیح بخاری: کتاب الجنائز۔
(2) صحیح بخاری: باب تیمم۔
(3) مسند احمد ۶/۲۶۹ و بخاری: کتاب النکاح و فتح الباری۔ (4) صحیح بخاری: باب حسن المعاشرہ۔
(5) ابوداؤد: کتاب الادب، باب ماجاء فی المزاح۔

پوچھا کہ تم اس کو پہچانتی ہو؟ عرض کی: نہیں یارسول اللہ ﷺ! فرمایا کہ فلاں شخص کی لونڈی ہے، تم اس کا گانا سننا چاہتی ہو۔ انہوں نے اپنی مرضی ظاہر کی تو وہ تھوڑی دیر تک گاتی رہی۔ آپ ﷺ نے گانا سن کر فرمایا: اس کے نتھنوں میں شیطان باجا بجاتا ہے یعنی اس قسم کے گانے کو آپ نے بذاتہ مکروہ سمجھا۔ [1]

دل بہلانا: کبھی کبھی دل بہلانے کو آپ ﷺ کہانی بھی کہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اثنائے گفتگو میں خرافہ کا نام آیا، پوچھا خرافہ کو جانتی ہو کون تھا؟ قبیلہ عذرہ کا ایک آدمی تھا، اس کو جن اٹھا کر لے گئے، وہاں اس نے جو بڑے بڑے عجائبات دیکھے تھے، واپس آ کر ان کو لوگوں سے بیان کیا تھا۔ اس بنا پر جب کوئی عجیب بات اب لوگ سنتے ہیں، تو کہتے ہیں یہ خرافہ کی بات ہے۔ [2] (ہماری زبان میں اسی کی جمع خرافات مستعمل ہے)

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہانی کہنی شروع کی، [3] اس کہانی میں عبارت کی جو خوبی ہے اس کا بیان تو کہیں اور آئے گا۔ یہاں صرف نفس قصہ کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ عرب کا مذاق قائم رہے:۔

"ایک دن گیارہ سہیلیاں ایک جگہ مل کر بیٹھی تھیں۔ باہم طے پایا کہ ہر ایک اپنے اپنے شوہر کا حال بے کم وکاست کہہ سنائے۔ پہلی بولی کہ میرا شوہر اونٹ کا وہ گوشت ہے جو کسی پہاڑ پر رکھا ہو، نہ میدان ہے کہ کوئی وہاں تک پہنچ جائے اور نہ گوشت ہی اچھا ہے کہ اس کو کوئی اٹھا لے جائے۔ دوسری نے کہا: میں اپنے شوہر کا حال نہیں بیان کروں گی، اگر بیان کروں تو اس قدر لمبا ہے کہ ڈر ہے کہ کچھ چھوڑ نہ دوں اور اندر باہر کا سب حال نہ کہہ دوں۔ تیسری نے کہا: میرا شوہر بڑا سخت ہے بولوں تو طلاق پا جاؤں اور چپ رہوں تو سمجھو کہ بیاہی ہوں نہ بن بیاہی۔ چوتھی بولی: میرا شوہر حجاز کی رات ہے نہ گرم نہ سرد، نہ ڈر ہے نہ ملال۔ پانچویں نے کہا: میرا شوہر گھر آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے باہر جاتا ہے تو شیر ہو جاتا ہے، جو وعدہ کرے اس میں پھر پوچھنے کی حاجت نہیں۔ چھٹی نے کہا: میرا شوہر ساتھ کھاتا ہے تو اکیلا سب چٹ کر جاتا ہے، پیتا ہے تو سب سڑپ جاتا ہے، لیٹتا ہے تو سب خود اوڑھ لیتا ہے، کبھی دریافت

---

[1] مسند احمد (عائشہ رضی اللہ عنہا)۔ [2] شمائل ترمذی: باب حدیث خرافہ ومسند احمد جلد ۶ ص ۱۵۷۔

[3] نسائی نے یہ کہانی خود آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کی ہے۔

حال کے لئے ہاتھ اندر نہیں کرتا۔ ساتویں بولی: میرا شوہر بے وقوف اور نامرد ہے، کبھی سر پھوڑ دے، کبھی کچھ توڑ دے۔ آٹھویں نے کہا: میرا شوہر چھونے میں خرگوش (نرم وگداز) اور سونگھنے میں کوسم ہے۔ نویں نے کہا: میرے شوہر کا بڑا مکان ہے، امیر ہے، اس کی تلوار کا پرتلا لمبا ہے (بلند و بالا ہے)، اس کے چولہے میں راکھ کا ڈھیر [1] ہوتا ہے۔ (فیاض ہے) دسویں نے کہا: میرا شوہر مالک ہے اور تم مالک کو کیا سمجھیں، وہ ان سب سے بہتر ہے، اس کے اونٹوں کا بڑا گلہ ہے، وہ گھر میں پڑے رہتے ہیں، چرنے کو نہیں جاتے۔ [2] باجے کی آواز سن لیں تو سمجھ جائیں کہ موت کا دن آ گیا۔

[3] گیارہویں نے اپنی بڑی لمبی کہانی شروع کی، میرے شوہر کا نام ابوزرع ہے، تم ابوزرع کو کیا سمجھیں، اس نے زیوروں سے میرے کان اور چربی سے میرے بازو بھر دیئے، مسرت سے میرا دل خوش کر دیا، بکری والوں کے گھرانے میں مجھے پایا لیکن ہنہنانے والے گھوڑوں، بلبلانے والے اونٹوں، غلہ ملنے والوں اور پھٹکنے والے مزدوروں میں لا کر مجھے رکھ دیا۔ بولتی ہوں تو کوئی برا نہیں کہتا، سوتی ہوں تو صبح کر دیتی ہوں، پیتی ہوں تو سب پی جاتی ہوں۔ ام ابی زرع! ام ابی زرع کیسی ہے؟ اس کے کپڑوں کی گٹھری بھاری اور اس کے رہنے کا گھر وسیع ہے۔ ابوزرع کا بیٹا، ابوزرع کا بیٹا کیسا ہے؟ سوتا ہے تو ننگی تلوار معلوم ہوتا ہے، کھاتا ہے تو حلوان کا دست کھاتا ہے۔ ابوزرع کی بیٹی، ابوزرع کی بیٹی کیسی ہے؟ والدین کی فرمانبردار اور سوکن کے لئے رشک۔ ابوزرع کی لونڈی! ابوزرع کی لونڈی کیسی ہے؟ کہیں گھر کی کوئی بات باہر نہیں دہراتی، اناج کو فضول نہیں برباد کرتی، گھر کو کوڑا کرکٹ سے نہیں بھرتی۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تحمل کے ساتھ دیر تک یہ کہانی سنتے رہے۔ پھر فرمایا: عائشہ! میں تمہارے لئے ویسا ہی ہوں، جیسا ابوزرع، ام زرع کے لئے۔ لیکن عین اس وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی قسم کی لطف و محبت کی باتوں میں مصروف ہوتے، دفعۃً اذان کی آواز آتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے

---

[1] عرب میں یہ فیاضی کے بیان کا طریقہ ہے۔

[2] اس خیال سے کہ خدا جانے مہمان کس وقت آ جائے اور ان کے ذبح کرنے کی ضرورت پڑے۔

[3] یعنی کوئی تقریب ہے، اس میں ذبح ہونا ہوگا۔ صحیح بخاری: باب حسن المعاشرہ ص ۷۸۰۔

ہوتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پھر یہ معلوم ہوتا کہ آپ ہم کو پہچانتے ہی نہیں۔ ❶

ساتھ کھانا:

آپ اکثر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک دستر خوان بلکہ ایک ہی برتن میں کھانا کھاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے، آپ نے ان کو بھی بلا لیا اور تینوں نے ایک ساتھ کھانا کھایا، ❷ (اس وقت تک پردہ کا حکم نہیں آیا تھا) کھانے میں بھی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ وہی ہڈی چوستے جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چوستی تھیں، پیالہ میں وہیں پر منہ رکھ کر پیتے تھے، جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا منہ لگاتی تھیں۔ ❸ ایک دفعہ دونوں ساتھ کھانے میں مصروف تھے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا شکایت لے کر پہنچیں کہ عمر رضی اللہ عنہ مجھ کو ضرورت سے بھی باہر نکلنے میں ٹوکتے ہیں۔ ❹ راتوں کو گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا، اس لئے کبھی کبھی دونوں کا ہاتھ ایک ہی بوٹی پر پڑ جاتا تھا۔ ❺

ایک دفعہ ایک ایرانی پڑوسی نے آپ کی دعوت کی، آپ نے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ہوں گی۔ اس نے کہا: نہیں، ارشاد ہوا تو میں بھی قبول نہیں کرتا۔ میزبان دوبارہ آیا اور پھر یہی سوال و جواب ہوا، اور وہ واپس چلا گیا، تیسری دفعہ پھر آیا، آپ نے پھر فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی دعوت ہے؟ عرض کی ''جی ہاں'' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے گھر گئے۔ ❻

ہم سفری: سفر میں تمام ازواج تو ساتھ نہیں رہ سکتی تھیں اور کسی کو خاص طور پر ترجیح دینا بھی خلاف انصاف تھا۔ اس بنا پر آپ سفر کے وقت قرعہ ڈالتے تھے جن کا نام آتا وہ شرف ہمراہی سے ممتاز

---

❶ یہ واقعہ امام غزالی نے احیاء العلوم باب اشتراط الخشوع میں نقل کیا ہے۔ بخاری: باب کیف یکون الرجل فی اہلہ، میں اس کے قریب قریب ایک حدیث ہے۔

❷ معجم طبرانی ص ۴۵ و ادب المفرد امام بخاری باب اکل الرجل مع امرأتہ۔

❸ مسند احمد: جلد ۶ ص ۶۴ و سنن ابی داؤد باب مواکلۃ الحائض۔

❹ صحیح بخاری: کتاب النکاح، باب خروج النساء۔ ❺ مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۱۷

❻ یہ واقعہ غالباً ہجرت کے اوائل سال کا ہوگا، محدثین بیان کرتے ہیں کہ آپ کے تنہا دعوت نہ قبول کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس روز خانہ نبوی میں فاقہ تھا، آپ نے مروت اور لطف و اخلاق سے دور سمجھا کہ گھر میں بیوی کو بھوکا چھوڑ کر خود شکم سیر کریں، پڑوسی نے اس لئے دو دفعہ انکار کیا کہ اس کے ہاں سامان ایک ہی آدمی کے لئے تھا، تیسری دفعہ کچھ اور سامان کر کے حاضر ہوا، فقہاء نے اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ بے تکلف دوستوں سے انکار دعوت یا کسی اور مہمان کے بڑھانے کے لئے اصرار کرنا جائز ہے۔ یہ حدیث صحیح مسلم کتاب الاطعمہ میں ہے، نووی بھی دیکھنا چاہئے۔

ہوتیں۔ ❶ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی متعدد سفروں میں آپ کے ساتھ رہی ہیں۔ غزوہ بنی المصطلق میں ساتھ ہونا تو یقینی طور پر ثابت ہے۔ انہی میں وہ سفر بھی ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے بدلنے کا واقعہ پیش آیا تھا۔ ایک اور ہمسفری کا واقعہ احادیث میں مذکور ہے، جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دوڑی تھیں۔

غزوہ بنی المصطلق کے سفر میں دو عجیب واقعے پیش آئے اور دونوں میں خدائے پاک نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو امتیاز وشرف کی لازوال دولت بخشی۔ پہلے واقعہ کا نتیجہ حکم تیمم کا نزول ہے اور دوسرے واقعہ میں معصوم اور پاکباز عورتوں کی برأت کا قانون ہے (تفصیل آگے آتی ہے) مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ کے سفر میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہمراہ تھیں ❷ اور حجۃ الوداع میں تو اکثر ازواج ساتھ تھیں، جن میں ایک یہ بھی تھیں۔

ساتھ دوڑنا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہسواری اور تیر اندازی کا بہت شوق تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی ترغیب دیتے تھے اور خود اپنے سامنے لوگوں سے اس کی مشق کراتے تھے۔ ایک غزوہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رفیق سفر تھیں، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو آگے بڑھ جانے کا حکم دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا آؤ دوڑیں دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے، یہ دبلی پتلی تھیں آگے نکل گئیں۔ کئی سال کے بعد اسی قسم کا ایک موقع پھر آیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اب میں بھاری ہوگئی تھی، اب کی باری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے۔ فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا یہ اس دن کا جواب ہے۔ ❸

ناز و انداز: دریائے محبت کی بہت سی لہریں عورت کے خالص نسوانی خصوصیات کے اندر پنہاں ہیں، ناز و انداز عورت کی فطرت ہے۔ اس قسم کے واقعات جو احادیث میں مذکور ہیں لوگ ان کو قابل تنقید سمجھتے ہیں، وہ ان کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ ایک امتی کا اپنے پیغمبر کے ساتھ یہ خطاب ہے اور اس کو بھول جاتے ہیں کہ ایک بیوی اپنے شوہر سے باتیں کر رہی ہے۔

چنانچہ اسی قسم کے جو چند واقعات صحاح میں ہیں وہ اسی حیثیت کے ہیں اور ان کو اسی نظر سے پڑھنا اور سمجھنا چاہئے۔ فرماتی ہیں کہ جب یہ حکم اترا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو پیغمبر کے حوالے کر دے (یعنی مہر معاف کر کے زوجیت میں داخل ہو) تو جائز ہے۔ تو مجھے غیرت آئی کہ کیا کوئی عورت ایسا بھی کر سکتی ہے لیکن جب ارجاء کی آیت اتری، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا

❶ صحیح بخاری: باب القرعۃ بین النساء ❷ مسند احمد: مسند عائشہ جلد ۶۔
❸ سنن ابی داود: باب السبق

گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس بیوی کو چاہیں اپنے پاس بلائیں یا اس کے پاس رات گزاریں اور جس کو چاہیں نہ بلائیں تو میں نے کہا کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا دیکھتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر خواہش کو جلد پوری کرتا ہے۔'' 1 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کا منشاء نعوذ باللہ اعتراض نہیں بلکہ بیوی کا محبوبانہ ناز ہے۔ خواص امت کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کا مطلب اور ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی خواہشوں کو بھی پورا فرما دیتا ہے اور اس سے مقصود اس کی جمعیت خاطر ہوتی ہے، تاکہ وہ دل جمعی سے اپنے کام میں لگا رہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اس اجازت الٰہی کے بعد بھی یہی رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز ازواج سے باری کی اجازت طلب فرمالیا کرتے تھے۔ 2

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اکثر یاد کیا کرتے تھے۔ جس سے دوسری مدعیٔ محبت بیویوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح ان کا تذکرہ فرما رہے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بول اٹھیں: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کیا اس بڑھیا کا بار بار ذکر چھیڑا کرتے ہیں، خدا نے آپ کو اس سے اچھی بیویاں دی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ کو خدا نے اسی سے اولاد دی۔ 3 یہی روایت مسند احمد میں اسی طرح ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تعریف شروع کی اور بہت دیر تک تعریف فرماتے رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے اس پر رشک آیا تو میں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ قریش کی بوڑھیوں میں سے ایک بوڑھی عورت کا جس کے ہونٹ لال تھے اور جس کو مرے ہوئے ایک زمانہ ہو چکا، اتنی دیر سے اتنی تعریف فرما رہے ہیں۔ آپ کو اس سے بہتر بیویاں خدا نے دی ہیں یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ پھر فرمایا: یہ میری وہ بیوی تھیں کہ جب لوگوں نے میرا انکار کیا تو وہ ایمان لائی اور جب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے تو اس نے میری تصدیق کی اور جب لوگ مجھے اپنی امداد سے محروم کر رہے تھے تو اس نے اپنی دولت سے میری غم خواری کی اور اس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد روزی دی جب کہ دوسری بیویوں سے اولاد سے مجھے محروم کیا۔ 4

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سر میں درد تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض الموت شروع ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم میرے سامنے مرتیں تو میں تم کو اپنے ہاتھ سے غسل دیتا اور اپنے ہاتھ

---

1 صحیح بخاری: تفسیر احزاب۔ 2 صحیح بخاری: تفسیر سورۃ احزاب۔
3 صحیح بخاری: فضل خدیجہ۔ 4 مسند احمد: جلد ۶، مسند عائشہ رضی اللہ عنہا ص ۱۱۸، ۱۵۰۔

سے تمہاری تجہیز و تکفین کرتا، تمہارے لئے دعا کرتا۔ عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ آپ میری موت مناتے ہیں، اگر ایسا ہو جائے تو آپ اسی حجرے میں نئی بیوی لا کر رکھیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر تبسم فرمایا۔ ❶

کہیں سے کوئی قیدی گرفتار ہو کر آیا تھا اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں بند تھا یہ ادھر عورتوں سے باتیں کر رہی تھیں، وہ اُدھر لوگوں کو غافل پا کر نکل بھاگا، آپ تشریف لائے تو گھر میں قیدی کو نہ پایا، دریافت کیا تو واقعہ معلوم ہوا، غصہ میں فرمایا: "تمہارے ہاتھ کٹ جائیں۔" پھر باہر نکل کر صحابہ کو خبر کی، وہ گرفتار ہو کر آیا۔ آپ جب اندر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی ہیں۔ پوچھا: عائشہ رضی اللہ عنہا کیا کرتی ہو، عرض کی دیکھتی ہوں کون سا ہاتھ کٹے گا۔" آپ متاثر ہوئے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ ❷

ایک دن در پردہ عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اگر دو چراگاہیں ہوں ایک اچھوتی اور دوسری چری ہوئی، تو آپ کس میں اونٹ چرانا پسند فرمائیں گے جواب دیا: پہلی میں۔ ❸ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ بیویوں میں صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ایک کنواری تھیں۔

افک کے واقعہ میں جس کا ذکر آگے آئے گا، جب وحی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت ظاہر ہوئی تو ماں نے کہا: لو! بیٹی اٹھو اور اپنے شوہر کے قدم لو۔ تنک کر بولیں میں اپنے رب کے سوا جس نے میری برات ظاہر کی، کسی اور کی شکر گزار نہیں ہوں۔

آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ: عائشہ! جب تم مجھ سے خوش رہتی ہو یا ناراض ہوتی ہو تو مجھ کو پتہ لگ جاتا ہے۔ ناراض ہوتی ہو تو "ابراہیم علیہ السلام کے رب کی قسم" اور خوش رہتی ہو تو "محمد ﷺ کے خدا کی قسم" کھاتی ہو، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! صرف زبان سے نام چھوڑ دیتی ہوں۔ ❹

مارگولیوس "لائف آف محمد ﷺ" میں اسی واقعہ کو ان الفاظ میں لکھتا ہے:

"جب محمد ﷺ ان کو (عائشہ رضی اللہ عنہا کو) ناراض کرتے تو وہ ان کو پیغمبر خدا کہنے سے

---

❶ صحیح بخاری: ص ۸۴۶ کتاب المرض و مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۲۸۔
❷ مسند احمد: جلد ۶، ص ۵۳۔
❸ صحیح بخاری: باب نکاح الابکار، ص ۷۶۰۔
❹ صحیح بخاری: باب ما یجوز من الهجران، ص ۸۹۷۔

انکار کر دیتی تھیں اور ان کی وحی پر سخت نکتہ چینی کرتی تھیں۔'' ❶

یورپ کی عربی دانی، روایت گوئی اور مذہبی بے تعصبی کی یہ کتنی اچھی مثال ہے!

خدمت گزاری: گھر میں اگرچہ خادمہ موجود تھی، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کا کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں۔ ❷ آٹا خود پیستی تھیں۔ ❸ خود گوندھتی تھیں، کھانا خود پکاتی تھیں ❹ بستر اپنے ہاتھ سے بچھاتی تھیں۔ ❺ وضو کا پانی خود لا کر رکھتی تھیں۔ ❻ آپ قربانی کے لئے جو اونٹ بھیجتے اس کے لئے خود قلادہ بٹتی تھیں۔ ❼ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں اپنے ہاتھ سے کنگھا کرتی تھیں۔ ❽ جسم مبارک میں عطر مل دیتی تھیں۔ ❾ آپ کے کپڑے اپنے ہاتھ سے دھوتی تھیں۔ ❿ سوتے وقت مسواک اور پانی سرہانے رکھتی تھیں۔ ⓫ مسواک کو صفائی کی غرض سے دھویا کرتی تھیں۔ ⓬ گھر میں آپ کا کوئی مہمان آتا تو مہمان کی خدمت انجام دیتیں۔ چنانچہ حضرت قیس غفاری رضی اللہ عنہ جو صفہ والوں میں سے تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں سے فرمایا: چلو عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر چلو، جب حجرہ میں پہنچے، تو فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا ہم لوگوں کو کھانا کھلاؤ۔ وہ چونی کا پکا ہوا کھانا لائیں، آپ نے کھانے کی کوئی اور چیز مانگی تو چھوہارے کا حریرہ پیش کیا، پھر پینے کی چیز مانگی تو ایک بڑے پیالے میں دودھ حاضر کیا، اس کے بعد ایک اور چھوٹے پیالے میں پانی لائیں۔ ⓭

اطاعت اور احکام کی پیروی

بیوی کا سب سے بڑا جوہر شوہر کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نو برس کی شب و روز کی طویل صحبت میں آپ کے کسی حکم کی کبھی مخالفت نہیں کی بلکہ انداز و اشارہ سے بھی

---

❶ مارگولیوس کی لائف آف محمد، ص ۴۵۱۔
❷ ادب المفرد: امام بخاری، باب لا یوذی جارہ۔
❸ صحیح بخاری: واقعہ افک۔
❹ صحیح بخاری وابوداؤد۔
❺ شمائل ترمذی میں عام ازواج کا حکم ہے۔ ❻ مسند احمد: جلد ۶ ص ۶۸۔
❼ صحیح بخاری: کتاب الحج۔
❽ صحیح بخاری: باب اعتکاف۔ ❾ صحیح بخاری: کتاب الحج۔ ❿ صحیح بخاری غسل وابوداؤد باب الاعادة من النجاسة یکون فی الثوب۔ ⓫ مسند احمد: جلد ۶ ص ۵۴۔ ⓬ ابوداؤد: کتاب الطہارت، باب غسل۔
⓭ ابوداؤد: کتاب الادب۔ شاید یہ قبل حجاب کا واقعہ ہو۔

کوئی بات ناگوار سمجھی تو فوراً ترک کر دی۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بڑے شوق سے دروازہ پر ایک مصور پردہ لٹکایا، آپ نے اندر داخل ہونے کا قصد کیا تو پردہ پر نظر پڑی، فوراً تیوری پر بل پڑ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ دیکھ کر سہم گئیں۔ عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! قصور معاف مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی؟ فرمایا: ''جس گھر میں تصویریں ہوں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔'' یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً پردہ چاک کر ڈالا اور اس کو اور مصرف میں لے آئیں۔ [1] ایک صحابی کو ولیمہ کی دعوت کرنی تھی لیکن گھر میں سامان نہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ! عائشہ رضی اللہ عنہا سے جا کر کہو کہ غلہ کی ٹوکری بھیج دیں۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آ کر پیغام سنایا، اسی وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوری ٹوکری اُٹھوا دی [2] اور گھر میں شام کے کھانے کو کچھ نہیں رہا۔

شوہر کی زندگی میں تو شاید بہت سی عورتیں اس وصف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حریف نکلیں، لیکن اصلی اطاعت تو بیڑیوں کے کٹ جانے کے بعد بھی اپنے کو قیدی بنائے رکھنا ہے یعنی شوہر کی وفات کے بعد بھی اس کے ایک ایک حکم کی تعمیل اسی طرح کی جائے جس طرح اس کی زندگی میں کی جاتی تھی۔

اوپر گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فیاضی کی تعلیم دی تھی، اس کا یہ اثر تھا کہ وہ مرتے دم تک اس فرض سے غافل نہ رہیں۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ انہوں نے جہاد کی اجازت چاہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''عورتوں کا جہاد حج ہے'' اس حکم کے سننے کے بعد وہ اس کی پابندی اس شدت سے کرتی تھیں کہ ان کا کوئی سال کم تر حج سے خالی جاتا تھا، [3] ایک دفعہ ایک شخص نے ان کی خدمت میں کچھ کپڑا اور کچھ نقد روپیہ بھیجا۔ پہلے واپس کر دیا، پھر لوٹا کر قبول کر لیا اور فرمایا کہ آپ کی ایک بات یاد آ گئی ہے [4] ایک دفعہ عرفہ کے دن روزہ سے تھیں، گرمی اس قدر شدید تھی کہ سر پر پانی کے چھینٹے دیئے جا رہے تھے، کسی نے مشورہ دیا کہ روزہ توڑ دیجئے۔ فرمایا کہ ''جب آنحضرت ﷺ سے سن چکی ہوں کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے سال بھر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو میں روزہ کیسے توڑ سکتی ہوں؟'' [5]

رسول اللہ ﷺ کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھ کر وہ بھی برابر چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں

[1] صحیح بخاری: کتاب اللباس، باب التصاویر۔
[2] مسند احمد: جلد ۴ص ۵۸۔۷
[3] صحیح بخاری: باب حج النساء۔
[4] مسند احمد: جلد ۶ص ۲۵۹۔
[5] مسند احمد: جلد ۶ص ۱۲۸۔

اور فرماتی تھیں کہ "اگر میرے باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئیں اور منع کریں تو میں نہ مانوں"۔ (1) ایک دفعہ ایک عورت نے آ کر پوچھا کہ ام المؤمنین! مہندی لگانا کیسا ہے؟ جواب دیا میرے محبوب کو اس کا رنگ پسند لیکن بو پسند نہ تھی، حرام نہیں، تم چاہے لگاؤ۔

باہمی مذہبی زندگی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر ایک پیغمبر کا خلوت کدہ تھا، یہاں نہ دولت اور تموّل کا سامان تھا اور نہ ان کو اس کی پرواہ تھی۔ اسلام دین و دنیا کا جامع ہے۔ گزشتہ ابواب میں زندہ دلی کے جو مناظر نظر آتے تھے، وہ صرف انسانی فطرت کے تماشاگاہ تھے، خلوت کدۂ نبوت کو اب واقعات ذیل کی روشنی میں دیکھو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کا معمول تھا کہ جب گھر میں تشریف لاتے تو کسی قدر آواز سے یہ الفاظ دہراتے:

لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَّالٍ لَا بْتَغٰى وَادِياً ثَالِثاً وَ لَا يَمْلَأُ فَمَهُ اِلَّا التُّرَابُ وَ مَا جَعَلْنَا الْمَالَ اِلَّا لِاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ (2)

آدم کے بیٹے کی ملکیت میں اگر دولت و مال سے بھرے ہوئے دو میدان ہوں وہ تیسرے کی حرص کرے گا۔ اس کی حرص کے منہ کو صرف مٹی بھر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے دولت تو اپنی یاد دلانے اور مسکینوں کی مدد کرنے کے لئے پیدا کی ہے۔ جو خدا کی طرف لوٹے تو خدا بھی اس کی طرف لوٹے گا۔

ان الفاظ کی روزانہ تکرار سے مقصود یہ تھا کہ تمام اہل بیت کو دنیا کی بے ثباتی اور دولت کا ہیچ ہونا یاد رہے۔

عشاء پڑھ کر آپ حجرے میں داخل ہوتے، مسواک کر کے فوراً سو رہتے، پچھلے پہر بیدار ہوتے، تہجد کی نماز ادا فرماتے (3) جب رات آخر ہوتی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اٹھاتے اور وہ اٹھ کر آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتیں، اور وتر ادا کرتیں۔ (4)

جب صبح کا سپیدہ نمودار ہو جاتا تو آپ صبح کی سنت پڑھ کر کروٹ لیٹ جاتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے باتیں کرتے (5) پھر فریضۂ صبح کے لئے باہر نکلتے، کبھی رات بھر وہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(1) مسند احمد: جلد۶ ص ۱۳۸۔ (2) مسند احمد: جلد۶ ص ۵۵۔ (3) ایضاً (4) ایضاً ص ۱۵۲۔
(5) صحیح مسلم: صلوٰۃ اللیل و بخاری: باب من تحدث بعد الرکعتین۔

دونوں عبادت الٰہی میں مشغول رہتے، آنحضرت ﷺ امام ہوتے، وہ مقتدی ہوتیں۔ آنحضرت ﷺ سورۃ بقرہ، آل عمران اور نساء وغیرہ لمبی لمبی سورتیں پڑھتے، جہاں خدا سے ڈرنے والی کوئی آیت آتی۔ اللہ کی پناہ چاہتے۔ جب کوئی رحمت و بشارت کا موقع آتا، اللہ سے اس کی آرزو کرتے اسی طرح یہ پُراثر روحانی منظر تمام رات قائم رہتا۔ [1] غیر معمولی اوقات مثلاً کسوف وغیرہ کی حالت میں جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے یہ بھی ساتھ کھڑی ہو جاتیں، آنحضرت ﷺ مسجد میں جماعت کو نماز پڑھاتے، یہ اپنے حجرے میں کھڑی ہو کر اقتدا کر لیتیں۔ [2]

نماز پنجگانہ اور تہجد کے علاوہ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں۔ [3] اکثر روزے رکھا کرتیں، کبھی وہ اور رسول اللہ ﷺ دونوں مل کر ایک ساتھ روزے رکھتے اور رمضان کے آخری عشرہ میں آنحضرت ﷺ مسجد میں اعتکاف کرتے تھے، کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس فرض میں شریک ہو جاتی تھیں، مسجد کے صحن میں خیمہ نصب کرا لیتیں۔ صبح کی نماز پڑھ کر آنحضرت ﷺ بھی تھوڑی دیر کو وہاں آ جاتے۔ [4] ۱۱ھ میں حج کے لئے بھی ساتھ ہی گئیں، حج و عمرہ دونوں کی نیت کی تھی لیکن زنانہ مجبوری سے وہ طواف سے معذور ہو گئیں تو ان کو اس قدر صدمہ ہوا کہ رونے لگیں۔ آنحضرت ﷺ باہر سے تشریف لائے تو سبب دریافت کیا اور تسلی دے کر مسئلہ بتایا۔ پھر اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جا کر باقی فرائض ادا کئے۔ [5]

گھر میں فرائض نبوت

تعلقات زن و شوئی کا یہ آخری عنوان ہے۔ باہمی لطف و محبت کے جو واقعات اوپر گزر چکے ہیں، ان کو پڑھ کر ایک کور باطن خیال کر سکتا ہے کہ آپ گھر میں آ کر فرائض نبوت کو بھول جاتے تھے لیکن خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول تم سن چکے ہو کہ وہ کیا کہتی تھیں؟ فرماتی تھیں کہ آپ باتوں میں مشغول ہوتے، دفعتہً اذان ہوتی آپ اٹھ جاتے پھر یہ معلوم ہوتا کہ گویا آپ ﷺ ہم کو پہچانتے بھی نہیں۔

آپ ﷺ نے غزوہ تبوک سے جب فاتحانہ مراجعت فرمائی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خوشی میں خیر مقدم کے طور پر ایک مصور پُرنقش و نگار پردہ آویزاں کیا۔ آنحضرت ﷺ نے جب دروازہ پر قدم رکھا، چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! قصور معاف ہو، کیا خطا ہوئی؟ ارشاد ہوا کہ ''عائشہ! ہم کو خدا نے اینٹ اور مٹی کی آرائش کے لئے دولت نہیں دی۔''

---

[1] مسند احمد: جلد ۶ ص ۹۲۔ [2] صحیح بخاری: صلوۃ الکسوف۔

[3] مسند احمد: جلد ۶ ص ۱۵۱۔ [4] صحیح بخاری: باب اعتکاف النساء۔ [5] صحیح بخاری: کتاب الحج۔

ایک شب آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور پھر چپکے سے اٹھ کر ایک سمت کو روانہ ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی چھپ کر پیچھے پیچھے روانہ ہوئیں، آپ بقیع کے قبرستان میں پہنچے، وہاں ہاتھ اٹھا کر دعا میں مشغول ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھپی کھڑی رہیں، واپسی میں آپ نے دیکھ لیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لپک کر کمرہ کے اندر داخل ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا عائشہ یہ کیا تھا؟ چونکہ یہ تجسس میں داخل تھا، جو منع ہے۔ عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان اور پھر سارا واقعہ بیان کر دیا۔ [1]

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک یہودی کو جس نے آپ کو موت کی بددعا دی تھی، سختی سے جواب دیا، تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عائشہ! خدا مہربان ہے وہ نرمی کو پسند کرتا ہے، نرمی سے وہ دیتا ہے جو سختی سے نہیں دیتا، اور نہ کسی اور طرح دیتا ہے۔'' [2]

گو ریشم اور سونے کا استعمال اسلام میں عورتوں کے لئے مباح ہے لیکن چونکہ دنیا کے آرائشی تکلفات سے آپ کو طبعاً نفرت تھی، اس بناء پر اپنے گھر میں اتنی حشمت کا اظہار بھی ناپسند تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سونے کے کنگن پہنے، آپ نے فرمایا: میں تم کو اس سے بہتر تدبیر نہ بتاؤں، تم ان کنگنوں کو اتار دو اور چاندی کے دو کنگن بنوا کر ان پر زعفران کا رنگ چڑھا دو۔ [3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آپ نے ہم کو پانچ چیزوں سے منع فرمایا: ریشمی کپڑے، سونے کے زیور، سونے اور چاندی کے برتن، سرخ نرم گدے اور کتان آمیز ریشمی کپڑے۔ میں نے عرض کی، اگر تھوڑا سا سونا ہو جس میں مشک باندھا جا سکے تو کچھ مضائقہ ہے؟ فرمایا: نہیں! چاندی کو تھوڑی زعفران سے رنگ لیا کرو [4]

گھر میں ہمیشہ ہر موقع پر اخلاقی نصائح کی تعلیم دیا کرتے تھے، اس کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں، ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے آٹا پیسا، اس کی ٹکیاں پکائیں، آپ باہر سے تشریف لائے تو نماز میں مشغول ہو گئے، ان کی آنکھ لگ گئی، ایک پڑوسن کی بکری آ کر ان کو کھا گئی،

---

[1] یہ واقعہ مختلف الفاظ میں تمام کتب احادیث میں مذکور ہے، اس وقت ہمارے سامنے نسائی: باب الاستغفار للمؤمنین ہے۔ [2] صحیح مسلم: باب فضل الرفق۔

[3] نسائی: کتاب الزینۃ۔

[4] مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۲۸، عورتوں کے لئے ریشمی کپڑے اور سونے کے زیور گو دوسری حدیثوں سے جائز ہیں لیکن شاید خاص ازواج مطہرات ؓ کے لئے ان کو پسند نہیں فرمایا گیا یا یہ کہ ان میں زیادتی اور غلو کو پسند نہیں فرمایا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دوڑیں کہ بکری کو ماریں، آپ نے روکا کہ ''عائشہ! ہمسایہ کو تکلیف نہ دو۔'' [1]

عرب میں سوسمار کھانے کا دستور تھا لیکن آپ اس کو پسند نہیں فرماتے تھے، ایک بار کسی نے اس کا گوشت تحفۃً بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کھایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ''یا رسول اللہ! محتاجوں کو نہ کھلا دیں۔'' فرمایا: ''جس کو تم آپ کھانا پسند نہ کرو وہ دوسروں کو بھی نہ کھلاؤ۔'' [2]

سوکنوں کے ساتھ برتاؤ

عورت کے لئے دنیا کی سب سے تلخ چیز ایک سوکن کا وجود ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک سے لے کر آٹھ آٹھ سوکنوں تک ایک ساتھ رہی ہیں تاہم شرف صحبت کے پرتو سے یہ آئینے ہر قسم کے زنگ وغبار سے پاک تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد آپ نے کئی اسباب سے مختلف اوقات میں دس نکاح کئے ان میں سے ام المساکین حضرت زینب رضی اللہ عنہا جن سے ۳ھ میں نکاح ہوا تھا، صرف دو تین مہینے زندہ رہیں۔ باقی نو بیویاں آپ کی وفات تک زندہ تھیں، یہ بیویاں حسب ذیل سنین میں شرف نکاح سے ممتاز ہوئیں۔ اس سے معلوم ہوگا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کس سال تک کتنی سوکنوں سے سابقہ رہا۔

نمبر شمار	نام	نکاح کا سال
۱	حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا	۱۰ سنہ نبوی
۲	حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	۳ھ
۳	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا	۵ھ
۴	حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنی مصطلق رئیس زادی	۵ھ
۵	حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش قریشیہ	۵ھ
۶	حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان	۶ھ
۷	حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا	۷ھ
۸	حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا خیبر کی رئیس زادی	۷ھ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ میں گو زندہ نہ تھیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] ادب المفرد امام بخاری: باب لا یوذی جارہ۔ [2] مسند احمد: جلد ۶ ص ۱۶۳۔

کے قلب مبارک میں ان کی یاد ہمیشہ زندہ رہی، آپ ﷺ اکثر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کا ذکر خیر کیا کرتے، وہ خود بیان کرتی ہیں کہ "جس قدر خدیجہ رضی اللہ عنہا پر مجھ کو رشک آتا تھا کسی دوسری بی بی پر نہیں آتا تھا اور یہ اس لئے کہ آپ اس کو بہت یاد کیا کرتے تھے۔" اور سال میں ایک مرتبہ ان کی طرف سے قربانی کرتے تھے اور ان کی تمام سہیلیوں کو تحفہ بھیجتے تھے لیکن بایں ہمہ ان کی فضیلت اور شرف سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو انکار نہ تھا۔ فرماتی تھیں کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی معرفت ان کو ایک بے غم و رنج بہشت کی بشارت دی تھی۔ [1] حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وہ تمام ترکارنامے جو آغاز اسلام سے متعلق ہیں، یعنی آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا، مصائب میں مستقل رہنا اور مشکلات میں آپ کی دلدہی کرنا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے ذریعہ سے مروی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا گو آگے پیچھے ایک ساتھ نکاح میں آئیں تاہم چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تقریباً نکاح کے بعد ساڑھے تین برس تک میکہ ہی میں رہیں، اس بنا پر اس عرصہ میں عملاً حضرت سودہ رضی اللہ عنہا گویا آنحضرت ﷺ کی تنہا بیوی تھیں۔ ۱ھ میں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رخصت ہو کر آئیں تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سوکن موجود تھیں، ان حالات میں عموماً ایک دوسرے کو اپنے حق میں خلل انداز تصور کر سکتی تھیں لیکن نتائج اس قیاس طبعی کے بالکل برخلاف ہیں، تمام واقعات باہمی اتحاد اور موانست کے موید ہیں، اکثر خانگی مشوروں میں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رفیق تھیں، [2] دو چار برس کے بعد جب وہ بوڑھی ہو گئیں تو ان کو خیال ہوا کہ شاید آنحضرت ﷺ ان کو طلاق دے دیں اور شرف صحبت سے محروم ہو جائیں۔ اس بنا پر انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی اور انہوں نے خوشی سے قبول کر لی۔ [3] حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی وہ بے حد معترف تھیں۔ فرماتی تھیں کہ "سودہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی، گو ان کے مزاج میں تھوڑی تیزی ضرور تھی۔" [4]

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ۳ھ میں ازواج میں داخل ہوئیں، اس بناء پر تقریباً ۸ برس حضرت

---

[1] صحیح بخاری: فضائل خدیجہ رضی اللہ عنہا۔
[2] صحیح بخاری: باب الهدایا و باب التحریم۔
[3] صحیح بخاری و مسلم: کتاب النکاح و جواز الھبہ نوبتہا لضرتہا۔
[4] صحیح مسلم: باب جواز ہبتہا نوبتہا لضرتہا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہیں۔ ان دونوں میں ایک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پارہ جگر تھی تو دوسری فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی قرۃ العین، دونوں میں نہایت لطف و محبت تھی، تمام امور خانگی میں دونوں کی ایک رائے ہوتی اور برابر کی شریک رہتی تھیں، دیگر ازواج کے مقابلہ میں دونوں ایک دوسرے کی حامی تھیں۔ ❶ تاہم عشق و محبت کی شریعت دوسری ہے۔ ع

باسایہ ترا نمی پسندم

ایک دفعہ سفر میں دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھیں، رات کو جب قافلہ چلتا، آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی محمل میں آ کر تشریف فرما ہوتے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آؤ سواری کا اونٹ بدل لیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایثار سے اس کو قبول کر لیا، رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف نہ لائے تو فطرتِ بشریٰ کے مطابق ان کو سخت تکلیف ہوئی۔ ❷

عقل و فہم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تمام بیویوں میں ممتاز تھیں۔ صلح حدیبیہ میں قربانی کے موقع پر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مشورہ دیا، وہ عورتوں کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔ ❸ فقہی مسئلوں اور فتوؤں میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد انہی کا درجہ ہے ❹ اسی لئے گو وہ سن رسیدہ تھیں، تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قدر فرماتے تھے، ان وجوہ سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسر تھیں، تاہم ایک معمولی سے اتفاقیہ واقعہ کے سوا کوئی واقعہ ان کے باہمی اختلاف کا مذکور نہیں۔ وہ اتفاقی واقعہ یہ ہے کہ بعض ازواج نے ان کو سفیر بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس لئے بھیجا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ لوگوں کے تحفے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، وہیں بھیجے جائیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کی تخصیص نہ ہو، وہ یہ پیغام لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں آئیں اور نہایت متانت سے اپنی درخواست پیش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، وہ خاموش ہو گئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہ گفتگو سنی، لیکن کوئی آزردگی نہیں ظاہر کی۔ ❺

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں بھی کوئی اختلاف مذکور نہیں ہے، البتہ وہ ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر پہلے گھبرا اٹھی تھیں۔ ❻ کہ ان کے مقابلہ میں ان کا رتبہ کم نہ ہو جائے لیکن

---

❶ بخاری: باب الہدایا و باب التحریم و باب الایلا و ترمذی مناقب صفیہ رضی اللہ عنہا و نسائی باب الغیرۃ۔
❷ صحیح بخاری: القرعہ بین النساء فی السفر۔ ❸ صحیح بخاری: ذکر حدیبیہ۔
❹ طبقات ابن سعد: جز ثانی قسم ثانی ص ۱۲۶۔ ❺ صحیح مسلم و بخاری: فضل عائشہ رضی اللہ عنہا۔
❻ طبقات ابن سعد: ترجمہ جویریہ رضی اللہ عنہا۔

آخران کا خیال غلط ثابت ہوا کہ ان کی قدر و منزلت کے اسباب ہی کچھ اور تھے، اس کا تعلق ظاہری حسن سے کچھ نہ تھا۔

حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ خودداراور مزاج کی تیز تھیں چنانچہ اسی لئے ان کو پہلے شوہر سے مفارقت کرنی پڑی، اس کے علاوہ وہ رشتہ میں سب بیویوں سے زیادہ آپ سے قریب تھیں، اس بنا پر وہ اپنے کواوروں سے زیادہ عزت کا مستحق سمجھتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ''تمام بیبیوں میں یہی میرا مقابلہ کیا کرتی تھیں'' بعض بیبیوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خاموشی کے بعد ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفیر بنا کر بھیجا، انہوں نے بڑی دلیری سے آ کر تقریر کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چپ چاپ ان کی باتیں سنتی اور کنکھیوں سے آپ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا جب خاموش ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پا کر یہ کھڑی ہوئیں اور ایسی مسکت اور مدلل گفتگو کی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا لاجواب ہو کر رہ گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا: ''کیوں نہ ہو، آخر ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے۔'' [1]

رمضان کے آخری عشرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کرتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی مسجد کے صحن میں خیمہ کھڑا کر کے اتنے دن اعتکاف میں بسر کرتیں۔ ہر روز صبح کو بضرورت آپ وہاں آجایا کرتے، ایک سال جب یہ موقع آیا اور انہوں نے حسب دستور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر خیمہ کھڑا کیا تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھی اجازت چاہی، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے سنا تو انہوں نے بھی اپنا خیمہ برابر میں لگایا، صبح اٹھ کر آپ نے دیکھا کہ مسجد کے صحن میں متعدد خیمے کھڑے ہیں۔ دریافت سے معلوم ہوا، تو فرمایا: کیا انہوں نے یہ خلوص اور نیک نیتی سے کیا ہے؟ یہ کہہ کر تمام خیمے اکھڑوادیئے اور اس سال اعتکاف کا مہینہ بدل دیا۔ [2]

ایک دفعہ شب کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئیں، اس زمانہ میں گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے، اسی اثناء میں آپ تشریف لائے تو سیدھے ایک طرف کو بڑھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں، ان کو اس پر غصہ آ گیا اور کچھ بول گئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی برابر کا جواب دیا، باہر مسجد نبوی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے جو یہ آوازیں سنیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئیں، حضرت

---

[1] صحیح مسلم: فضل عائشہ رضی اللہ عنہا۔ [2] صحیح بخاری: باب الاعتکاف۔

عائشہ رضی اللہ عنہا باپ کی ناراضی دیکھ کر سہم گئیں۔ نماز کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیٹی کے گھر آئے اور گو ابتدائی قصور ان کا نہ تھا، تاہم بہت کچھ سمجھایا اور تنبیہ کی۔ [1]

ان چند واقعات سے یہ قیاس نہ کرنا چاہئے کہ باہم ان کے دل صاف نہ تھے۔ جہاں چند آدمی ایک جگہ رہتے ہیں، ان میں کیسی ہی موافقت اور میل ملاپ ہو، ناممکن ہے کہ کبھی کبھی حقیقت میں یا غلط فہمی سے وقتی اور فوری رنجش نہ پیدا ہو، خاص کر جہاں عورتوں کا مجمع ہو اور وہ بھی سوکنوں کا، وہاں مختلف واقعات پر کبھی کبھی ناگواری کا پیدا ہونا، عورت کی جنسی فطرت ہے۔ فیض صحبت انسان کو اعلیٰ ترین انسان بنا دیتا ہے، لیکن اس کی فطرت کو نہیں بدلتا۔ عورت کی طبعی خواہش یہ ہے کہ اس کی محبت میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو، یہاں یہی چیز مفقود تھی کہ ایک ہی شمع کی سب پروانہ تھیں، تاہم محبت کا ایک ہی چراغ سب کے سینوں میں جل رہا تھا، پھر بھی اتفاقی اور فوری جذبات کو چھوڑ کر تمام سوکنوں میں لطف و مدارات کی بہتر سے بہتر مثال قائم تھی۔

یہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا جب حلقۂ ازواج میں داخل ہوئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو مبارکباد دی۔ [2] اُدھر کا حال سنیئے، مدینہ کے بعض منافقوں نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگایا...... تو بہن کی محبت میں حمنہ بنت جحش (حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن) بھی اس سازش میں مبتلا ہو گئیں، لیکن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا قدم حق اور صواب و درستگی کے راستے سے ذرا بھی نہیں ہٹا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت دریافت فرمایا، تو انہوں نے صاف کہا:

((مَا عَلِمْتُ فِيهَا اِلَّا خَيْرًا.)) ''خوبی کے سوا ان میں اور کچھ میں نے نہیں جانا۔''

اگر وہ چاہتیں تو ایک ہی فقرہ میں اپنے حریف کو شکست دے سکتی تھیں لیکن شرفِ صحبت نے ان کمزوریوں سے ان کو بالاتر بنا دیا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے اس احسان اور خوبی کی یاد ہمیشہ شکر گزاری کے ساتھ رکھتی تھیں۔ [3]

ایک دفعہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو یہودیہ کہہ دیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہو گئے اور دو مہینے تک ان سے کلام نہ کیا، آخر وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں کہ تم بیچ میں پڑ کر میرا قصور معاف کرا دو، اب وہی موقع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی

---

[1] صحیح مسلم باب القسم بین الزوجات۔

[2] صحیح بخاری: تفسیر آیہ لا تدخلوا بیوت النبی۔ [3] صحیح بخاری: قصہ افک۔

حاصل تھا لیکن انہوں نے خاص اس غرض سے اہتمام کے ساتھ بناؤ سنگار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو اس سلیقہ سے گفتگو کی کہ معاملہ رفت وگزشت ہو گیا۔ 1

مرنے کے بعد کسی کی خوبیوں کا اظہار مرنے والے کی اخلاقی زندگی کو حیات جاودانی بخشتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے حریف پر یہ آب حیات بھی برسایا، بیان کرتی ہیں کہ آپ نے اپنی زندگی میں ایک دفعہ اپنی بیویوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم میں سے سب سے پہلے مجھ سے وہ آ کر ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہو گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اس کے لئے ہم لوگ اپنے اپنے ہاتھ ناپا کرتے تھے لیکن سب سے پہلے جب زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے آپ کا مقصود فیاضی اور سخاوت تھی۔ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھیں اور اس طریقہ سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ خیرات کیا کرتی تھیں۔ (عربی میں مجازاً فیاضی کو طولِ ید سے تعبیر کرتے ہیں)

اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں ایک معاملہ کے متعلق ناگوار حد تک گفتگو پہنچ گئی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس واقع کو دہراتی ہیں لیکن حسن نیت اور پاک باطنی دیکھو کہ ساتھ ساتھ ان کی تعریف بھی کرتی جاتی ہیں، کہتی ہیں کہ ''اس کے بعد زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا آئیں، تمام بیویوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قدر و منزلت میں انہی کو میری برابری کا دعویٰ تھا۔ میں نے کوئی عورت زینب رضی اللہ عنہا سے زیادہ دیندار، زیادہ پرہیزگار، زیادہ راست گفتار، زیادہ فیاض، سخی، مخیر اور اللہ تعالیٰ کی تقرب جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی، فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔'' 2

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کوئی موافق یا مخالف واقعہ احادیث میں مذکور نہیں۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں ہے کہ مرض الموت میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا، وہ آئیں تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا ''سوکنوں میں کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے، اگر کچھ ہوا ہو تو خدا ہم دونوں کو معاف کرے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ''خدا سب معاف اور اس سے تم کو بری کرے۔'' حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تم نے مجھے اس وقت مسرور کیا، خدا تم کو بھی خوش رکھے۔ 3

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی نسبت بھی احادیث میں کچھ مذکور نہیں، رجال کی کتابوں میں ہے کہ جب

---

1 مسند احمد: جلد ۶ ص ۹۵۔ 2 صحیح مسلم: باب فضل عائشہ رضی اللہ عنہا ونسائی باب حب النساء۔

3 طبقات ابن سعد: جز نساء ص ۷۱۔

انہوں نے وفات پائی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''وہ ہم میں سب سے زیادہ پرہیزگار تھیں۔'' [1]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا صرف تین برس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہیں اور عام امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے وہ بیگانہ بھی تھیں کیونکہ وہ خیبر کی رہنے والی اور نسلاً یہودیہ تھیں۔ خیبر ہی میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں، خیبر کی واپسی میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محمل میں سوار ہوئیں کہ مدینہ کے پاس آ کر محمل کی رسی ٹوٹ گئی اور محمل گر پڑا، مدینہ میں خبر ہوئی تو لونڈیاں تک دیکھنے آئیں اور اس واقعہ کو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی نحوست سمجھ کر ان کو برا بھلا کہنے لگیں۔ [2]
مدینہ پہنچ کر آپ نے ان کو ایک انصاریہ کے گھر اتارا، مختلف اسباب سے ان کی آمد اہم ہو گئی تھی، اکثر عورتیں ان کو دیکھنے کو گئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی چھپ کر نقاب پوش بھیڑ میں کھڑی ہو گئیں بایں ہمہ وہ چھپ نہ سکیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہچان لیا۔ وہ شرما کر واپس چلیں تو آپ بھی ان کے ساتھ اٹھے، قریب پہنچ کر پوچھا: ''عائشہ! کہو تم نے کیسا پایا؟'' بولیں کہ ''ہاں! یہودیہ ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ نہ کہو وہ مسلمان ہو گئی ہے۔'' [3]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو کھانا پکانے میں خاص سلیقہ تھا، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے ان سے بہتر کھانا پکانے والا کسی کو نہیں دیکھا، ایک دن دونوں نے آپ کے لئے کھانا پکایا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا کھانا جلد تیار ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تھے، انہوں نے وہیں ایک لونڈی کے ہاتھ کھانا بھجوا دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی محبت کی بربادی دیکھ کر جھنجھلا اٹھیں اور ایک ایسا ہاتھ مارا کہ لونڈی کے ہاتھ سے پیالہ چھوٹ کر گر پڑا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، آپ خاموشی کے ساتھ پیالہ کے ٹکڑوں کو چننے لگے، اور خادمہ سے فرمایا کہ ''تمہاری ماں کو غصہ آ گیا۔'' چند لمحوں کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے فعل پر خود ندامت ہوئی، عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس جرم کا کیا کفارہ ہو سکتا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''ایسا ہی پیالہ اور ایسا ہی کھانا چنانچہ نیا پیالہ ان کو واپس کیا گیا۔'' [4]

---

[1] تہذیب التہذیب ابن حجر: جلد ۱۲ ص ۴۵۳۔ [2] صحیح مسلم: فضیلۃ اعتاق الامۃ ثم تزوجہا۔
[3] ابن سعد: ترجمہ صفیہ۔ [4] یہ واقعہ باختلاف الفاظ حدیث کی تمام کتابوں میں مذکور ہے اور اس سے فقہ کا ایک بڑا اصول مستنبط کیا گیا ہے کہ تاوان کس طرح ادا ہونا چاہئے (بخاری کتاب المظالم و باب الغیرۃ) مسلم و ابوداؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں امہات المومنین کے نام مذکور نہیں ہیں لیکن مسند احمد، ابوداؤد، نسائی میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جس میں ناموں کی تصریح ہے (ابوداؤد کتاب البیوع۔ نسائی کتاب عشرۃ النساء باب الغیرۃ۔ مسند جلد ۶) قصہ کی پوری تصویر تمام روایتوں کو یکجا کرنے سے معلوم ہوتی ہے۔ نسائی کی ایک روایت میں اور نیز معجم طبرانی (حدیث علی بن اسحاق ص ۱۱۸) میں دوسری بیوی کا نام ام سلمہ مذکور ہے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ذرا پست قد تھیں، ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بس کیجئے صفیہ رضی اللہ عنہا تو اتنی ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عائشہ! تم نے ایسی بات کہی کہ اگر اس کو سمندر کے پانی میں بھی ملاؤ تو ملا سکتی ہو۔" عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے تو ایک شخص کی صورتحال بیان کی، ارشاد ہوا کہ "اگر مجھ کو اتنا اور اتنا بھی دیا جائے تو بھی میں کسی کی نسبت کوئی بات نہ کہوں۔" اس امر کا ثبوت کہ یہ وقتی امور، ذوامی محبت وقدر شناسی میں عائق نہ تھے۔ یہ ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک ہی ٹولی میں تھیں اور باہم ایک دوسرے کی حامی تھیں:۔ [1]

آپ نے دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی سوکنوں کے ساتھ کس لطف، کس انصاف اور کس عزت کا برتاؤ کرتی ہیں اور کس کھلے دل سے ان کی خوبیوں اور نیکیوں اور تعریفوں کا اظہار کرتی ہیں۔ کبھی کبھی بشری فطرت سے کوئی خلاف فعل سرزد ہو جاتا ہے تو کس قدر جلد نادم ہو جاتی ہیں۔ سوکنوں پر حملہ کرنے میں بھی پہل نہیں کرتیں، ہاں کوئی پہل کرتی ہے تو وہ چپ بھی نہیں رہتیں لیکن اس کے باوجود وہ اس کی تعریف میں کمی نہیں کرتیں۔

مشتبہ اور غلط روایات:

عام طور سے دنیا میں سوکنوں کے درمیان خلوص اور محبت کا رواج بہت کم ہے لیکن حریم نبوت کی حجلہ نشینوں سے جن اخلاقی خوبیوں کی دنیا توقع کر سکتی ہے، بحمد اللہ کہ وہ اس توقع میں ناکامیاب نہیں۔ واقعات میں کہیں کہیں جو بدنمائی ہے وہ درحقیقت یا منافقوں کی بنائی ہوئی یا بعض ناعاقبت اندیش فرقوں کی جاہلانہ کوشش ہے۔ چنانچہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک عورت تھی، سیر اور رجال کی کتابوں میں اس کی نمایاں خصوصیت یہ لکھی ہے کہ "ازواج مطہرات کو باہم لڑایا کرتی تھی"۔ ((کَانَتْ تَحْرِشُ بَیْنَ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم)) اور اس گناہ کا وہ خود اعتراف کرتی تھی۔ لوگوں نے پوچھا: تمہاری بات کو وہ سچ کیونکر جانتی تھیں؟ اس نے کہا سچ نہ جانتیں تو میں کہتی کیونکر۔ [2]

اوپر جو روایتیں گزر چکی ہیں گو وہ صرف صحاح سے ماخوذ ہیں تاہم ان میں جہاں بھی کچھ بدنمائی ہے، اگر ذرا کریدا جائے تو دفعتہً تمام بنیاد ڈھو کھلی ہو جاتی ہے، پیالہ توڑنے کا واقعہ تمام حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ لیکن بخاری و مسلم میں کہیں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام مذکور نہیں۔ ابوداؤد، نسائی، مسند احمد اور بعض کم درجہ کتابوں میں راوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام لیتے ہیں اور لطف یہ کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الهدایا۔ [2] الاصابہ ابن حجر: ذکر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

کی زبانی روایت کرتے ہیں۔ اس طریقہ کی اول راوی جسرۃ بنت دجانہ ہے جس کی گو محدث عجلی اور ابن حبان نے توثیق کی ہے۔

تاہم اس کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے ہے:

((عند جسرة عجائب.)) [تہذیب]

''جسرہ کی روایتوں میں عجیب وغریب باتیں ہیں۔''

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی حدیث کو باطل کہا ہے۔ [تہذیب]

دوسرا راوی فلیت عامری (یا افلت عامری) ہے۔ اگرچہ بعض محدثین نے اس کی بھی توثیق کی ہے۔ لیکن اکثر ائمہ فن کی یہ رائیں ہیں:۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ:۔ لاباس بہ میں اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ (یعنی کسی قدر ضعیف ہے)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ:۔ (بہ روایت خطابی وبغوی) مجہول، مجہول الحال ہے۔

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ:۔ غیر مشہور ہے، ثقاہت کے ساتھ معروف نہیں ہے اور اس کی ایک خاص حدیث باطل ہے۔

شب کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی باہمی سخت گفتگو کی روایت گو صحیح مسلم میں ہے لیکن ذرا ان حالات کو پیش نظر رکھئے۔ اس واقعہ کے راوی اول حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو ۵ ھ سے امہات المومنین کے حجروں میں نہیں جاتے تھے۔ یہ واقعہ ۵ ھ کے بعد کا ہے۔ یہ واقعہ زنان خانہ میں پیش آیا، جہاں وہ موجود نہ تھے۔ اس لئے سلسلہ روایت اخیر راوی تک نہیں پہنچتا۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے اور اندر سے آوازیں آ رہی تھیں جن کو وہ سن رہے تھے، تو اس رات کے وقت میں جب کہ اول تو وہ حجرہ کے اندر موجود نہ تھے، اور دوسرے یہ کہ وہاں چراغ نہ تھا وہ کیونکر دیکھ سکے کہ آپ نے کدھر ہاتھ بڑھایا، اور کیا واقعہ پیش آیا، اور سب سے عجیب یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل کی بات کیونکر جان لی کہ وہ ڈر گئیں کہ اب والد ضرور آ کر مجھ کو تنبیہ کریں گے۔ اس لئے یہ روایت کسی قدر غیر محتاطانہ معلوم ہوتی ہے۔

ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں۔ آپ نے سبب دریافت فرمایا تو بولیں کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم آپ کی نظر میں زیادہ معزز ہیں۔ ہم آپ کی بیویاں بھی ہیں اور چچازاد بہنیں بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی، اور فرمایا تم نے یہ نہیں کہا کہ مجھ سے زیادہ معزز کیونکر ہو سکتی ہو میرے شوہر محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ ہارون علیہ السلام اور میرے

چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اس روایت کو تمام اہل سیر نقل کرتے ہیں لیکن اس کے بعد اس روایت کے متعلق امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی جو رائے ہے، اس کو چھوڑ دیتے ہیں ان کی رائے یہ ہے:۔

((هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ اِلَّامِنْ حَدِيْثِ هَاشِمِ الْكُوْفِيِّ وَ لَيْسَ اِسْنَادُهُ بِذَاكَ.)) [فضائل ازواج النبی]

''یہ حدیث غریب ہے، ہاشم کوفی کے سوا کسی اور طریقہ سے ہم لوگ اس کو نہیں جانتے اور اس کی سند کچھ ایسی نہیں ہے۔''

ہاشم کوفی کی نسبت محدثین کی یہ رائے ہے:۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ:۔ لا اعرفه، میں اس کو نہیں جانتا۔

ابن معین رحمۃ اللہ علیہ:۔ لیس بشیء، یہ کچھ نہیں۔

ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ:۔ ضعیف الحدیث، ضعیف الحدیث ہے۔

ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ:۔ مقدار مایرویه لا یتابع علیه، ان کے دوسرے ساتھی ان کی تصدیق اور تائید نہیں کرتے، اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے، اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام نہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں بیٹھی تھیں۔ رات کا وقت تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو نہیں پہچانا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چپکے چپکے اشارہ کر رہی تھیں، اور آپ نہیں سمجھتے تھے۔ آخر آپ بھی سمجھ گئے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا برہم ہوئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہت کچھ برا بھلا کہا اور اٹھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں کہ ''عائشہ رضی اللہ عنہا تم کو یہ کہتی ہے، یہ کہتی ہے......'' اس حدیث کا دوسرا راوی علی بن زید تیمی ہے اس کے متعلق ائمہ فن کے اقوال سنو:۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ: فِيْهِ ضُعْفٌ وَلَا يُحْتَجُّ بِهٖ. اس میں ضعف ہے، اس سے احتجاج نہیں کیا جاتا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ: لَيْسَ بِالْقَوِيِّ، لَيْسَ بِشَيْءٍ. ضَعِيْفُ الْحَدِيْثِ، قوی نہیں، کچھ نہیں، ضعیف ہے۔

یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ: ضَعِيْفٌ، ضَعِيْفٌ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ. ضعیف ہے، ہر چیز میں ضعیف ہے۔

جوزانی رحمۃ اللہ علیہ: وَاهِيُ الْحَدِيْثِ، واہی ہے۔

حاکم رحمۃ اللہ علیہ: لَيْسَ بِالْمَتِيْنِ عِنْدَهُمْ، محدثین کے نزدیک قوی نہیں۔

ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ: لَيْسَ بِالْقَوِيِّ، قوی نہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ: لَا یُحْتَجُّ بِهٖ، اس سے حجت لانا جائز نہیں۔

اس قسم کی تصریحات اور ائمہ کی بھی ہیں۔ان کے ایک شاگرد کہتے ہیں۔"وہ جو حدیثیں آج سناتے تھے وہ کل اور ہو جاتی تھیں۔" [1]

سیر کی عام کتب میں اور اس قسم کے چند واقعات ملیں گے جن کا زیادہ تر ذخیرہ واقدی اور کلبی کے مزخرفات سے فراہم کیا گیا ہے، مثال کے لئے ہم صرف ایک واقعہ پر اکتفاء کرتے ہیں:

احادیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبیلہ کی رئیسہ سے نکاح کیا، جب وہ مدینہ آئی اور آپ حجلہ عروسی میں گئے، تو فرمایا:"تم اپنے آپ کو میرے حوالہ کرو۔" اس نے کہا:"کیا ایک شہزادی اپنے آپ کو ایک رعایا کے حوالہ کرسکتی ہے۔" آپ نے اس کی تسکین کے لئے اس کے سر پر ہاتھ رکھنا چاہا تو اس نے کہا میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں، آپ نے فرمایا:"تم نے بڑے کی پناہ مانگی"۔ یہ کہہ کر واپس چلے آئے اور اس کو رخصت کر دیا۔ [2]

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ ابن سعد، ہشام بن محمد سے روای ہیں کہ اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے سکھایا تھا کہ تم اس طرح کہنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہنے سے خوش ہوتے ہیں۔ ہشام بن محمد کون بزرگ ہیں۔ دنیا ان کو کلبی کے نام سے جانتی ہے ان کی مخصوص صفات یہ ہیں، متروک، غیر ثقہ، رافضی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا کَانَ صَاحِبُ سَمَرٍ وَ نَسَبٍ مَّا، مَاظَنَنْتُ اَنَّ اَحَدًا یُحَدِّثُ عَنْهُ. [میزان]

"یہ ایک نسب دان اور داستان گو تھا، میں نہیں جانتا کہ کوئی اس سے حدیث روایت کرنا گوارا کرے گا۔"

صحیح بخاری میں بہ تصریح مذکور ہے، کہ یہ خاتون آپ کو پہچانتی نہ تھی۔ اس لئے یہ گستاخی کی اور جب بعد میں اس کو معلوم ہوا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، تو اس نے سر پیٹ لیا۔ [3] خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس بدنصیب کا قصہ بیان کرتی ہیں لیکن یہ نہیں کہتیں [4] کہ یہ میری تعلیم تھی

---

[1] یہ تمام اقوال تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال سے ماخوذ ہیں۔
[2] صحیح بخاری: کتاب الطلاق۔ [3] صحیح بخاری: آخر کتاب الاشربہ۔
[4] صحیح بخاری: کتاب الطلاق۔

حالانکہ ان کی آزاد بیانی اور اگر اپنا جرم ہو، تو روایت میں اس کا اعتراف مشہور ہے۔ [1]

سوتیلی اولاد کے ساتھ برتاؤ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی چار سوتیلی بیٹیاں تھیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا اور سب اپنی اپنی سسرال جا چکی تھیں۔ اس کے علاوہ ان میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا ۲ھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے ایک سال کے بعد انتقال ہو گیا، البتہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے بہ ترتیب ۸ھ و ۹ھ میں وفات پائی اور سات آٹھ برس ان کے سامنے زندہ رہیں، تاہم کوئی باہمی آزردگی کا واقعہ مذکور نہیں۔

آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا جو راہ الٰہی میں شہید ہوئیں۔ ان کی نسبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ میری سب سے اچھی لڑکی تھی، جو میری محبت میں ستائی گئی۔" [2] حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بطن سے ایک لڑکی امامہ نام کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت پیار کرتے تھے ان کو گود میں لے کر مسجد جاتے تھے اور نماز پڑھاتے تھے۔ تو ان کو کندھے پر بٹھا لیتے تھے۔ [3] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ کو اُس سے بہت محبت تھی۔ کہیں سے ایک ہار آیا تھا، عورتوں نے کہا یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی قسمت کا ہے، لیکن آپ نے وہ امامہ کو عطا فرمایا۔ [4]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گو کنواری تھیں لیکن ان سے سن میں پانچ چھ برس بڑی تھیں۔ غالباً ایک سال یا اس سے بھی کچھ کم دونوں ماں بیٹی ایک ساتھ رہی ہوں گی۔ ۲ھ کے بیچ میں وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بیاہ دی گئیں، شادی کے لئے جن ماؤں نے سامان درست کیا تھا، ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انہوں نے خاص طور پر اس کا اہتمام کیا۔ مکان لیپا، بستر لگایا، اپنے ہاتھ سے کھجور کی چھال دُھن کر تکیے بنائے، چھوہارے اور منقٰی دعوت میں پیش کئے، لکڑی کی ایک الگنی تیار کی کہ اس پر پانی کی مشک اور

---

1. دیکھو ان کے اخلاق و عادات کا بیان نیز روایت حدیث کا باب۔
2. زرقانی بحوالہ طحاوی و حاکم ترجمہ زینب رضی اللہ عنہا۔
3. صحیح بخاری: کتاب الصلوٰۃ۔
4. مسند احمد: جلد ۶ ص ۱۰۱۔

کپڑے لٹکائے جائیں، خود بیان کرتی ہیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیاہ سے کوئی اچھا بیاہ میں نے نہیں دیکھا (1) شادی کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جس گھر میں گئیں، اس میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں صرف ایک دیوار کا فصل تھا، بیچ میں ایک دریچہ تھا جس سے کبھی کبھی باہم گفتگو ہوتی تھی۔ (2)

حدیث کی کتابوں میں کوئی صحیح واقعہ ایسا مذکور نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ ماں بیٹی کے دل باہم صاف نہ تھے۔ حدیثیں تمام تر اسی کی موید ہیں کہ دونوں میں یک جہتی، محبت اور میل ملاپ تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سسرال میں اپنے ہاتھ سے کام کرتے کرتے تھک گئی تھیں۔ ایک لونڈی کی درخواست کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں اور اتفاق سے باریابی نہ ہوئی تو ماں ہی کو وکیل بنا کر واپس چلی گئیں۔ (3) بیٹی کا برتاؤ یہ تھا کہ جب دوسری ماؤں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقابل میں سفیر بنا کر ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور انہوں نے ان کی طرف سے درخواست پیش کی اور آپ ﷺ نے فرمایا: ”بیٹی جس کو میں چاہوں، اس کو تم نہیں چاہو گی۔“ تو فوراً شرما کر واپس چلی آئیں اور پھر ماؤں کے دوبارہ اصرار سے بھی درخواست کے لئے نہیں گئیں۔ (4)

بیٹی کی تعریف میں کہتی ہیں: ”میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ان کے باپ کے سوا کوئی اور بہتر انسان کبھی نہیں دیکھا۔ (5) ایک تابعی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ”آنحضرت ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا“؟ بولیں: ”فاطمہ رضی اللہ عنہا!“ کہتی ہیں کہ میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ نشست و برخاست کے طور طریقہ پر آنحضرت ﷺ سے ملتا جلتا کسی اور کو نہیں دیکھا، جب آپ کی خدمت میں وہ آتیں آپ سروقد کھڑے ہو جاتے، پیشانی چوم لیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے، اسی طرح جب آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے۔ تو وہ بھی کھڑی ہو جاتیں، باپ کو بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ (6) وہ خاص حدیث جس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اہل بیت اور آل عبا میں ہونے کا ذکر ہے، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے ذریعہ سے مروی ہے۔ (7)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دن ہم سب بیویاں آپ کے پاس بیٹھی تھیں کہ

---

(1) یہ پوری تفصیل ابن ماجہ، باب الولیمہ میں ہے۔ (2) خلاصۃ الوفا: فصل رابع۔
(3) صحیح بخاری: کتاب الجہاد و باب عمل المرأۃ فی بیت زوجہا و مسند ابوداؤد طیالسی مسند علی۔
(4) صحیح بخاری۔ (5) زرقانی بحوالہ معجم اوسط طبرانی علی شرط الشیخین۔
(6) جامع ترمذی: باب المناقب میں دونوں حدیثیں ہیں۔ (7) صحیح مسلم: کتاب الفضائل۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا سامنے سے آئیں، بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چال تھی، ذرا بھی فرق نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے تپاک سے بلا کر پاس بٹھالیا، پھر چپکے چپکے ان کے کان میں کچھ کہا، وہ رونے لگیں۔ ان کی بے قراری دیکھ کر آپ نے پھر ان کے کان میں کچھ کہا، وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا ''فاطمہ! تمام بیویوں کو چھوڑ کر صرف تم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے راز کی باتیں کہتے ہیں اور تم روتی ہو۔'' آپ جب اٹھ گئے تو میں نے واقعہ دریافت کیا۔ بولیں: ''میں باپ کا راز نہیں فاش کروں گی۔'' جب آپ کا انتقال ہوگیا تو میں نے دوبارہ کہا: ''فاطمہ رضی اللہ عنہا! میرا جو تم پر حق ہے، اس کا واسطہ دیتی ہوں اس دن کی بات مجھ سے کہہ دو۔'' انہوں نے کہا کہ ہاں اب ممکن ہے میرے رونے کا سبب یہ تھا کہ آپ نے اپنی جلد وفات کی اطلاع دی تھی۔ ہنسنے کا باعث یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''فاطمہ رضی اللہ عنہا! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ تم تمام دنیا کی عورتوں کی سردار بنو۔'' [1]

اس حدیث سے دونوں ماں بیٹی کے تعلقات کتنے خوشگوار نظر آتے ہیں، یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اخیر عمر کا واقعہ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ میراث اور فدک کے جھگڑوں نے ان پاک روحوں کو کوئی صدمہ نہیں پہنچایا تھا اور نہ کوئی اور خانگی آزردگی کا واقعہ ان کے شیشۂ خاطر کو مکدر کر سکا تھا۔

غلط اور مشتبہ روایات:

مسند احمد میں انہی بزرگ سے جنہوں نے بیان کیا تھا کہ ایک دفعہ شب کے وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئیں اور باہمی سخت کلامی کی نوبت آئی، مروی ہے کہ اس کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اٹھ کر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئیں اور ان سے جا کر کہا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا تم کو برا بھلا کہتی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے وہ آپ کی خدمت میں دوڑی آئیں اور شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خدا کی قسم وہ تمہارے باپ کو پیاری ہے۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا! ''عائشہ رضی اللہ عنہا نے پہلے جو کچھ کہا وہ کافی نہ تھا، جو (جلانے کو) یہ بھی کہہ دیا کہ خدا کی قسم وہ تمہارے باپ کو پیاری ہے۔'' [2]

یہ حدیث بظاہر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی منقبت میں ہے لیکن اس تصویر کو غور سے دیکھو تو نظر آئے گا کہ نامعقول راوی نے ازواج مطہرات کے اخلاق کا کتنا بدنما نقشہ کھینچا ہے۔ اس ہجو ملیح کا

---

[1] صحیح مسلم و صحیح بخاری: باب من ناجی بین یدی الناس۔ [2] مسند احمد: جلد ۶، ص ۱۳۰۔

سر چشمہ علی بن زید تیمی ہے، جو ضعیف، واہی، نا قابل حجت ہونے کے ساتھ رافضی بھی تھا۔ [1]

یحییٰ نے اپنی مسند میں عیسیٰ بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک دریچہ کھلتا تھا، آپ اس دریچہ سے ان کی خیریت پوچھ لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ شب کو آپ گھر میں رونق افروز نہ تھے، اسی دریچہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں کچھ گفتگو ہوگئی، آخر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی درخواست پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دریچہ بند کرادیا۔ [2]

ابن عبدالحمید اور عیسیٰ بن عبداللہ دونوں صاحب جو اس واقعہ کے راوی ہیں۔ علاوہ اس کے کہ پایہ اعتبار سے ساقط ہیں، شیعہ بھی ہیں، گو اہل فن کے نزدیک شیعہ ہونا ضعف کا سبب نہیں، تاہم یہ ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں ان کی شہادت کبھی قبول نہیں ہوسکتی۔

واقعۂ افک

مدینہ میں آ کر مسلمانوں کو جن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا وہ مکہ سے بالکل مختلف تھیں۔ مدینہ میں منافقوں کا ایک گروہ پیدا ہوگیا تھا، جو ہمیشہ اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتا تھا۔ انسان کے لئے سب سے بڑی چیز آبرو ہے اور اس پر حملہ بڑے کمینہ دشمن کا کام ہے۔ لیکن یہاں اسلام کو جیسے مخلص، وفاشعار اور محبت والے دوست ملے تھے، اسی قسم کے نفاق پرور، عداوت پیشہ اور غدار دشمن بھی ہاتھ آئے تھے، اس قسم کے غلط اور خلاف آبرو واقعات کی تشہیر اور باہمی خانہ جنگی کے اسباب کی فراہمی ان کا سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ اگر خدانخواستہ توفیق الٰہی شامل حال نہ ہوتی تو ان کی خانہ برانداز کوششیں پہلے ہی کتنی بار صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان تفریق بلکہ خونریزی میں کامیاب ہوچکی ہوتیں۔

ان کوششوں کی سب سے ذلیل مثال ''افک''، یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کا واقعہ ہے۔ معلوم ہے کہ اس منافق گروہ کے سب سے بڑے دشمن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، اس بناء پر حرم نبوت اور بارگاہ خلافت کی شہزادیوں یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بدنام کرنے میں ان کی ناکام کوششوں کا بڑا حصہ صرف ہوا، جن کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں اور کچھ آگے آئیں گی۔

---

[1] تہذیب التہذیب ومیزان الاعتدال فی نقد الرجال۔ [2] خلاصۃ الوفاء فصل ۴ ص ۱۲۷، مصر بحوالہ یحییٰ۔

نجد کے قریب مریسیع نامی بنی مصطلق کا ایک چشمہ تھا، شعبان ۵ ھ میں مسلمان اسی چشمہ کے پاس ان سے معرکہ آراء ہوئے تھے، چونکہ یہ معلوم تھا کہ یہاں کوئی خونریز جنگ نہیں ہوگی اس لئے منافقوں کی ایک بہت بڑی تعداد فوج میں شریک ہوگئی تھی، ابن سعد کی روایت ہے:

((وَ خَرَجَ مَعَهُ بَشَرٌ كَثِيرٌ مِنَ الْمُنَافِقِينَ لَمْ يَخْرُجُوا فِي غَزَاةٍ قَطُّ مِثْلُهَا.)) [1]

''اس سفر میں منافقین کی بہت بڑی تعداد شریک تھی جو کسی اور غزوہ میں نہیں ہوئی۔''

اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کسی سفر میں جاتے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے جن کے نام پر قرعہ پڑتا، وہ معیت کے شرف سے ممتاز ہوتیں۔ اسی طریقہ سے اس سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہم رکابی میں تھیں، چلتے وقت اپنی بہن اسماء رضی اللہ عنہا کا ایک ہار عاریۃً پہننے کو مانگ لیا تھا وہ ان کے گلے میں تھا، ہار کی لڑیاں اتنی کمزور تھیں کہ ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھیں، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چودہ برس کی تھی، یہ عورت کا وہ زمانہ ہے جس میں ان کے نزدیک معمولی ساز یور بھی وہ گراں قیمت سامان ہے جس کے شوق میں ہر زحمت گوارا کرلی جاسکتی ہے۔

سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے محمل پر سوار ہوتیں، ساربان محمل اٹھا کا اونٹ پر رکھ دیتے تھے اور چل کھڑے ہوتے تھے، اس وقت کم سنی اور اچھی غذا نہ ملنے کے باعث اس قدر دبلی پتلی اور ہلکی پھلکی تھیں کہ محمل اٹھانے میں ساربانوں کو مطلق محسوس نہیں ہوتا تھا کہ اس میں کوئی سوار بھی ہے یا نہیں۔

سفر سے واپسی میں کئی بار منافقین نے شرارتیں کیں، ایک دفعہ قریب تھا کہ مہاجرین اور انصار تلواریں کھینچ کھینچ کر باہم کٹ مریں، آخر مشکل سے معاملہ رفع دفع کیا گیا۔ ان شریروں نے انصار کو سمجھایا کہ وہ اسلام کی مالی خدمت چھوڑ دیں، عبداللہ بن ابی نے جوان کا رئیس تھا برملا کہا:

﴿لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾ [۶۳/ منافقون: ۸]

''اگر ہم لوگ مدینہ واپس پہنچے تو معززین ان ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔''

آنحضرت ﷺ نے انصار کو جمع کر کے اس واقعہ کی اطلاع دی، تو گو وہ اس جرم میں شریک

---

[1] ابن سعد: جز مغازی، ص ۴۵ لیڈن۔

نہ تھے، تاہم ان کو ندامت ہوئی، اور عبداللہ بن ابی کی طرف سے ایک عام نفرت پیدا ہوگئی۔ خود اس کے بیٹے نے جب یہ سنا تو باپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا: "جب تک تم یہ اقرار نہ کرلو کہ ذلیل تم ہو اور معزز محمد ﷺ ہیں میں تم کو نہیں چھوڑوں گا۔" [1]

ایک جگہ رات کو قافلہ نے پڑاؤ کیا، پچھلے پہر وہ پھر روانگی کو تیار تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لئے قافلہ سے ذرا دور نکل کر باہر آڑ میں چلی گئیں۔ فارغ ہو کر جب لوٹیں تو اتفاق سے گلے پر ہاتھ پڑ گیا، دیکھا تو ہار نہ تھا، ایک تو کم سنی اور پھر مانگے کی چیز، گھبرا کر وہیں ڈھونڈنے لگیں، سفر کی ناتجربہ کاری کی بنا پر ان کو یقین تھا کہ قافلہ کی روانگی سے پہلے ہی ہار ڈھونڈ کر واپس آجاؤں گی، اس بنا پر نہ کسی کو واقعہ کی اطلاع دی اور نہ آدمیوں کو اپنے انتظار کا حکم دے کر گئیں، ساربان حسب دستور محمل کو اونٹ پر رکھ کر قافلہ کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ تھوڑی دیر کی تلاش میں ہار مل گیا۔ ادھر قافلہ چل چکا تھا، پڑاؤ پر آئیں تو یہاں سناٹا تھا۔

مجبوراً چادر اوڑھ کر وہیں پڑ رہیں کہ جب لوگ محمل میں نہ پائیں گے تو خود لینے آئیں گے۔ صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے، جو ساقہ (ریرگارڈ) یعنی چھوٹے چھوٹے سپاہیوں اور فوج کی گری پڑی چیزوں کے انتظام کے لئے لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے تھے، صبح کو جب وہ پڑاؤ پر آئے تو دور سے سواد نظر آیا، حکم حجاب سے پہلے، جو اسی سال نازل ہو چکا تھا، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تھا۔ دیکھتے ہی پہچان لیا، پاس آکر "اِنَّا لِلّٰہِ" پڑھا، آواز سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سوتے سے چونک پڑیں، صفوان نے اپنا اونٹ بٹھایا اور ان کو سوار کر کے اگلی منزل کا راستہ لیا۔ قافلہ نے دوپہر کے وقت پڑاؤ کیا ہی تھا کہ محمل سامنے نظر آیا۔ صفوان کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا محمل میں سوار تھیں۔ یہ نہایت معمولی واقعہ تھا اور اکثر سفر میں پیش آتا ہے، آج ریل کے زمانہ میں بھی اس قسم کے واقعات کثرت سے پیش آتے ہیں۔

ہندوؤں میں سیتا پر اور بنو اسرائیل میں مریم علیہا السلام پر جو کچھ گزری، اسلام میں اسی کا اعادہ ہوا،

---

[1] ابن سعد: جز مغازی ص ۴۵، صحیح بخاری و فتح الباری تفسیر سورۃ منافقین، نسائی میں ہے کہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے لیکن بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے کہ اس وقت مہاجرین انصار سے کم تھے، اس سے اس کی تردید ہوتی ہے، ابن ابی حاتم اور تمام ارباب مغازی متفق ہیں کہ غزوہ مریسیع میں یہ واقعات پیش آئے، فتح الباری جلد ۸ ص ۴۰۴، ۵۹۶۔

عبداللہ بن ابی نے کہ جس کا زخم ابھی تازہ تھا، یہ مشہور کیا کہ نعوذ باللہ! اب وہ پاکدامن نہیں رہیں۔ جا بجا اس چیز کو پھیلانا شروع کیا، نیک دل مسلمانوں نے اس افواہ کو سنتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھا کہ ((سُبْحَانَ اللہِ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ)) حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے کہا: ''ام ایوب رضی اللہ عنہا اگر تم سے یہ کوئی کہتا کیا تم مان لیتیں۔'' بولیں: ''استغفر اللہ! کسی شریف کا بھی یہ کردار ہے۔'' حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے کہا: تو عائشہ رضی اللہ عنہا تم سے کہیں زیادہ شریف ہیں، کیا ان سے ایسا ہوسکتا ہے!؟ عبداللہ بن ابی کے علاوہ مدینہ میں تین اور آدمی بھی اس سازش میں مبتلا ہو گئے۔ حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت، حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا اور مسطح بن اثاثہ حالانکہ ان میں سے دو اول الذکر اس سفر میں شریک تک نہ تھے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہا کو معاذ اللہ! واقعہ کی صحت سے بحث نہ تھی، ان کو صفوان رضی اللہ عنہ کی بدنامی پر مسرت تھی۔ ان کو ملال تھا کہ بیرونی لوگ ہمارے گھر آ کر ہم سے زیادہ معزز کیوں بن گئے، چنانچہ ایک قصیدہ میں انہوں نے اس کا ماتم کیا ہے: [1]

امسیٰ الجلابیبُ قدعزوا وقد کثروا　　　ابن الفریعة امسیٰ بیضة البلد

اس قدر معزز ہو گئے اور اتنے بڑھ گئے اور فریعہ کا بیٹا (حسان) اتنا ذلیل ہو گیا

حمنہ رضی اللہ عنہا ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں، وہ سمجھیں کہ اس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زک دے کر اپنی بہن کو بڑھنے کا موقع دلائیں گی۔ [2] مسطح سے البتہ تعجب ہے کہ اول تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایک عزیز تھے، پھر ان ہی کا دست فیض ان کی قوت کا سامان تھا۔ دنیا میں عزت سے زیادہ کوئی چیز نازک نہیں۔ یہ وہ شیشہ ہے جو پتھر پھینکنے سے نہیں بلکہ پتھر پھینکنے کے ارادے سے بھی چور چور ہو جاتا ہے، غلط سے غلط بات بھی جب کسی آبرو دان اور نیک آدمی کی نسبت کوئی شریر کہہ بیٹھتا ہے تو وہ یا تو شرم سے پانی پانی یا غصہ سے آگ بگولا ہو جاتا ہے۔ اب تک ناصرۂ اسلام کی مریم ان واقعات سے بے خبر تھی، اتفاقاً ایک شب مسطح کی ماں کے ساتھ قضائے حاجت کو آبادی سے باہر جا رہی تھیں کہ مسطح کی ماں کو کسی چیز سے ٹھوکر لگی، انہوں نے اپنے بیٹے کو بددعا دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ٹوکا: کہ ہائیں! تم ایک صحابی کو گالی دیتی ہو۔ مسطح کی ماں نے واقعہ بیان کیا، سننے کے ساتھ ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ کہتی ہیں کہ بدحواسی میں اپنی ضرورت بھول گئی اور یوں ہی لوٹ آئی تاہم ان کو اتنی بڑی بات کا یقین نہیں آیا، سیدھی میکہ

---

[1] ابن ہشام: ذکر افک ودیوان حسان۔ [2] صحیح بخاری ومسلم: حدیث افک۔

آئیں۔ ماں سے پوچھا تو انہوں نے تسکین دی، اتنے میں ایک انصاریہ آ گئی اس نے پوری داستان دہرائی۔ اب شک کا کیا موقع تھا، سنتے ہی غش کھا کر گر پڑیں۔ والدین نے سنبھالا اور سمجھا بجھا کر گھر رخصت کیا۔ یہاں پہنچ کر شدت کا بخار اور لرزہ آیا، اس حالت میں انسان کو طرح طرح کا خیال آتا ہے اور ذرا ذرا سی بات سے بدگمان ہوتا ہے۔ آپ ﷺ باہر سے تشریف لاتے اور کھڑے کھڑے پوچھ لیتے کہ اب ان کا کیا حال ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خیال ہوا کہ بیماری میں اگلا سا التفات میرے حال پر نہیں، اس بنا پر اجازت لے کر وہ پھر میکہ چلی آئیں۔ دن رات آنکھوں سے آنسو جاری رہتے کہتی ہیں کہ نہ آنسو تھمتا تھا اور نہ آنکھوں میں نیند کا سرمہ لگتا تھا، باپ لطف و محبت سے سمجھاتے تھے کہ روتے روتے تمہارا کلیجہ نہ پھٹ جائے، ماں دلاسا دیتی تھی کہ بیٹی! جو بیوی اپنے شوہر کو چہیتی ہوتی ہے اس کو اس قسم کے صدمے اٹھانے ہی پڑتے ہیں۔ ایک بار غیرت سے ارادہ کیا کہ کنویں میں گر کر جان دے دیں۔

صفوان رضی اللہ عنہ کو جب حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی اس ہجو گوئی کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے قسم کھائی کہ اللہ کی قسم! اب تک میں نے کسی عورت کو چھوا بھی نہیں ہے اور غصہ سے تلوار ہاتھ میں لے کر حضرت حسان کی تلاش میں نکلے اور یہ شعر پڑھ کر تلوار کا وار کیا:۔

تلقَّ ذباب السیف مِنّی فاننی غلامٌ اذاھو ھجیت لست بشاعرٍ

لو مجھ سے تلوار کی یہ دھار، میں نوجوان ہوں جب میری ہجو ہو، میں شاعر نہیں

وہ پکڑ کر بارگاہِ نبوی میں حاضر کئے گئے، آنحضرت ﷺ نے ان کی تقصیر معاف کرائی اور اس کے معاوضہ میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو جائیداد عنایت فرمائی۔

گو ام المومنین رضی اللہ عنہا کی بے گناہی مسلم تھی، تاہم شریروں کے منہ بند کرنے کے لئے تحقیق ضروری تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب کیا، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے تسکین دی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برات کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''دنیا میں عورتوں کی کمی نہیں (یعنی اگر لوگوں کے کہنے کی پرواہ ہو تو طلاق دے دیجئے) اور خادمہ سے پوچھ لیجئے وہ سچ سچ بتا دے گی'' اس سے کنایۃً پوچھا گیا تو واقعہ اتنا مستبعد تھا کہ سمجھ بھی نہ سکی، وہ عام خانہ داری کے متعلق ان کی حالت کا استفسار سمجھی، بولی کہ ''اور تو کوئی برائی نہیں، ہاں بچپن ہے، سوتی ہیں تو بکری آٹا کھا جاتی ہے'' آخر صاف لفظوں میں اس سے سوال کیا گیا، اس نے کہا ''سبحان اللہ اللہ کی قسم! جس

طرح سنار کھرے سونے کو جانتا ہے اسی طرح میں ان کو جانتی ہوں۔'' بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو مارا بھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس تشدد سے لوگوں نے سمجھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے آزردگی ہوئی ہوگی۔ بنوامیہ نے اپنی حکومت کے زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جو الزامات قائم کئے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا لیکن امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے عین وقت پر نہایت بہادری سے اس کی تردید کی۔ سوکنوں میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ تھا اور ان کی بہن حمنہ اس سازش میں شریک بھی تھی۔ اس لحاظ سے آپ نے ان کی رائے بھی دریافت کی، انہوں نے کان پر ہاتھ رکھا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں بھلائی کے سوا اور کچھ میں نہیں جانتی۔ اس کے بعد آپ نے مسجد میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے ایک مختصر تقریر میں حرم نبوت کی پاکی وطہارت اور عبداللہ بن ابی کی خباثت کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا:

''مسلمانو! اس شریر کو میری طرف سے کون سزا دے گا، جس کی نسبت مجھے معلوم ہوا ہے کہ اہل بیت پر عیب لگاتا ہے۔ قبیلہ اوس کے رئیس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا: میں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر وہ ہمارے قبیلہ کا آدمی ہے تو ابھی اس کا سر اڑا دیں گے اور اگر ہمارے بھائی خزرج میں سے ہے تو آپ حکم دیجئے ہم تعمیل ارشاد کو تیار ہیں۔''

اوس وخزرج کی باہمی عداوت اور معرکہ آرائی پشت ہاپشت سے چلی آتی تھی، اسلام نے آکر اس فتنہ کو دبا دیا تھا لیکن وہ آگ ابھی تک راکھ کے نیچے دبی تھی، ہلکے سے جھونکے سے بھی وہ بھڑک اٹھتی تھی۔ خزرج کے رئیس سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو یہ برا معلوم ہوا کہ وہ اپنے قبیلہ کی نسبت جو چاہتے کہہ سکتے ہیں لیکن ان کو دوسرے کے قبیلہ کے معاملہ میں دخل دینے کا حق کیا تھا؟ وہ اپنے قبیلہ کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود عرض کرتے اور اتفاق یہ کہ شریر اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور ابھی حسان کا واقعہ گزر چکا تھا، اس لئے انہوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے کہا ''تم تو قتل نہیں کر سکتے تم میں یہ قدرت نہیں۔'' ابن معاذ کے چچازاد بھائی اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے برابر سے ٹوکا کہ ''سعد یہ کیا منافقانہ پن ہے؟ منافقوں کی طرف داری کرتے ہو۔'' معاملہ نے طول پکڑا اور قریب تھا کہ دونوں قبیلے تلواریں سونت کر جا منے آجائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو چپ کیا اور بات آئی گئی ہوگئی۔

یہاں سے اٹھ کر آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ بستر علالت پر پڑی تھیں۔ آنکھیں آنسوؤں سے پرنم تھیں، والدین داہنے بائیں تیمارداری میں مصروف تھے۔ آپ قریب جا کر بیٹھ گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خطاب کر کے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا اگر تم مجرم ہو تو توبہ کرو، خدا قبول کرے گا، ورنہ خدا خود تمہاری طہارت اور پاکی کی گواہی دے گا۔ والدین کو اشارہ کیا کہ آپ کو جواب دیں لیکن ان سے کچھ کہتے نہ بنا، یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے آنسو دفعتہً خشک ہو گئے، ایک قطرہ بھی آنکھوں میں نہ تھا، دل نے اپنی برأت کے یقین کی بنا پر اطمینان محسوس کیا۔ پھر خود جواب میں اس طرح گویا ہوئیں: ''اگر میں اقرار کرلوں، حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ میں بالکل بے گناہ ہوں، تو اس الزام کے صحیح ہونے میں کس کو شک رہ جائے گا۔ اگر انکار کروں تو لوگ کب باور کریں گے؟ میرا حال اس وقت یوسفؑ کے باپ (کہتی ہیں کہ سوچنے پر بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام یاد نہ آیا) کا سا ہے۔ جنہوں نے کہا تھا: **فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ**.''

منافقوں نے اس فتنہ انگیزی سے جو مقاصد پیش نظر رکھے تھے، یعنی۔

① (نعوذ باللہ) پیغمبر اور صدیق کے نام کی اہانت اور بدنامی۔

② خاندانِ نبوی میں تفریق۔

③ اسلام کے برادرانہ اتحاد اور اجتماعی قوت میں رخنہ ڈالنا۔

وہ سب ایک ایک کر کے حاصل ہو چکے تھے۔

اب وہ وقت تھا کہ عالم غیب کی زبان گویا ہو، بالآخر وہ گویا ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ''آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی، پھر مسکراتے ہوئے سر اٹھایا، پیشانی پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلک رہے تھے اور یہ آیتیں تلاوت فرمائیں:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ط لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ط لِكُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّ قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ○ لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَآ

اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ○ وَ لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ○ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ وَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ لا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○﴾ [۲۴/النور:۱۱،۱۹]

’’جن لوگوں نے یہ افترا باندھا ہے وہ تم ہی میں سے کچھ لوگ ہیں، تم اس کو برا نہ سمجھو، بلکہ اس میں تمہاری بہتری تھی (کہ مومنین اور منافقین کی تمیز ہوگئی) ہر شخص کو حصہ کے مطابق گناہ اور جس کا اس میں بڑا حصہ تھا اس کو بڑا عذاب ہوگا، جب تم نے یہ سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے بھائی بہنوں کی نسبت نیک گمان کیوں نہیں کیا اور یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ صریح تہمت ہے اور کیوں نہیں ان افترا پردازوں نے چار گواہ پیش کئے اور جب گواہ پیش نہیں کئے تو خدا کے نزدیک جھوٹے ٹھہرے۔ اگر خدا کی عنایت و مہربانی دین و دنیا میں تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو جو افواہ تم نے اڑائی تھی اس پر تم کو سخت عذاب پہنچتا۔ جب تم اپنی زبان سے اس کو پھیلا رہے تھے اور منہ سے وہ بات نکال رہے تھے جس کا تم کو علم نہ تھا اور تم اس کو ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ خدا کے نزدیک وہ بڑی بات تھی۔ تم نے سننے کے ساتھ یہ کیوں نہیں کہا کہ ہم کو ایسی ناروا بات منہ سے نہیں نکالنی چاہیے، خدا پاک ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ خدا نصیحت کرتا ہے، کہ اگر تم مومن ہو تو ایسی بات نہ کرو خدا اپنے احکام بیان کرتا ہے اور وہ دانا اور حکمت والا ہے۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں برائی پھیلے اُن کیلئے دنیا اور آخرت دونوں میں بڑی دردناک سزا ہے۔ خدا سب جانتا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے۔‘‘

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○﴾ [۲۴/النور:۲۳_۲۴]

''جولوگ مسلمان بھولی بھالی پاک دامن بیبیوں پر تہمت رکھتے ہیں، وہ دنیا اور عقبیٰ دونوں میں ملعون ہوں گے اور ان کو بڑا عذاب ہوگا، اس دن جب خود ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں پر گواہی دیں گے۔''

ماں نے کہا: لو بیٹی! اٹھو اور شوہر کے قدم لو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نسوانی غرور و ناز کے ساتھ جواب دیا: ''میں صرف اپنے خدا کی شکر گزار رہوں، کسی اور کی ممنون نہیں۔''

اس کے بعد قانون ازالہ حیثیت کے مطابق تین مجرموں کو اَسی اَسی کوڑے کی سزا دی گئی۔ [1]

جب حسان رضی اللہ عنہ نے اپنے جرم کے کفارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی منقبت میں چند شعر کہے، جو ابن اسحاق کی روایت سے اس کی سیرت میں منقول ہیں۔ بخاری میں اس قدر ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اپنے چند شعر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنائے جن میں سے ایک یہ تھا:

حَصَانٌ رَزَانٌ مَا تُزَنُّ بِرِيبَةٍ وَ تُصْبِحُ غَرْثَى مِنْ لُحُومِ الْغَوَافِلِ [2]

پاکدامن ہے، باوقار ہے، مشتبہ نہیں ہے بھولی بھالی عورتوں کے بدن کا گوشت نہیں کھاتی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ شعر سن کر کہا: ''یہ سچ ہے مگر تم ایسے نہیں ہو۔'' یہ اشارہ ان کے واقعہ تہمت میں شرکت کی طرف تھا۔

سر ولیم میور کا بیان

سر ولیم میور نے لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں واقعہ افک کے بیان میں عجیب وغریب تاریخی اور ادبی غلطیاں کی ہیں۔ جن اغلاط کو اس کتاب سے تعلق نہیں ان کے بیان کا تو یہ موقع نہیں تاہم تاریخی وادبی غلطی کی ایک ایک مثال پر قناعت کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ:

''بنی مصطلق کے خلاف بھیجی ہوئی مہم جب مدینہ واپس آئی تو عائشہ رضی اللہ عنہا کا محمل آپ کے سامنے دروازہ کے پاس مسجد کے متصل رکھا گیا، لیکن جب کھولا گیا تو وہ

[1] یہ تمام مسلسل واقعہ صحیح بخاری وصحیح مسلم (کتاب التوبہ) میں مفصل مذکور ہے۔ امام بخاری نے بتفصیل واختصار متعدد مقامات میں اس روایات کو درج کیا ہے، کتاب الشہادت، کتاب الجہاد، تفسیر سورۃ نور، غزوہ بنی مصطلق میں خصوصیت کے ساتھ تفصیل ہے، زائد باتیں جو حدیث کی دوسری کتابوں میں مروی ہیں، فتح الباری جلد ۸ تفسیر نور سے لی ہیں، اختلاف وروایات کی تطبیق، واقعات کی ترتیب اور مطالب ومعنی کی تصحیح میں حافظ ابن حجر کی تقلید کی ہے۔

[2] صحیح بخاری: کتاب التفسیر، رقم: ۴۷۵۵۔

خالی تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد صفوان رضی اللہ عنہ جو ایک مہاجر تھا نمودار ہوئے، اونٹ پر عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں اور آگے آگے صفوان رضی اللہ عنہ تھے۔''

آگے چل کر کہتا ہے:

''اگر چہ صفوان رضی اللہ عنہ نے بڑی جلدی کی تاہم فوج کو نہ پا سکے، پس لوگوں کے اترنے اور خیمہ نصب کرنے کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا صفوان رضی اللہ عنہ کی رہبری میں منظر عام کے سامنے داخل شہر ہوئیں۔''

یہ دونوں بیان حدیث اور سیر کی ساری کتابوں کے خلاف ہیں۔ اس تصویر کشی سے میور کا مقصود یہ ہے کہ صورتحال اور زیادہ بدنما نظر آئے، حالانکہ متفقہ طور سے ثابت ہے کہ صفوان رضی اللہ عنہ نے چند گھنٹوں کے فصل سے دوپہر کے وقت اگلی منزل میں فوج کو پالیا، یہ سرے سے مدینہ کا قصہ ہی نہیں۔

لوگ حسان رضی اللہ عنہ کو برا کہتے ہیں، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود اپنی زبان سے برا نہیں کہتی تھیں بلکہ لوگوں کو اس سے روکتی تھیں۔ [1]

صحیح بخاری و مسلم میں اس کا سبب خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی مذکور ہے کہ وہ یعنی حسان رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کافروں کو جواب دیتے تھے۔ لیکن ہمارے محقق مورخ کو تیرہ سو برس کے بعد ایک اور لطیف وجہ نظر آئی ہے لکھتا ہے:۔

''حسان رضی اللہ عنہ نے اپنے شاعرانہ تخیل کو بدل کر ایک نہایت عمدہ نظم لکھی جس میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی عفت، حسن، عقلمندی اور چھریرے خوبصورت بدن کی تعریف کی تھی۔ خوشامد بھری ہوئی تعریف نے عائشہ رضی اللہ عنہا اور شاعر میں میل کرا دیا۔''

کاش انگلینڈ کا مستشرق اعظم ہم کو بتا سکتا کہ تمام شعر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حسن، عقلمندی اور چھریرے خوبصورت بدن کی تعریف کس فقرے میں مذکور ہے اور شاید ہمارے محقق کو یہ بھی نہیں معلوم کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب یہ شعر سنایا گیا تھا تو ان کا سن اس وقت چالیس برس کا ہوگا، ان کا جسم اس وقت چھریرا نہیں بلکہ پندرہ سولہ ہی برس کے سن میں بھاری ہو گیا تھا۔ [2]

سر ولیم میور کے مشرقی تبحر اور عربی دانی کا اس سے بھی عجیب اور مضحکہ انگیز نمونہ یہ ہے کہ:

---

[1] صحیح بخاری: تفسیر سورۂ نور و مناقب حسان رضی اللہ عنہ۔

[2] سنن ابی داود: باب السبق علی الرجل۔

''اس نظم میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے چھریرے، خوبصورت بدن کی تعریف تھی، چھریرے بدن کی ہجو سے عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہت رنج ہوتا تھا، حسان جب اس فقرے پر پہنچے، جس میں ان کی لاغری کی طرف اشارہ تھا، تو شوخی کے ساتھ شاعر کو روکا اور خود شاعر کی فربہی کی برائی کی۔ (حاشیہ)''

ہم نے اسلامی دفتر کا سارا عرصۂ کائنات چھان ڈالا، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس طرز اخلاق اور حلیہ کا پتہ نہ چلا۔ ناچار خود سرولیم کے بتائے ہوئے اشارہ پر ہم نے جستجو کی تو نظر آیا کہ تصویر کا قصور نہ تھا بلکہ خود یورپ کے سب سے بڑی ماہر عربیات کے دماغی شیشہ کا قصور تھا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے شعر کا دوسرا مصرع یہ تھا:

وَ تُصْبِحُ غَرْثٰی مِنْ لُحُوْمِ الْغَوَافِلِ [1] وہ بھولی بھالی عورتوں کا گوشت نہیں کھاتیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ شعر سن کر کہا: ''لیکن تم ایسے نہیں ہو۔''

عربی محاورہ میں کسی کا گوشت کھانا، اس کی غیبت اور پیٹھ پیچھے برائی کرنے سے عبارت ہے، حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ کہ آپ کسی کی غیبت اور پیٹھ پیچھے برائی نہیں کرتیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تعریضاً کہا، لیکن تم ایسے نہیں ہو، یعنی تم غیبت کرتے ہو اور پیٹھ پیچھے برائی کرنے کے مرتکب ہوئے، یہ واقعۂ افک کی طرف اشارہ تھا۔ اس سے یہ مقصود نہ تھا کہ میں دبلی تو ہوں مگر تم بڑے موٹے ہو۔

اس جاہلانہ کمال کا تماشہ یورپ کے عجائب زار کے سوا ہم کو کہاں نظر آ سکتا ہے!

آخر میں ہم کو ان کا ممنون ہونا چاہئے کہ اصل الزام کے بطلان سے ان کو بھی انکار نہیں لکھتے ہیں:

''ان کی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی) ماقبل ومابعد کی زندگی ہم کو بتاتی ہے کہ وہ اس جرم سے بالکل بے گناہ تھیں۔''

تیمم کے حکم کا نزول

ایک اور سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں، وہی ہار گلے میں تھا۔ قافلہ واپس ہو کر مقام ذات الجیش میں پہنچا تو وہ ٹوٹ کر گر پڑا، گزشتہ واقعہ سے ان کو تنبیہ ہوگئی تھی، فوراً آنحضرت ﷺ کو مطلع کیا، [2] صبح قریب تھی، آپ نے پڑاؤ ڈال دیا اور ایک آدمی اس کے ڈھونڈنے کو دوڑایا۔ اتفاق یہ کہ

---

[1] صحیح بخاری: کتاب التفسیر۔ [2] مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۷۲۔

جہاں فوج نے منزل کی تھی وہاں پانی مطلق نہ تھا۔ نماز کا وقت آ گیا، لوگ گھبرائے ہوئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوج کو کس مصیبت میں ڈال رکھا ہے۔ وہ سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے، دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے زانوں پر سر رکھے آرام فرما رہے ہیں۔ بیٹی کو کہا ہر روز تم نئی مصیبت سب کے سر پر لاتی ہو اور غصہ سے ان کے پہلو میں کئی کونچے دیئے، لیکن وہ آپ کی تکلیف کے خیال سے ہل بھی نہ سکیں۔

آپ صبح کو بیدار ہوئے تو واقعہ معلوم ہوا، اسلام کے تمام احکام کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ ہمیشہ مناسب واقعات کی تقریب سے نازل ہوئے ہیں۔ اسلام میں نماز کے لئے وضو فرض تھا، لیکن بیسیوں موقعے ایسے پیش آئے ہیں جہاں پانی نہیں ملتا، یہ موقع بھی اسی قسم کا تھا۔

چنانچہ اس موقع پر قرآن مجید کی حسبِ ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا. ﴾ [۴/النسآء:۴۳]

''اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا حاجت ضروری سے فارغ ہوئے ہو یا عورتوں سے مقاربت کی ہے اور تم پانی نہیں پاتے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اس سے کچھ منہ اور ہاتھ پر پھیرلو۔ اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔''

ابھی ابھی مجاہدین کا پُر جوش گروہ جو اس مصیبت پر تلملا رہا تھا، اس ابرِ رحمت کو دیکھ کر مسرت سے لبریز ہو گیا، اسلام کے فرزند اپنی ماں کو دعائیں دینے لگے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ایک بڑے پایہ کے صحابی تھے، جوشِ مسرت میں بول اٹھے: ''اے صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر والو! اسلام میں یہ تمہاری پہلی برکت نہیں۔'' [1] صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو ابھی لختِ جگر کی تادیب کے لئے بے قرار تھے، فخر کے ساتھ صاحبزادی کو خطاب کر کے فرمایا: ''جانِ پدر! مجھے معلوم نہ تھا کہ تو اس قدر مبارک ہے تیرے ذریعہ سے خدا نے مسلمانوں کو کتنی آسانی بخشی۔'' [2]

اس کے بعد قافلہ کی روانگی کے لئے جب اونٹ اٹھایا گیا تو وہیں اس کے نیچے ہار پڑا ملا۔ [3]

---

[1] یہ تمام واقعہ مفصل صحیح بخاری کتاب التیمم میں مذکور ہے۔ [2] مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۷۳۔

[3] صحیح بخاری: کتاب التیمم۔

تحریم، ایلا اور تخییر

تحریم

اوپر گزر چکا ہے کہ ازواجِ مطہرات ؓ کی دو ٹولیاں تھیں۔ ایک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور دوسری میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور دوسری بیویاں تھیں۔

معمول شریف یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر کے بعد تھوڑی دیر تمام ازواج کے پاس جا کر بیٹھتے تھے، اگرچہ آپ کے عدل کا یہ حال تھا کہ ذرا کسی کی طرف پلہ جھک نہیں سکتا تھا، لیکن اتفاقاً حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں چند روز تک معمول سے زیادہ دیر تک تشریف فرما رہے۔ اس لئے اوقاتِ مقررہ پر تمام ازواج کو آپ کی آمد کا انتظار تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے کسی عزیز نے شہد بھیجا ہے، چونکہ شہد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا مرغوب ہے۔ وہ روز آپ کے سامنے شہد پیش کرتی ہیں اور آپ اخلاق سے انکار نہیں فرماتے ہیں، اس سے روزانہ معمول میں ذرا فرق آ گیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا کہ اس کی کوئی تدبیر کرنی چاہئے، آپ نظافت پسند تھے، ذرا سی بُو بھی نہایت ناگوار خاطر ہوتی تھی۔ [1] شہد کی مکھیاں جس قسم کا پھول چوستی ہیں شہد کی مٹھاس میں اسی قسم کی لذت اور بُو ہوتی ہے۔ عرب میں مغافیر ایک قسم کا پھول ہوتا ہے جس کی بو میں ذرا نبیذ کی سی کرختگی ہوتی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دونوں کو سمجھا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائیں تو پوچھنا چاہئے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے منہ سے یہ کیسی بو آتی ہے؟ جب آپ یہ فرمائیں کہ شہد کھایا ہے تو کہنا چاہئے کہ شاید مغافیر کا شہد ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد سے کراہت پیدا ہوئی اور عہد کیا کہ اب شہد نہ کھاؤں گا۔

اگر یہ عام انسانوں کا واقعہ ہوتا تو یہ کوئی ایسی بات نہ تھی، لیکن یہ ایک شارع اعظم کا فعل تھا، جس کی ایک ایک بات پر بڑے بڑے قانون کی بنیاد پڑ جاتی ہے، اس لئے خدائے پاک نے اس پر عتاب فرمایا اور سورۃ تحریم کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔

---

[1] مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۴۹۔

﴿ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ وَاللّٰہُ مَوْلٰکُمْ وَ ھُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ ﴾ [٦٦/التحریم:١،٢]

"اے پیغمبر! خدا نے تیرے لئے جو حلال کیا ہے اپنی بیویوں کی خوشنودی کے لئے اس کو اپنے اوپر حرام کیوں کرتا ہے، خدا بخشنے والا اور مہربان ہے اور اس نے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے خداوند تمہارا آقا ہے اور علم وحکمت والا ہے۔"

اسی زمانہ میں آپ نے کوئی راز کی بات حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہی، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دی۔ قرآن مجید میں اسی کے بعد مذکور ہے:

﴿ وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَ اَظْھَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ عَرَّفَ بَعْضَہٗ وَ اَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَھَا بِہٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَکَ ھٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ○ ﴾ [٦٦/التحریم:٣]

"اور پیغمبر نے اپنی کسی بیوی سے ایک راز کی بات کہی، جب اس نے دوسرے سے اس کو کہہ دیا، اور خدا نے پیغمبر پر اس واقعہ کو ظاہر کر دیا، تو پیغمبر نے اس بیوی کو اس کا قصور کچھ بتایا اور کچھ نہیں بتایا۔ اس نے کہا آپ سے کس نے یہ کہہ دیا، پیغمبر نے جواب دیا مجھ کو اس باخبر دانا نے بتایا۔"

﴿ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا وَ اِنْ تَظٰھَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ ○ ﴾ [٦٦/التحریم:٤]

"اگر تم دونوں خدا کی بارگاہ میں رجوع کرو (تو تمہارے لئے کوئی ایسی مشکل بات نہیں) کیونکہ تمہارے دل تو اس کی طرف مائل ہی ہیں اور اگر تم دونوں نے اس پر ایکا کر لیا، تو بھی (اے منافقین یہ کوئی ایسی بات نہیں) خدا پیغمبر کا آقا ہے اور جبرئیل، مومنین، صالحین اور فرشتے اس کے مددگار ہیں۔"

سوال یہ ہے کہ کون سا ایسا راز تھا، جس کے اخفا کے لئے اتنی شدت درکار تھی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ وہ یہی شہد کی تحریم کا واقعہ تھا۔ بعض [1] غیر صحیح روایتوں میں ہے کہ ماریہ نامی آپ کی ایک حرم

تھیں، آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی رضامندی کی خاطر ان کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا، اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو تاکید کردی تھی کہ اس راز کو اپنے ہی تک رکھنا، عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہ کہنا۔ انہوں نے کہہ دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب اس سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی رضامندی مقصود نہ تھی بلکہ اور ازواج کی بھی جیسا کہ قرآن مجید کا نص ہے:

﴿ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ ط﴾ [۶۶/التحریم:۱]

''اے پیغمبر! جو چیز خدا نے تیرے لئے حلال کی ہے، اس کو بیویوں کی رضامندی، خاطر کے لئے اپنے اوپر حرام کیوں کرتا ہے۔''

تو پھر انہی کو واقعہ سے بے خبر رکھنا ایک بے معنی سی بات ہے کہ ان کی رضامندی تو اس واقعہ کے جاننے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس شے کو آپ نے حرام کرلیا تھا، وہ ایک کنیز کا تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو یہ صرف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا مطالبہ تھا، حالانکہ آیت کا اشارہ ہے کہ وہ کم از کم تین بیویوں [1] کی مشترکہ خواہش ہو، پھر کسی کھانے کی چیز یا کسی کنیز سے احتراز کا راز اس قدر کیا اہم تھا، جس کے لئے روئے زمین کے مسلمانوں اور آسمانوں کے فرشتوں کی اعانت درکار ہو۔ آپ جب شہد نہ کھاتے یا اس کنیز سے تعلقات نہ رکھتے تو لوگ خود سمجھ جاتے کہ آپ نے ایسا کیا ہے۔ عرب میں لوگ سوسمار کھاتے تھے، آپ کو اس سے کراہت تھی۔ عام روایت کی رُو سے آپ نے ایک دو بیویوں کو طلاق دے دی تھی یا اس کا اظہار کیا تھا، لیکن ان میں سے کوئی شے راز نہ تھی۔

جن لوگوں کو قرآن مجید کے عام طرزِ ادا سے آگاہی ہے یا محاوراتِ عرب پر عبور ہے وہ جانتے ہیں کہ ''اِذْ'' کے بعد ہمیشہ نئے سرے سے نیا واقعہ شروع ہوتا ہے، گزشتہ آیت تک تو تحریم کے واقعہ کا بیان تھا، یہاں سے ایک الگ بات شروع ہوتی ہے اور اس کا بیان خود قرآن مجید کی دوسری آیت میں ہے کہ وہ کیا شئے ہے، وہ ''مظاہرہ'' ہے یعنی ایکا کرنا، اس مظاہرہ کی تفصیل صحیح مسلم کے حوالے سے آگے ہم نقل کرتے ہیں۔

گذشتہ صفحہ کا حاشیہ: [1] اکابر محدثین نے تصریح کی ہے کہ روایت صحیح طریقے سے ثابت نہیں۔

[1] کیونکہ قرآن مجید میں جمع کا لفظ آیا ہے اور جمع کا لفظ عربی میں کم سے کم تین پر بولا جاتا ہے۔

منافقین مدینہ جن کی شرارت کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں، ان کو اپنے خبث باطنی کے لئے اس سے زیادہ کیا مسالہ ہاتھ آ سکتا تھا، عجب نہیں کہ انہوں نے ایک عظیم الشان سازش کی بنیاد ڈال دی ہو، یہ صرف قیاس نہیں ہے بلکہ اس کا ثبوت خود قرآن مجید کی آیتوں سے ملتا ہے، اوپر کی آیت جس اہمیت کی مقتضی ہے، اس سے بھی گو اس کی طرف اشارہ ہوتا ہے، لیکن اس آیت کے بعد اس واقعہ کی مناسبت سے مسلمانوں کو یہ نصیحت کر کے کہ آل اولاد اور بیوی بچوں کی محبت اور طرف داری راہ حق سے تم کو گمراہ نہ کرے۔ حسب ذیل آیت ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ [۶۶/التحریم:۹]

”اے پیغمبر! کفار اور منافقوں سے مجاہدہ اور سختی کر، ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور کیا برا ٹھکانا ان کا ہے۔“

پھر انہی کو خطاب کر کے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر انہوں نے حق پرستی اختیار نہ کی تو اس سے ان پیغمبروں کو یا ان کی دعوت الٰہی کو کیا نقصان پہنچا۔ اسی طرح اے منافقین! ان بیویوں کی وقتی رضامندی سے تم رسول کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہو، اس قیاس کی صحت اس آیت سے بھی ظاہر ہوتی ہے جو اسی واقعہ کے ضمن میں نازل ہوئی ہے۔ [1]

﴿ وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ﴾ [۴/النسآء:۸۳]

”اور جب ان منافقین کو امن یا خوف کی کوئی خبر معلوم ہوتی ہے تو اس کو پھیلا دیتے ہیں، اگر اس کو رسول یا اپنے صاحب الرائے اشخاص کی طرف رجوع کر دیتے تو بات کو سمجھنے والے سمجھ جاتے۔“

ازالۂ شکوک

آیت دوم کی تفسیر میں بھی ہمارے بعض مفسروں نے غلطیاں کی ہیں ان کے خیال کے مطابق دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہوگا:

”اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو (تو یہ نہایت ضروری ہے) کیونکہ

[1] صحیح مسلم: باب الایلا۔

تمہارے دل کج ہو گئے ہیں اور اگر اس پر ایکا کر لو تو خدا اس کا (پیغمبر کا) آقا ہے۔"

① خط زدہ ترجمہ بالکل غلط ہے، یہ ظاہر ہے کہ یہ جملہ شرطیہ ہے اور اس کی جزا محاورۂ عرب کے مطابق محذوف ہے، ہم نے وہ جزائے "لَا بَاسَ" (کوئی ایسی مشکل بات نہیں) قرار دی ہے، مفسرین کے مطابق وہ "فَھُوَ وَاجِبٌ" (یہ ضروری ہے) ہوگی۔کلام عرب پر جن کو عبور ہے وہ تسلیم کریں گے کہ "اِن" کے بعد جب جزا محذوف ہوتی ہے اور اس کے بعد "فَقَدْ" کے ساتھ اس جزا کی علت بیان کر دی جاتی ہے۔تو ہمیشہ "لَابَاسَ" (کچھ مضائقہ نہیں) لَاحَرَجَ (کچھ حرج نہیں) لَاضَیْرَ (کچھ نقصان نہیں) فَھُوَ ھَیِّنٌ (یہ معمولی بات ہے) وغیرہ الفاظ بطور جزا کے مراد ہیں، اشعار عرب میں اور خود قرآن مجید میں اس کی کثرت سے مثالیں [1] موجود ہیں۔

② صَغَتْ کا ترجمہ زاغت (یعنی کج ہونا) بھی صحیح نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر امہات المومنین (نعوذ باللہ) اس سے بالاتر ہیں کہ ان کے دل کج اور گمراہ ہوں، اردو میں دو مفہوم ہیں، کسی چیز سے ہٹنا اور کسی چیز کی طرف جھکنا، اور مائل ہونا۔عربی میں ان دونوں مفہوموں کے لئے تین قسم کے لفظ ہیں، اول جو صرف پہلے معنی پر دلالت ہیں مثلاً: انحرف، ادعوی، زَاغَ، حَادَ۔دوم جو فقط دوسرے معنی کو بتاتے ہیں۔مثلاً: قَاءَ، تَابَ، اِلْتَفَتَ، تَوَجَّہَ وہ جو دونوں کو مشتمل ہیں، مثلاً مَالَ، شَغَلَ، عَدَلَ، رَجَعَ، وغیرہ۔

صَغٰی دوسرے معنی میں مستعمل ہے، بعض مفسروں نے اس کو تیسرے معنی میں لیا ہے اور اکثر نے اول معنی میں اور یہ سب سے بڑی ادبی غلطی ہے۔عرب کے محاورات اور لغات کا ایک حرف بھی اس

---

[1] ناظرین میں جو صاحب عربی جانتے ہوں، وہ ان آیتوں پر غور کریں:

① ﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ [۳/آل عمران:۱۸۴]
"اگر تجھ کو جھٹلاتے ہیں تو کوئی بات نہیں کہ تجھ سے پہلے پیغمبر بھی جھٹلائے گئے۔"

② ﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ﴾ [۹/التوبۃ:۴۰]
"اگر اس پیغمبر کی مدد نہیں کرتے، تو کوئی نقصان نہیں کہ خدا اس کا مددگار ہے۔"

③ ﴿وَ اِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ [۸/الانفال:۳۸]
"اگر پھر ایسا کریں تو کوئی حرج نہیں کہ گزشتہ امتوں کا قانون گزر چکا ہے۔"

④ ﴿فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰۤؤُلَآءِ فَقَدْ وَ كَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ﴾ [۶/الانعام:۸۹]
"اگر یہ اس کے منکر ہیں تو کوئی پرواہ نہیں کہ ہم نے ایسے لوگ مقرر کیے ہیں جو اس کو مانتے ہیں۔"

کے استناد میں نہیں مل سکتا۔ [1] قرآن مجید میں ایک اور جگہ یہ لفظ آیا ہے:

﴿ وَ لِتَصۡغٰۤی اِلَیۡهِ اَفۡـِٕدَۃُ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ [٦/الانعام:١١٣]

''تا کہ جو ایمان نہیں لائے ان کے دل اس کی طرف جھکیں، اور اس کی خواہش کریں۔''

دیکھو کہ یہاں کجی یا ٹیڑھے ہونے کے معنی نہیں ہیں۔

③ آیت زیر بحث میں یہ نہیں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے دل کس چیز کی طرف جھک چکے ہیں۔ بعض مفسرین نے نعوذ باللہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا اور تکلیف رسانی کی طرف۔ حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ جہاں سے جو لفظ محذوف ہوتا ہے ہمیشہ آگے پیچھے وہ کہیں مذکور ہوتا ہے یا قرینہ غالب سے سمجھا جاتا ہے، اس کے پہلے ''توبہ'' کا لفظ ہے اس لئے یہی لفظ آگے محذوف ہے، آیت کے محذوفات کا اگر ذکر کر دیں تو یہ عبارت ہوگی:

اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَی اللّٰهِ (فَهُوَ هَیِّنٌ) فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُکُمَا، (اِلَی التَّوۡبَةِ اِلَی اللّٰهِ)

''اور تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو (تو تمہارے لئے یہ آسان ہے) کیونکہ تمہارے دل (رجوع الی اللہ کی جانب) مائل ہو ہی چکے ہیں۔''

ایلاء

تحریم ہی کے سلسلہ میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا، یہ تحریم وایلاء ۹ھ کا واقعہ ہے، اس وقت عرب کے دور دراز صوبے زیر نگیں ہو چکے تھے۔ مالِ غنیمت، فتوحات اور سالانہ محاصل کا بے شمار ذخیرہ وقتاً فوقتاً مدینہ آتا رہتا تھا۔ بایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی جس زہد و قناعت کے ساتھ بسر ہوتی تھی، اس کا ایک دھندلا سا خاکہ خانہ داری کے عنوان میں گزر چکا ہے۔

فتح خیبر کے بعد غلہ اور کھجوروں کی جو مقدار ازواج مطہرات کے لئے مقرر تھی، ایک تو وہ خود کم تھی، پھر فیاضی اور کشادہ دستی کے سبب سال بھر تک بمشکل کفایت کر سکتی تھی، آئے دن گھر میں فاقہ ہوتا تھا۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں بڑے بڑے قبائل کی بیٹیاں بلکہ شہزادیاں داخل تھیں، جنہوں نے

---

[1] دیکھو لسان العرب، بیضاوی نے اس کو قِیۡلَ کر کے لکھا ہے۔ مولانا حمید الدین صاحب نے ''سورہ تحریم'' کی تفسیر میں ''مسئلہ شرط اور معنی لغو'' کی نہایت تحقیق کی ہے۔ جس کو زیادہ تفصیل و تحقیق مقصود ہو وہ اصل کتاب کی طرف رجوع کرے۔

اس سے پہلے خود اپنے یا پہلے شوہروں کے گھروں میں ناز و نعم کی زندگیاں بسر کی تھیں، اس لئے انہوں نے مال و دولت کی یہ بہتات دیکھ کر آپ سے مصارف میں اضافہ کی خواہش کی۔

یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو نہایت مضطرب ہوئے، پہلے اپنی صاحبزادی کو سمجھایا کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مصارف کا تقاضا کرتی ہو، تم کو جو کچھ مانگنا ہو مجھ سے مانگو، خدا کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا لحاظ فرماتے ہیں، ورنہ تم کو طلاق دے دیتے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک ایک بی بی کے دروازے پر گئے اور ان کو نصیحت کی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”عمر رضی اللہ عنہ! تم ہر چیز میں تو دخل دیتے ہی تھے، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے معاملہ میں بھی دخل دیتے ہو۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جواب سے افسردہ ہو کر خاموش ہو گئے۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم دونوں خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ بیچ میں آپ ہیں اور ادھر ادھر بیویاں بیٹھی ہیں اور مصارف کی مقدار بڑھانے پر مصر ہیں۔ دونوں اپنی صاحبزادیوں کے مارنے پر آمادہ ہو گئے، لیکن انہوں نے عرض کی ہم آئندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دیں گیں۔

دیگر ازواج اپنے مطالبہ پر قائم رہیں، اتفاقاً اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے پہلوئے مبارک میں ایک درخت کی جڑ سے خراش آ گئی۔ [1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ سے متصل ایک بالاخانہ تھا [2]، جو گویا ان گھروں کا توشہ خانہ تھا۔ [3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں قیام فرمایا اور عہد کیا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے۔ منافقین نے مشہور کر دیا کہ آپ نے بیویوں کو طلاق دے دی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم مسجد میں جمع ہو گئے، گھر گھر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن رو رہی تھیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے خود آپ سے واقعہ کی تحقیق کی جرأت نہ کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آئے، تمام صحابہ ملول اور چپ تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریابی کی اجازت چاہی، دوبارہ کوئی جواب نہ ملا، تیسری دفعہ اجازت ہوئی تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھری چارپائی پر لیٹے ہیں جسم مبارک پر بان سے بدھیاں پڑ گئی ہیں۔ ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے توشہ خانہ میں چند مٹی کے برتن اور چند سوکھی مشکوں کے سوا کچھ نہ تھا، یہ دیکھ کر ان کی آنکھیں بھر آئیں اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے بیویوں کو طلاق دے دی؟ ارشاد ہوا: نہیں، عرض کی کیا میں

---

[1] ابوداؤد: باب امامۃ من صلی قاعداً۔ [2] حوالۂ مذکور [3] صحیح مسلم: باب الایلاء۔

یہ بشارت عام مسلمانوں کو نہ سنا دوں، اجازت پا کر زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔

یہ مہینہ ۲۹ روز کا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ ''میں ایک ایک روز گنتی تھی، ۲۹ دن ہوئے تو آپ بالا خانہ سے اتر آئے۔'' سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے ایک مہینہ کے لئے عہد فرمایا تھا، ابھی تو انتیس ۲۹ ہی دن ہوئے ہیں، ارشاد ہوا مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔

تخییر

چونکہ عام ازواج توسیع نفقہ کی طالب تھیں اور پیغمبر صرف اپنی بیویوں کی رضامندی کے لئے اپنے دامن کو زخارف دنیوی میں ملوث نہیں کر سکتا تھا، اس لئے تخییر کی آیت نازل ہوئی یعنی جو بیوی چاہے فقر و فاقہ کو اختیار کر کے شرف صحبت سے ممتاز رہے اور دنیا کے بجائے آخرت کی نعمت پائے اور جو چاہے کنارہ کش ہو کر دنیا طلبی کی ہوس پوری کرے، وہ آیت یہ ہے:۔

﴿ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَ اُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ○ وَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ○ ﴾ [۳۳/ الاحزاب: ۲۸، ۲۹]

''اے پیغمبر اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم کو زندگی اور اس کی زینت و آرائش کی ہوس ہے تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر رخصت کر دوں اور اگر خدا اور رسول اور آخرت پسند ہے، تو اللہ نے تم سی نیک عورتوں کے لئے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے۔''

آپ سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ عائشہ! میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرنا چاہتا ہوں، اس کا جواب اپنے والدین سے مشورہ کر کے دینا۔ عرض کی، ارشاد فرمایئے، آپ نے اوپر کی آیتیں پڑھ کر سنائیں، گزارش کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں کس امر میں اپنے والدین سے مشورہ لوں، میں خدا اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ یہ جواب سن کر آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہوئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا جواب دوسری بیبیوں پر ظاہر نہ ہو۔'' ارشاد ہوا کہ معلم بن کر آیا ہوں، جابر بن کر نہیں آیا۔ [1]

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم: باب الایلاء میں یہ تمام واقعات مفصل مذکور ہیں۔

بیوگی ۱۱ھ

اب عورت کے مصائب زندگی میں سے سب سے آخری مرحلہ کا ذکر ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اٹھارہ سال کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کا سفر اختیار کیا۔ ان میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جو محبت واخلاص تھا وہ ہر جگہ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ صفر ۱۱ھ کے پچھلے مہینے کی کوئی تاریخ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لائے، وہ سر کے درد سے بے قرار تھیں اور ہائے وائے کر رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میرے سامنے مرتیں تو میں اپنے ہاتھ سے تمہاری تجہیز وتکفین کرتا، وہ بے تکلفانہ لہجے میں عرض پرداز ہوئیں کہ یارسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ شاید اس لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ اس حجرہ میں کوئی نئی بیوی بیاہ کر آئے۔ آپ نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا کہ ''ہائے! میرا سر'' اسی وقت سے درد شروع ہو گیا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر جا کر آپ صاحبِ فراش ہو گئے، اس حالات میں بھی بیویوں کی خاطر داری منظور تھی، حسبِ دستور ایک ایک روز ایک ایک حجرہ میں قیام فرما رہتے، لیکن ہر روز استفسار ہوتا کہ کل میں کہاں رہوں گا، ازواج مطہرات نے سمجھ لیا کہ آپ کا مقصود یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں قیام رہے، سب نے اجازت دے دی، اس وقت سے آخر زندگی تک آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے حجرے میں قیام فرما رہے۔

اس خواہش کا سبب شاید عام لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی محبت سمجھیں، لیکن اوپر گزر چکا ہے کہ خدا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فطری کمال، عقل، قوت حافظہ، سرعت فہم اور اجتہاد فکر عطا فرمایا تھا۔ عجب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ ہو کہ آپ کے آخری اقوال وافعال کا بھی ایک ایک حرف دنیا میں محفوظ رہے، چنانچہ آپ کی وفات کے متعلق اکثر صحیح حالات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے ذریعہ امت تک پہنچے۔

روز بروز مرض کی شدت بڑھتی جاتی تھی، یہاں تک کہ مسجد میں امامت کے لئے بھی آپ تشریف نہ لے جاسکے۔ بیویاں تیمارداری میں مصروف تھیں۔ کچھ دعائیں تھیں جن کو پڑھ کر آپ بیمار کو دم کیا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی وہی دعائیں پڑھ پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دم کر دیا کرتی تھیں۔

صبح کی نماز میں لوگ آپ کی آمد کے منتظر تھے، کئی دفعہ آپ نے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن ہر

دفعہ غش آ گیا، آخر حکم دیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر جو شخص کھڑا ہوگا لوگ اس کو منحوس سمجھیں گے۔ اس لئے عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوبکر رضی اللہ عنہ رقیق القلب ہیں، [1] ان سے یہ کام نہ بن آئے گا، وہ رو دیں گے، کسی اور کو حکم ہو۔'' لیکن آپ نے دوبارہ یہی ارشاد فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم عرض کرو، انہوں نے عرض کی تو فرمایا۔ ''تم یوسف والیاں ہو، [2] کہہ دو کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت کریں۔'' چنانچہ انہوں نے امامت کی۔

آپ علالت سے پہلے کچھ اشرفیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھوا کر بھول گئے تھے۔ اس وقت یاد آیا، فرمایا کہ ''عائشہ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ ان کو اللہ کی راہ میں صرف کر دو، کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟'' چنانچہ اسی وقت خیرات کر دی گئیں۔ [3]

اب وقت آخر تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سرہانے بیٹھی تھیں۔ آپ ان کے سینہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن مسواک لئے اندر آئے۔ آپ نے مسواک کی طرف دیکھا۔ سمجھ گئیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے مسواک لے کر اپنے دانت سے نرم کر کے آپ کو دی۔ آپ نے صحیح و تندرست آدمی کی طرح مسواک کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فخریہ کہا کرتی تھیں کہ تمام بیویوں میں مجھ ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آخری وقت میں بھی میرا جھوٹا آپ نے منہ میں لگایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی تندرستی کے لئے دعائیں مانگ رہی تھیں، آپ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھا، فوراً دست مبارک کھینچ لیا، اور فرمایا ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَاجْعَلْنِیْ مَعَ الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی)) [4] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ تندرستی کی حالت میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبر کو مرتے وقت دنیاوی اور اخروی زندگی میں سے ایک کے قبول کا اختیار دیا جاتا ہے، ان الفاظ کو سن کر میں چونک پڑی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کنارہ کشی ہی قبول کی۔ تاہم وہ ابھی کمسن تھیں، کسی کو اب تک اپنی آنکھ سے مرتے نہیں دیکھا تھا، عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو بڑی تکلیف ہے۔ آپ نے فرمایا

---

[1] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز میں رویا کرتے تھے اور یہ تو خاص موقع تھا اس لئے یہ اظہار کچھ غلط نہ تھا، دیکھو بخاری، باب الہجرۃ۔ [2] یعنی تم ہی عورتیں ہو جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بہکانا چاہا تھا۔

[3] مسند احمد: جلد ۶، ص ۴۹ [4] صحیح مسلم: کتاب السلام، باب استحباب رقیۃ المریض، رقم: ۵۷۰۷۔ مسند احمد: جلد ص ۱۲۶۔

ثواب بھی بقدر تکلیف ہی ہے۔

اب تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنبھالے بیٹھی تھیں، کہتی ہیں کہ دفعتہً مجھ کو آپ کے بدن کا بوجھ معلوم ہوا۔ آنکھوں کی طرف دیکھا تو پھٹ گئی تھیں۔ آہستہ سے سر اقدس تکیہ پر رکھ دیا اور رونے لگیں، [1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب کا سب سے زریں باب یہ ہے کہ مرنے کے بعد ان ہی کے حجرہ کو پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن بننا نصیب ہوا، اور نعش مبارک اسی حجرہ کے ایک گوشہ میں سپرد خاک ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا تھا کہ ان کے حجرہ میں تین چاند ٹوٹ کر گرے ہیں، انہوں نے اس کا ذکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کیا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی حجرہ میں مدفون ہوئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان تین چاندوں میں سے ایک یہ ہے اور یہ ان میں سب سے بہتر ہے۔ [2] بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ دو پچھلے چاند صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اب بیوہ تھیں اور اسی عالم میں انہوں نے عمر کے چالیس مرحلے طے کیے۔ جب تک زندہ رہیں، اسی مزارِ اقدس کی مجاور رہیں، قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی سوتی تھیں۔ ایک دن آپ کو خواب میں دیکھا، اس دن سے وہاں سونا چھوڑ دیا۔ [3]

تیرہ برس تک یعنی جب تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہاں مدفون نہیں ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بے حجاب وہاں آتی جاتی تھیں کہ ایک شوہر تھا، دوسرا باپ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد فرماتی تھیں کہ اب وہاں بے پردہ جاتے حجاب آتا ہے۔

ازواج مطہراتؓ کے لئے دوسری شادی خدا نے ممنوع قرار دی تھی۔ عرب کے ایک رئیس نے کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے میں عقد کروں گا، چونکہ یہ امر دینی وسیاسی مصالح اور نیز شانِ نبوت کے خلاف تھا۔ اس لئے خدائے پاک نے فرمایا:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ [۳۳/ الاحزاب:۶]

''پیغمبر! مسلمانوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

---

[1] مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۷۴، اس باب میں جن واقعات پر حوالہ نہ ہو وہ صحیح بخاری باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہیں۔

[2] موطا امام مالک: ما جاء فی دفن المیت۔ [3] طبقات ابن سعد: جلد ثانی قسم ثانی، ص ۸۵، بسند حسن۔

﴿ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴾ [۳۳/الاحزاب:۵۳]

''اور تمہیں مناسب نہیں کہ تم پیغمبر خدا کو اذیت دو، اور نہ یہ کہ کبھی اس کی بیویوں سے اس کے بعد بیاہ کرو، خدا کے نزدیک یہ بڑی بات ہے۔''

اصل یہ ہے کہ ازواج مطہرات جو ایک مدت تک حاملِ نبوت کی محرم اسرار رہیں، ان کی بقیہ زندگی صرف اس لئے تھی کہ مقدس شوہر کی تعلیمات اور اسباقِ عمل کو جب تک جیتی رہیں، دہراتی رہیں۔ ان کی زندگی کا ہر لحہ صرف اسی فرض کی بجا آوری میں صرف ہو۔ وہ مسلمانوں کی مائیں تھیں، ان کا فرض صرف بیٹوں کی تعلیم و تربیت تھی۔ چنانچہ ان کے فرائض خود خدا نے مقرر کر دیئے تھے۔

﴿ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ○ وَ مَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴾

[۳۳/الاحزاب:۳۰،۳۱]

''اے پیغمبر کی بیویو! تم میں جو بُرا کرے گی اس کو دوگنا عذاب ملے گا، اور خدا کے لئے یہ آسان بات ہے اور تم میں سے جو اللہ اور رسول کی فرمانبردار ہوگی، اور اچھے کام کرے گی، اس کو ثواب بھی دوبارہ ملے گا اور اس کے لئے ہم نے قیامت میں اچھی اور پاک روزی مہیا کی ہے۔''

﴿ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ○ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ○ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ○ ﴾ [۳۳/الاحزاب:۳۲-۳۴]

''اے پیغمبر کی بیویو! تم عام اور معمولی عورتوں میں نہیں ہو، اگر پرہیزگار بنو۔ دب کر نہ بولا کرو کہ بیمار دل والے (منافقین) حوصلہ کریں، اور اچھی بات بولا کرو، اور گھروں

میں وقار کے ساتھ رہا کرو اور گزشتہ زمانہ کی جاہلیت کی طرح بن ٹھن کر نہ نکلا کرو، نمازیں پڑھا کرو، زکوٰۃ دیا کرو، اور خدا اور رسول کی فرمانبرداری کیا کرو۔ خدا تو یہی چاہتا ہے، اے اہل بیت نبوت! کہ تم سے میل کچیل دور کر دے، اور تم کو بالکل پاک وصاف کر دے۔ تمہارے گھروں میں خدا کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں ان کو یاد کیا کرو، بیشک خدا پاک اور دانا ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آئندہ زندگی حرف بحرف ان ہی آیاتِ الٰہی کی عملی تفسیر ہے۔

عام حالات

عہدِ صدیقی

اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پدر بزرگوار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور بیعتِ خلافت صدیقی کی تکمیل کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے چاہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجیں اور وراثت کا مطالبہ کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یاد دلایا کہ آنحضرت رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں فرمایا تھا: ''میرا کوئی وراثت نہ ہوگا میرے تمام متروکات صدقہ ہوں گے۔'' یہ سن کر سب خاموش ہو گئیں۔ [1]

اصل یہ ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی ہی میں اپنے پاس کیا رکھتے تھے جو وفات کے بعد تقسیم ہوتا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے درہم و دینار، جانور اور مویشی، لونڈی اور غلام کچھ ترکہ میں نہیں چھوڑا، [2] البتہ ولایت عامہ کے طریقوں سے مختلف اغراض و مقاصد کے لئے چند باغ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں جس طرح اور جن مصارف میں ان کی آمدنی صرف فرماتے تھے، وہ خلافتِ راشدہ میں بعینہٖ اسی طرح اور اسی حیثیت سے قائم رہے۔ آپ اپنی زندگی میں بیبیوں کے سالانہ مصارف اسی جائیداد سے ادا فرماتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے زمانہ میں ان مصارف کو اسی طرح برقرار رکھا۔ [3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس فیاضی کی جو ترکہ کے باب میں انہوں نے کی ہے اس وقت اور قدر بڑھ جاتی ہے۔ جب یہ معلوم ہو کہ جس دن وہ بیوہ ہوئیں، اسی شام کو گھر میں

[1] صحیح بخاری: کتاب الفرائض [2] صحیح بخاری: کتاب الوصایا۔
[3] صحیح بخاری: کتاب الفرائض مکالمہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

برکت تھی۔ ❶

داغِ پدری

عہدِ صدیقی صرف دو برس قائم رہا، ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ نزع کے وقت صاحبزادی خدمت میں حاضر تھیں، باپ نے کچھ جائیداد بیٹی کو دے دی تھی۔ اب دوسری اولاد کا سامان بھی ضروری تھا۔ فرمایا: جان پدر! کیا تم وہ جائیداد اپنے بھائیوں کو دے دوگی؟ عرض کی: ''بسرو چشم'' ❷ پھر دریافت کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں کتنے کپڑے تھے؟ عرض کی: ''تین سفید کپڑے۔'' پوچھا کس دن وفات پائی، عرض کی: ''دوشنبہ کے روز'' دریافت کیا ''آج کون سا دن ہے؟'' بتایا کہ ''دوشنبہ ہے۔'' فرمایا: ''تو آج شب تک میرا بھی چل چلاؤ ہے۔'' پھر اپنی چادر دیکھی، اس میں زعفران کے دھبے تھے۔ فرمایا کہ اسی کپڑے کو دھو کر اس کے اُوپر دو اور کپڑے بڑھا کر مجھ کو کفن دیا جائے۔ عرض کی ''یہ کپڑا پرانا ہے'' ارشاد ہوا کہ ''مُردوں سے زیادہ زندوں کو نئے کپڑوں کی ضرورت ہے۔'' ❸ اس کے بعد اسی دن سہ شنبہ کی رات کو وفات پائی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں ادباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک سے کسی قدر پیچھے ہٹا کر دفن کیے گئے، اور اب یہ حجرہ نبوت کے چاند کے ساتھ ایک خلافت کے چاند کا بھی مغربِ تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بیوگی کے ساتھ اس کم عمری میں دو ہی برس کے اندر یتیمی کا داغ بھی اٹھانا پڑا۔

عہدِ فاروقی

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا عہد مبارک نظم و نسق کے لحاظ سے ممتاز تھا، انہوں نے تمام مسلمانوں کے نقد وظیفے مقرر کر دیئے تھے۔ قاضی ابویوسف نے کتاب الخراج میں دو روایتیں لکھی ہیں، ایک یہ ہے کہ تمام ازواجِ مطہرات کو بارہ بارہ ہزار سالانہ دیا جاتا تھا، ❹ دوسری روایت جس کو حاکم نے صحت میں بخاری و مسلم کے ہم رتبہ قرار دیا ہے، یہ ہے کہ دیگر ازواج کو دس دس ہزار اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بارہ ہزار سالانہ وظیفہ دیا جاتا تھا۔ ❺ اس ترجیح کا سبب خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرما دیا تھا کہ ان کو میں دو ہزار اس لئے زیادہ دیتا ہوں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھیں۔

---

❶ ترمذی: کتاب الادب ❷ طبقات ابن سعد: ترجمہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ❸ صحیح بخاری: ابواب الجنائز۔
❹ کتاب الخراج قاضی ابویوسف: ص ۲۵۔ ❺ مستدرک حاکم: جزء صحابیات، ذکر عائشہ۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نو پیالے تیار کرائے تھے، جب کوئی چیز آتی، ایک ایک پیالہ میں کر کے ایک ایک کی خدمت میں بھیجتے، [1] تحفوں کی تقسیم میں یہاں تک خیال رکھتے کہ اگر کوئی جانور ذبح ہوتا تو بقول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سری اور پایہ تک اُن کے پاس بھیج دیتے تھے۔ [2] عراق کی فتوحات میں موتیوں کی ایک ڈبیہ ہاتھ آئی تھی، مالِ غنیمت کے ساتھ وہ بھی بارگاہِ خلافت میں بھیجی گئی، سب کو موتیوں کی تقسیم مشکل تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ لوگ اجازت دیں تو ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھیج دوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ محبوب تھیں۔ سب نے بخوشی اجازت دی، چنانچہ وہ ڈبیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیج دی گئی۔ کھول کر دیکھا، فرمایا: ''ابن خطاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات کیے، خدایا! مجھے آئندہ اُن کے عطیوں کے لئے زندہ نہ رکھنا۔'' [3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمنا تھی کہ وہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نیچے دفن ہوں، لیکن کہہ اس لئے نہیں سکتے تھے، کہ گو شرعاً مردوں سے زیر خاک پردہ نہیں، تاہم ادباً دفن کے بعد بھی وہ اپنے آپ کو غیر محرم ہی سمجھتے تھے، نزع کے وقت اس خلش سے بے تاب تھے۔ آخر اپنے صاحبزادے کو بھیجا کہ ''ام المومنین کو میری طرف سے سلام کہو اور عرض کرو کہ عمر رضی اللہ عنہ کی تمنا ہے کہ وہ اپنے رفیقوں کے پہلو میں دفن ہو۔'' فرمایا: ''اگرچہ وہ جگہ میں نے خود اپنے لئے رکھی تھی، مگر عمر رضی اللہ عنہ کے لئے خوشی سے یہ ایثار گوارا کرتی ہوں۔''

اس اجازت کے بعد بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ میرا جنازہ آستانہ تک لے جا کر پھر اذن طلب کرنا، اگر ام المومنین اجازت دیں تو اندر دفن کر دینا، ورنہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں لے جانا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دوبارہ اجازت دی اور جنازہ اندر لے جا کر دفن کیا گیا [4] اور آخر اسی حجرہ اقدس میں خلافت کا دوسرا چاند بھی نگاہوں سے پنہاں ہوا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت بارہ برس ہے، خلافت کا نصف زمانہ سکون اور اطمینان کا زمانہ تھا، اس کے بعد لوگوں کو ان سے مختلف شکایتیں پیدا ہوئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

---

[1] امام مالک باب جزیۃ اہل الکتاب۔ [2] موطا امام محمد: باب الزہد۔
[3] مستدرک حاکم۔ [4] یہ تمام تفصیل صحیح بخاری کتاب الجنائز میں ہے۔

روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ تم کو خلافت کا جامہ پہنائے تو اس کو اپنی خوشی سے نہ اتارنا۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عام مسلمانوں میں بڑی مقبولیت حاصل تھی، [2] اور فرمانِ الٰہی کی رو سے تمام مسلمانوں کی ماں تھیں، اس لئے حجاز، شام، عراق اور مصر میں ہر جگہ ماں کی طرح مانی جاتی تھیں (اس دعویٰ کی تصدیق آئندہ واقعات سے ہوگی) لوگ آ کر ان کے پاس اپنی اپنی شکایتیں بیان کرتے تھے، وہ تسلی دیتی تھیں۔

خلافتِ صدیقی و فاروقی اور عثمانی کے ابتدائی زمانہ تک بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم اور اربابِ مشورہ زندہ تھے، مہمات امور میں ان سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ مناصبِ جلیلہ پر اپنی اپنی استعداد اور استحقاق کے مطابق وہی ممتاز تھے۔ شیخین رضی اللہ عنہم نے ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کیا تھا کہ کسی طرف پلہ جھکنے نہیں پاتا تھا، اس لئے تمام ملک میں امن و امان قائم تھا اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو اِدّعا کا موقع نہ تھا۔ نوجوانوں میں جو لوگ بلند حوصلہ تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن زبیر، محمد بن ابی بکر، مروان بن حکم، محمد بن ابی حذیفہ، سعید بن العاص رضی اللہ عنہم وہ ان سے دبتے تھے اور خلافت و امارت کو اپنے سے بدرجہا بلند جانتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نواسے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھیجے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے تھے، یہ اپنے آپ کو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے اور اس کے بعد وراثۃً خلافت کو اپنا حق جانتے تھے۔

محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے چھوٹے صاحبزادے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بے مات بھائی تھے، ان کی ماں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئی تھیں۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی آغوش میں انہوں نے تربیت پائی تھی [3] اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان کو بیٹوں کی طرح چاہتے تھے۔

محمد بن ابی حذیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آغوش پروردہ تھے، حدِ بلوغ کو پہنچے تو کسی بڑے عہدے کے طالب ہوئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو مناسب نہیں سمجھا، یہ ناراض ہو کر مصر چلے گئے۔

---

[1] مسند احمد: جلد ۶، ص ۲۶۳۔ [2] مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے، وَ كَانَ اَحْسَنَ رَأيًا فِي الْعَامَّةِ.

[3] اصابہ: ترجمہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ۔

مروان اور سعید بن عاص دونوں اموی تھے اور نوجوان و کم عمر تھے۔ اکابر مہاجرین کی وفات کے بعد ان کے فرزند و اخلاف، قدیم استحقاق کے مطابق، حقوق و مناصب کے مطالبہ میں پیش پیش تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اموی تھے اور ان کو اپنے خاندان ہی کے لوگوں پر بھروسہ ہوتا ہوگا، اس بنا پر بنوامیہ کے نوجوان انتخاب میں سب سے آگے ہوتے تھے۔ چنانچہ یہی مروان اور سعید بن عاص بڑے بڑے منصوبوں پر ممتاز ہوئے، اس سے قریش کے دوسرے بلند حوصلہ نوجوانوں کو ناگزیر طور پر اشتعال پیدا ہوا، چنانچہ اسی لئے محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش میں سب سے زیادہ حصہ لیا، اس کے علاوہ ان نوجوانوں میں کبار صحابہ کی طرح عدل و انصاف، صدق و امانت اور زہد و تقویٰ کا جوہر نہ تھا، اس لئے عام رعایا اور سپاہیوں میں جنہوں نے پہلے بزرگوں کی آنکھیں دیکھی تھیں، ان کی امارت اور سرداری سے برہمی اور ناگواری پیدا ہوئی۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ عرب ہمیشہ سے عجمیانہ غلامی کو شرافت کے دامن کا داغ سمجھتے تھے انہوں نے آزاد آب و ہوا میں پرورش پائی تھی، اسلام نے آ کر ان کے اس فتنہ کو اور تیز کر کے عرب کے سارے قبیلوں کو ایک سطح پر لا کر کھڑا کر دیا تھا، اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم جو اسلام کی تعلیم و تربیت کے اصلی پیکر تھے، اس نکتہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے، ان کے بعد کے نوجوان افسروں اور عہدہ داروں نے اس سبق کو بھلا دیا، وہ اعلانیہ اپنی مجلسوں اور درباروں میں اپنی خود مختاری اور خاندانی شرافت کا اظہار کرنے لگے، دوسرے عرب قبائل کے لئے یہ تحکم سخت ناگوار ہوا، ان کو دعویٰ تھا کہ عہدِ نبوی ﷺ کے بعد ایران، شام، مصر اور افریقہ کی فتوحات ان کی تلواروں کی بدولت حاصل ہوئی ہیں، اس لئے ان کو بھی برابر کا حق ملنا چاہئے۔ نو مسلم عجم نہ صرف بنوامیہ اور قریش بلکہ قوم عرب سے فطرۃً نالاں تھے، اس لئے وہ اس قسم کے ہر فتنہ میں شریک ہونا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ عرب و عجم کے نقطۂ اتصال پر کوفہ آباد تھا، فتنہ کا آغاز اسی شہر سے ہوا، یہ عرب قبائل کی سب سے بڑی چھاؤنی تھی، سعید بن العاص کوفہ کا والی تھا، رات کو اس کے دربار میں شہر کے اکثر قبیلوں کے سرداروں کا مجمع رہتا تھا، اور عموماً عرب کے واقعات جنگ اور عرب قبائل کے خاندانی حسب و نسب کے تذکرے رہتے تھے۔ یہ وہ موضوع تھا جس میں ہر قبیلہ دوسرے سے اپنے کو کم درجہ نہیں سمجھتا تھا، مناظرہ کا خاتمہ اکثر جنگ و جدال اور سخت کلامی پر ہوتا تھا، اس موقع پر سعید کی زبان سے قریشیت کا فخارانہ اظہار آگ میں تیل کا کام دیتا تھا، اس کے اس طرز عمل سے قبائل کے سرداروں کو شکایتیں پیدا ہوئیں اور اس نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کر لی۔

اسی زمانہ میں ابن سبانام کا ایک یہودی مسلمان ہوگیا، یہودیوں کا یہ دستور رہا ہے کہ جب وہ دشمن سے دشمن بن کر انتقام نہیں لے سکتے، تو فوراً سپر ڈال کر اس کے مخلص دوست بن جاتے اور آہستہ آہستہ مخفی سازشوں سے اس کا کام تمام کر دیتے ہیں۔ یہی یہود جب زور وقوت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو بے اثر نہ کر سکے تو ان میں سے پالوس نامی ایک یہودی نے عیسائی بن کر ان کی تعلیم کے اصل جوہر کو فنا کر دیا۔

ابن سبا (منافق) نے لوگوں میں یہ پھیلانا شروع کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مستحق جانشین ہیں اور وصی ہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں خلافت کی وصیت کر دی تھی، اور اپنی یہودیت کے زمانہ میں بھی حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق یہی عقیدہ رکھتا تھا، اس نے اپنی اس بدعت کی تبلیغ کے لئے پوری کوشش کی اور جگہ جگہ جا کر اس سیاسی شورش کو بہانہ بنا کر اپنی سازش کے جال کو اس نے ہر جگہ پھیلا دیا۔ اس نے سارے ملک کا دورہ کیا، کوفہ، بصرہ اور مصر جہاں بڑی بڑی فوجی چھاؤنیاں تھیں، انقلاب پسندوں کا مرکز بنا کر ان تمام متفرق اشخاص کو ایک رشتہ میں منسلک کر دیا۔ اہل تاریخ نے ان کا نام "سبائیہ" رکھا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جزائر روم اور افریقہ میں لڑائیاں ہو رہی تھیں، اس لئے فوج کا زیادہ حصہ ادھر ہی رہتا تھا۔ جنگ کی شرکت کے بہانہ سے محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ سپاہیوں سے آزادانہ ملتے تھے اور ان میں اشتعال پیدا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مصر اس بغاوت کا مرکز بن گیا، اس زمانہ میں عبداللہ بن ابی سرح مصر کے گورنر تھے۔ محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ وغیرہ نے عبداللہ بن ابی سرح اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف علانیہ تحریک شروع کر دی اور مصر میں جدید پولیٹیکل فرقہ کے لیڈر بن گئے۔

اتفاق سے یہ حج کا زمانہ تھا، باہمی قرارداد کے مطابق کوفہ، بصرہ اور مصر سے ایک ہزار کی جمعیت نے حج کے بہانہ سے حجاز کا رخ کیا اور مدینہ کے قریب آکر سب نے خیمے ڈالے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے بڑے بڑے صحابہ نے ان کو سمجھا بجھا کر واپس کیا، یہ تھوڑی دور جا کر پھر لوٹ آئے اور مصر کے گورنر کے نام ایک خط پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ مصری باغیوں کے سرغناؤں کو ان کے مصر پہنچنے کے ساتھ فوراً قتل کر دو یا قید کر دو۔ ان کا خیال تھا کہ یہ خط مروان کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ اس لئے سب نے مل کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور دو شرطیں پیش کیں،

مروان کو حوالہ کر دیجئے یا خلافت سے دستبردار ہو جائیے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دونوں شرطیں نامنظور کیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے محمد بن ابی بکر اپنے بھائی کو بلا کر سمجھایا کہ تم اس ضد سے باز آ جاؤ، لیکن وہ کسی طرح نہ مانے۔ سال کے دستور کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی اثناء میں حج کے ارادے سے مکہ معظمہ چلی گئیں۔ محمد بن ابی بکر کو بھی ساتھ لے جانا چاہا، مگر وہ آمادہ نہ ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دو تین ہفتہ تک محاصرہ میں رہے اور بالآخر باغیوں کے ہاتھ سے انہوں نے شہادت پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

اب خلافت کے لئے صرف چار بزرگوں پر نظر پڑ سکتی تھی، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ گوشہ نشین ہو گئے، اہل بصرہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے، اور اہل مصر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حامی تھے، لیکن اہل مصر اور انقلاب پسندوں کی کثیر تعداد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف داروں میں تھی۔ ان میں زیادہ پیش پیش اشتر نخعی، حضرت عمار بن یاسر اور محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ تھے، طرف دار لوگ خلیفہ ثانی کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو پیش کرتے تھے، بنوامیہ خلیفہ ثالث کے بیٹے ابان کا نام لے رہے تھے، خلیفہ اول کے بڑے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کا نام بھی لیا جا رہا تھا، تین دن کے بعد ان ہی انقلاب پسندوں کے اصرار اور چند کو چھوڑ کر عام اہل مدینہ کے قبول بیعت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر قدم رکھا۔ ادھر حجاز میں یہ اختلاف درپیش تھے، ادھر شام میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ استقلال اور آزادی کا خواب دیکھ رہے تھے اور مصر میں محمد بن ابی حذیفہ نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا، پیغمبر کے جانشین اور مسلمانوں کے امام کا حرم نبوی کے اندر ماہ حرام میں خود مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل، ایسا حادثۂ عظیم تھا کہ لوگوں کے دل دہل گئے، صحابہ رضی اللہ عنہم میں جن لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے اختلاف تھا اور جن میں ایک روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی داخل ہیں [1]، وہ بھی اس کے روادار نہ تھے اور نہ حاشا ان کا یہ مقصد تھا، واقعہ سے پہلے اشتر نخعی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تھا کہ اس شخص (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کے قتل کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے، فرمایا ''معاذ اللہ! میں اماموں کے امام کے قتل کا حکم دے سکتی ہوں۔'' [2]

---

[1] طبقات ابن سعد: جزء اہل مدینہ ترجمہ مروان بن حکم۔

[2] طبقات ابن سعد: جزء نساء، ص، ۳۵۶۔

بعض دشمنوں نے یہ افواہ اڑادی تھی کہ اس واقعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرکت بھی تھی۔ عجب نہیں کہ ان بدگمانوں کو بدگمانی کی وجہ یہ ہو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے چھوٹے بھائی محمد بن ابی بکر ان انقلابیوں کے لیڈروں میں تھے۔ لیکن ابھی گزر چکا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں فرمایا: ''خدا کی قسم! میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی کسی قسم کی بے عزتی ہو، اگر میں نے ایسا کبھی پسند کیا ہو تو ویسی ہی میری بھی ہو۔ خدا کی قسم! میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ وہ قتل ہوں اگر کیا ہو تو میں بھی قتل کی جاؤں۔ اے عبید اللہ بن عدی! (ان کے باپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے) تم کو اس علم کے بعد کوئی دھوکا نہ دے، اصحاب رسول کے کاموں کی تحقیر اس وقت تک نہ کی گئی، جب تک وہ فرقہ پیدا نہ ہوا، جس نے عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کیا، اس نے وہ کہا جو نہیں کہنا چاہیے، وہ پڑھا جو نہیں پڑھنا چاہیے، اس طرح نماز پڑھی جس طرح نہیں پڑھنی چاہیے، ہم نے ان کے کارناموں کو غور سے دیکھا تو پایا کہ وہ صحابہ کے اعمال کے قریب تک نہ تھے۔'' [1] اس اعلان سے زیادہ اس افواہ کے جھوٹے ہونے کی دلیل اور کیا چاہیے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عہد

غرض سارے مسلمانوں میں اس وقت ایک ہیجان اور تلاطم برپا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مختصر سی جماعت دیکھ رہی تھی کہ جس باغ کو اس نے اپنے رگوں کے خون سے سینچا تھا وہ پائمال ہوتا ہے، اصلاح کا علم بلند کیا، اس جماعت کے ارکان عظام حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ قریشی سابقین اسلام میں داخل، عہدِ نبوت میں معرکوں کے فاتح اور خلیفہ اول کے داماد اور رشتہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اسلام کے ہیرو، شجاعانِ اسلام میں داخل، حواری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے ملقب، رشتہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی، ہم زلف اور خلیفہ اول کے داماد تھے اور یہ دونوں اس جماعت میں شامل تھے، جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے لئے منتخب کیا۔

گزر چکا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابھی محاصرہ ہی میں تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے

---

[1] یہ پوری تقریر امام بخاری نے جزء خلق افعال العباد میں نقل کی ہے ص ۶۷ مطبع انصاری دہلی۔

سالانہ دستور کے مطابق حج کو چلی گئیں۔ واپس آ رہی تھیں کہ راستہ میں باغیوں کے ہاتھ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر معلوم ہوئی۔ آگے بڑھیں تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ملے، جو مدینہ سے بھاگے چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے بیان کیا:

ان تحملنا بقلتنا هراباً من المدينة من غوغاء و اعراب و فارقنا قوماً حيارى لا يعرفون حقاً ولا ينكرون باطلا ولا يمنعون انفسهم. [1]

''ہم لوگ مدینہ سے لدے پھندے بدوؤں اور عوام الناس کے ہاتھوں سے بھاگے چلے آتے ہیں اور لوگوں کو ان کے حال میں چھوڑا کہ حیران و سرگران ہیں، نہ حق کو پہچان سکتے ہیں نہ باطل سے انکار کر سکتے ہیں اور نہ اپنی حفاظت پر قادر ہیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ باہم مشورہ کرو کہ اس موقع پر ہم کو کیا کرنا چاہیے۔ پھر یہ شعر پڑھا:۔

ولو ان قومی طاوعتنی سراتهم لانقذتهم من الخبال او الخبل

اگر میری قوم کے سردار میری بات مانتے تو میں اُن کو خطرے سے باہر لے آتی

اس کے بعد وہ مکہ معظمہ واپس چلی آئیں، عام لوگوں کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو لوگ ہر طرف سے سمٹ کے ان کے پاس آنے لگے، انہوں نے طلب اصلاح کی دعوت دی، عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ ام المومنینؓ نے فرمایا کہ اس قوم کی طرح کوئی قوم نہیں جو اس آیت کے حکم سے اعراض کرتی ہو: [2]

﴿ وَ اِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ﴾ [۴۹/الحجرات:۹]

''اگر دو مسلمان جماعتیں لڑ جائیں تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو، پس اگر ایک دوسرے پر ظلم کرے تو ظلم کرنے والی سے لڑو، یہاں تک کہ حکم الٰہی کی طرف سے وہ رجوع کرے اور جب رجوع کرے تو دونوں میں صلح کرا دو۔''

---

[1] تاریخ طبری۔

[2] موطا امام محمد: باب التفسیر۔

اصلاح کی دعوت

مسلمان عورت کے فرائض

عہدِ نبوی ﷺ میں ایک صحابی نے اپنی لڑکی کا نکاح اس کے پوچھے بغیر کسی سے کر دیا۔ لڑکی نے بارگاہِ نبوی میں استغاثہ کیا، آپ نے باپ کو بُلا کر چاہا کہ نکاح فسخ کرا دیا جائے۔ لڑکی نے عرض کی۔ ''یارسول اللہ! ﷺ میں اب اس نکاح کو قبول کیے لیتی ہوں، میرا مقصد صرف یہ تھا کہ ہماری بہنوں کے ذاتی حقوق کی توضیح ہو جائے۔'' [1] اگر ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سیاست میں آئیں، تو وہ اس امر کا ثبوت ہے کہ مسلمان عورت کے حقوق کا دائرہ اتنا تنگ نہیں ہے جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اسلام کے حادثہ کا حال معلوم کر کے کیا کچھ صدمہ نہ ہوا ہوگا اور مسلمانوں کو اس ابتری کی حالت میں دیکھ کر ان کو کتنا دکھ ہوا ہوگا اور خصوصاً جب ان کو نظر آیا ہوگا کہ اس گتھی کو سلجھانے والا کوئی دوسرا نہیں، وہ فطرتاً نہایت بلند حوصلہ، جری اور پُر دل تھیں۔ آنحضرت ﷺ سے انہوں نے اجازت چاہی تھی کہ وہ جہاد میں شریک ہوا کریں آپ نے فرمایا کہ عورتوں کا جہاد [2] حج ہے۔ اس سے پہلے جب حجاب کا حکم نہ تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعض غزوات میں شریک رہی ہیں، ایک روایت کے مطابق وہ غزوہ بدر میں بھی گئیں۔ جنگ احد میں جب مسلمان خطرے کی حالت میں تھے اور بہادروں کے پاؤں اکھڑ رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پانچے چڑھائے مشک کاندھے پر لئے زخمیوں کو دوڑ دوڑ کر پانی پلا رہی تھیں۔ [3] غزوہ خندق میں جب مسلمان محصوری کی حالت میں تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زنانہ قلعہ سے نکل کر جنگ کی حالت دیکھتی تھیں۔ [4]

یہ صحیح ہے کہ عورت کے طبعی حالات، فرائض امامت کے منافی ہیں، اور خود اسلام نے امام کے لئے جو ضروری شرائط قرار دیئے ہیں، ان سے یہ جنس لطیف کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے وہ امامتِ جمہور اور خلافتِ الٰہی کے فرائض سے سبکدوش ہے۔ لیکن اس سے یہ غلط استناد نہیں کرنا چاہیے کہ کسی مسلمان عورت کو کسی حالت میں بھی پبلک کی سیاسی اور فوجی رہبری جائز نہیں، خصوصاً ایسی

---

[1] سنن نسائی: باب البکر یزوجھا ابوھا وھی کارھۃ۔ سنن دارقطنی: کتاب النکاح۔ مسند احمد۔

[2] صحیح بخاری: باب حج النساء۔ [3] صحیح بخاری: غزوہ احد۔

[4] مسند احمد: جلد ۶ ص ۱۴۱۔

حالت میں جب ساری ملت میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑک رہی ہو اور اس کے خیال میں مسلمانوں میں کوئی دوسرا اس فتنہ کو بجھانے والا نہ ہو۔ امام مالک اور امام طبری ایک اور روایت میں امام ابوحنیفہ اور بعض دوسرے اماموں کے نزدیک عورت کو امارت اور قضاء کا عہدہ مل سکتا ہے۔ [1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں بازار کا نظام ایک عورت کے سپرد کیا تھا۔ [2] خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب مسلمان عورتوں کے مجمع میں ہوتیں، اور نماز کا وقت ہوتا تو بیچ میں امام بن کر کھڑی ہوتیں۔ [3]

بہر حال یہ حج کا موسم تھا، اعلان کے ساتھ صرف حرمین کے ۶۰۰۰ آدمیوں نے لبیک کہا۔ ابن عامر اور ابن منبہ عرب کے دو رئیسوں نے کئی لاکھ درہم اور سواری کے اونٹ مہیا کیے۔ فوج کی روانگی کی سمت متعین کرنے کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی قیام گاہ پر مشورہ کا جلسہ ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے تھی کہ چونکہ سبائی اور عام باغی مدینہ ہی میں ہیں، اس لئے ادھر رخ کیا جائے، غالباً اگر ایسا ہوتا تو عجب نہیں کہ واقعہ کی صورت دوسری ہوتی، لیکن ایک مختصر مباحثہ کے بعد بصرہ کی جانب پیش قدمی مناسب سمجھی گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قافلہ کے ساتھ بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں، امہات المومنین اور عام مسلمانوں نے دور تک مُشَایَعَتْ کی، لوگ ساتھ چلتے جاتے اور روتے جاتے تھے۔ کہ آہ! اسلام پر کیا دردناک وقت آیا ہے کہ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے! اور مادرِ اسلام اپنے بچوں کی محبت میں حریم خلوت سے نکلتی ہے۔ بنی امیہ کے نوجوانوں کی فتنہ پردازی کے لئے اس سے بہتر موقع کیا ہاتھ آ سکتا تھا، اب تک وہ بھاگ بھاگ کر مکہ کے حرم میں پناہ لے رہے تھے اور چھپتے پھرتے تھے۔ اس دعوت کے ساتھ ہی یہ فاسد عنصر بھی تمام تر اس میں منضم ہو گیا۔ راہ میں اور بہت سے لوگ یہ سن کر کہ مادر اسلام اس فوج کی سر عسکر ہے، نہایت جوش وخروش سے شریک ہوتے چلے گئے منزل کے ختم پر تین ہزار کی جمعیت ہو گئی۔

بنوامیہ کا اصل مقصود اصلاح کی دعوت کو کامیاب کرنا نہ تھا، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مشکلات میں اضافہ کرنا تھا۔ ادھر یہ دیکھ کر کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سرپرستی میں ایک تیسری قوت اور نشوونما پا رہی ہے، جو ممکن ہے کہ ان کی دوسری حریف بن جائے، فوج میں مخفی سازشوں کا جال پھیلانا شروع کیا، چونکہ اس فوج میں متعدد ارباب اِدّعا تھے، اس لئے سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوا کہ کامیابی کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ میں سے خلیفہ کون ہو گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

[1] فتح الباری وقسطلانی: باب کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی کسریٰ [2] اسماء الرجال میں شفاء عدویہ کا حال پڑھو۔
[3] طبقات ابن سعد: جزء نساء ص ۳۶۰ وکتاب الام امام شافعی بسند جلد اول ص ۱۴۵۔

کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس شورش کو دبا دیا تو دوسرے فتنہ نے سر اٹھایا کہ خلافت کا فیصلہ تو بعد کو ہو گا، ان میں سے نماز کی امامت کا مستحق کون ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے بیٹوں کی ایک ایک دن کی باری مقرر کر دی۔ راہ میں حوأب کا تالاب آیا، کتوں نے اس بھیڑ بھاڑ کو دیکھ کر بھونکنا شروع کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی یاد آ گئی، کہ آپ نے ایک دفعہ اپنی بیویوں سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ ''خدا جانے تم میں سے کس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔'' اس پیشین گوئی کا یاد آنا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی واپسی کا عزم کر لیا، کئی دن تک قافلہ یہیں رکا رہا، بالآخر گاؤں کے پچاس آدمیوں نے شہادت دی کہ یہ حوأب نہیں ہے تب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اطمینان ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس فوج کا حال سن کر بصرہ کے ارادے سے مدینہ سے چل پڑے تھے، لوگوں نے غل کیا کہ چلو بڑھو، پیچھے سے علی رضی اللہ عنہ کا لشکر آ رہا ہے۔ قافلہ نے جلدی جلدی آگے قدم بڑھایا۔ یہ طبری وغیرہ تاریخ کی کتابوں کی روایت ہے۔ مسند احمد میں یہ واقعہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی بتصریح مذکور ہے:

قَالَتْ لَمَّا اَتَتْ عَلَى الْحُوابِ سَمِعَتْ نُبَاحَ الْكِلَابِ فَقَالَتْ مَا اَظُنُّنِيْ اِلَّا رَاجِعَةً اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَنَا اَيَّتُكُنَّ تَنْبَحُ عَلَيْهَا كِلَابُ الْحُوابِ فَقَالَ لَهَا الزُّبَيْرُ تَرْجِعِيْنَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يُّصْلِحَ بِكِ بَيْنَ النَّاسِ. [1]

''جب حوأب آیا تو کتوں کے بھونکنے کی آواز میں نے سنی۔ میں نے کہا: اب تو میں اپنے کو واپس ہونے والی سمجھتی ہوں۔ آپ نے ایک بار ہم لوگوں سے فرمایا تھا کہ تم میں سے کس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔ زبیر نے کہا: تم واپس جاؤ گی! شاید خدا تعالیٰ تمہارے سبب لوگوں میں صلح کرا دے۔''

ایک اور روایت میں یہ الفاظ اس طرح ہیں: [2]

فَقَالَ بَعْضُ مَنْ كَانَ مَعَهَا بَلْ تَقْدِمِيْنَ فَيَرَاكِ الْمُسْلِمُوْنَ

---

[1] مسند احمد: جلد ۶ ص ۹۷۔

[2] مسند ۶ ص ۵۲، یہ دونوں حدیثیں مسند میں اسماعیل بن ابی خالد کے واسطہ سے قیس بن ابی حازم سے مروی ہیں۔ قیس کو اکثر محدثین نے ثقہ اور ثبت کہا ہے لیکن بعضوں نے ان پر تنقید بھی کی ہے، اور ان کو ضعیف منکر الروایۃ اور ساقط الحدیث بھی کہا ہے اور ان کی حوأب والی اس روایت کی صحت میں کلام کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب)

فَيُصْلِحُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ذَاتَ بَيْنِهِمْ.

"آپ کے ہمراہیوں میں سے کسی نے کہا بلکہ آپ آگے بڑھیں کہ مسلمان آپ کو دیکھیں تو خدا ان کے درمیان صلح کرادے۔"

ان روایتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس پیش قدمی اور جماعت بندی سے اصلاح اور صلح کے سوا کچھ اور مقصود نہ تھا۔

مکۂ معظمہ، مدینہ منورہ اور بصرہ کے بعد عرب کا سب سے بڑا شہر کوفہ تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ یہاں کے امیر تھے، دونوں طرف کے وکلا اپنے اپنے فریق کی حقیقت کا ثبوت دے رہے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کو فتنہ سمجھا اور اپنے عام اثر اور خطبوں کے ذریعے سے لوگوں کو گوشہ گیری اور عزلت نشینی کی ہدایت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کوفہ کے رئیسوں کے نام خطوط روانہ کیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور امام حسن رضی اللہ عنہ یہاں شرکتِ دعوت کی غرض سے بھیجے گئے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی جامع مسجد میں موجودہ واقعات پر تقریر کی جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی منقبت بیان کرنے کے بعد انہوں نے کہا یہ سب صحیح ہے، لیکن خدا تمہارا امتحان لے رہا ہے کہ اس کے باوجود تم حق و باطل میں تمیز کر سکتے ہو یا نہیں۔ یہ تقریر مؤثر ثابت ہوئی اور کئی ہزار مسلمان ان کے ہم آواز ہو گئے، تاہم عام لوگوں کو پس و پیش رہا کہ ایک طرف ام المومنین رضی اللہ عنہا و حرم پیغمبر اور دوسری طرف نبی کا ابن عم اور داماد ہے، ان دونوں میں سے کس کا ساتھ دیا جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بصرہ کے قریب پہنچ کر اطلاع کے لئے چند اشخاص کو بصرہ روانہ کیا۔ شہر کے عرب سرداروں کے نام خطوط لکھے، بصرہ پہنچ کر بعض رئیسوں کے گھر گئیں، قبیلہ کا ایک سردار آمادہ نہ تھا، اس کو خود جا کر سمجھایا، اس نے کہا: "مجھے شرم آتی ہے کہ اپنی ماں کی بات نہ مانوں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے عثمان بن حنیف بصرہ کے والی تھے، انہوں نے عمران اور ابو الاسود کو تحقیق حال کے لئے بھیجا، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور والی کی طرف سے آمد کا سبب دریافت کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں حسب ذیل تقریر کی:

"خدا کی قسم! میرے رتبہ کے اشخاص کسی بات کو چھپا کر گھر سے نہیں نکل سکتے اور نہ کوئی ماں اصل حقیقت اپنے بیٹوں سے چھپا سکتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ قبائل کے آوارہ گردوں نے مدینہ پر، جو حرم محترم تھا حملہ کیا، اور وہاں فتنے برپا کیے اور فتنہ پردازوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ اس بنا پر وہ خدا کی لعنت کے مستحق ہیں، علاوہ بریں انہوں نے بے گناہ

خلیفۂ اسلام کو قتل کیا، معصوم خون کو حلال جان کر بہایا، جس مال کا لینا ان کو جائز نہ تھا، اس کو لوٹا، حرم محترم نبوی کی بے عزتی کی، ماہ مقدس کی توہین کی، [1] لوگوں کی آبروریزی کی، مسلمانوں کی بے گناہ مار پیٹ کی، اور ان لوگوں کے گھروں میں زبردستی اتر پڑے۔ جو ان کے رکھنے کے روادار نہ تھے۔ نقصان دہ رہے، نفع رساں نہیں۔ نیک دل مسلمانوں کو نہ ان سے بچنے کی قدرت ہے اور نہ ان سے مامون ہیں۔ میں مسلمانوں کو جن کو میں پیچھے چھوڑ آئی ہوں، ان سے کیا نقصان پہنچ رہا ہے اور یہ کن کن جرائم کے مرتکب ہیں، خدا فرماتا ہے: ﴿لَا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ ۢ بَيْنَ النَّاسِ﴾ [۴/النساء:۱۱۴] یعنی ان کی سرگوشی میں کوئی زیادہ فائدہ نہیں، لیکن یہ کہ خیرات یا عام نیکی یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرائیں۔ ہم اصلاح کی دعوت لے کر کھڑے ہوئے ہیں، جس کا اللہ اور رسول نے ہر چھوٹے بڑے اور زن و مرد کو حکم دیا ہے۔ یہ ہے ہمارا مقصد جس کی نیکی پر ہم تمہیں آمادہ کر رہے ہیں اور جس کی برائی سے تمہیں روکنا چاہتے ہیں۔''

یہ دونوں اشخاص یہاں سے اٹھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ رخصت ہوتے وقت پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان میں سے ایک سے خطاب کر کے کہا: ابوالاسود! دیکھنا تمہارا نفس تم کو دوزخ کی طرف نہ لے چلے، پھر یہ آیت پڑھی:

﴿كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾ [۵/المائدۃ:۸]

''خدا کے کام کے لئے آمادہ و سرگرم رہو اور انصاف کے گواہ بنو۔''

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ وفد کے ایک ممبر عمران نے جنگ سے کنارہ کشی کر لی اور بصرہ کے والی کو بھی یہی مشورہ دیا، لیکن وہ باز نہ آیا۔ جمعہ کا دن آیا، تو اس نے ایک شخص کو پہلے سے تیار کر کے مسجد میں بٹھا دیا کہ جب لوگ جمع ہو چکیں تو یہ تقریر کرنا:

''حاضرین! میرا نام قیس ہے، یہ لوگ جو باہر پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں، اور تم سے اعانت کے خواستگار ہیں، اگر ظالموں سے بھاگ کر آئے ہیں اور تم سے امن کے

[1] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ماہ ذوالحجہ میں شہید ہوئے تھے۔

طالب ہیں تو یہ صحیح نہیں کیونکہ وہ مکہ سے آئے ہیں، جہاں پرند تک کو کوئی چھو نہیں سکتا، اور اگر یہ، یہ سمجھ کر آئے ہیں کہ ہم سے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا انتقام لیں گے تو ہم عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل نہیں، میری بات مانو یہ جہاں سے آئے ہیں، وہیں انہیں واپس کر دو۔"

خطیب کا مغالطہ آمیز منطقی استدلال اپنا کام کر چکا تھا کہ دفعتہً ایک اور زبان آور صف سے نکل کر گویا ہوا:

"کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل ہم ہیں؟ نہیں؟ یہ لوگ اس لئے ہماری پاس آئے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو سزا دینے میں وہ ہماری اعانت اور ہمدردی حاصل کریں، اگر یہ سچ ہے جیسا کہ تم کہتے ہو کہ وہ اپنے گھر سے باہر کر دیئے گئے ہیں تو شہر یا شہر کی آبادی کون ان کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔؟"

یہ تقریر خطابت اور بلاغت کے اصول کی بنا پر پہلے سے کم نہ ثابت ہوئی۔

ادھر مجمع میں یہ تقریریں ہو رہی تھیں کہ ادھر سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی اپنے طرف داروں کے ساتھ میدان میں آ گئے۔ اول حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے تقریریں کی۔ ان تقریروں نے مخالفت اور موافقت کا تلاطم برپا کر دیا، یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہایت پُر جلال اور بلند آواز میں گویا ہوئیں۔ حمد و نعت کے بعد ان کی تقریر کے الفاظ یہ تھے:

"لوگ عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ ان کے عہدہ داروں کی برائیاں بیان کرتے تھے، مدینہ آ کر ہم سے صلاح و مشورہ پوچھتے تھے، ہم ان کو صلح و آشتی کے متعلق جو رائے دیتے تھے، وہ سمجھتے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی نسبت ان کو جو شکایتیں تھیں ان پر جب غور کرتے تھے تو ہم عثمان رضی اللہ عنہ کو بے گناہ، پرہیز گار، راست گفتار اور شور و غل کرنے والوں کو گنہگار، غدار اور دروغ گو پاتے تھے۔ ان کے دل میں کچھ تھا اور زبان پر کچھ، ان کی تعداد جب بڑھ گئی تو بے قصور اور بلا سبب عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں گھس گئے اور جس خون کا بہانا جائز نہ تھا، اس کو بہایا، جس مال کا لینا درست نہ تھا، اس کو لوٹا، جس سرزمین کا احترام ان پر فرض تھا، اس کی بے حرمتی کی۔"

ہاں ہشیار! وہ کام جواب کرنا ہے اور جس کے خلاف کرنا نازیبا ہے، وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں

کی گرفتاری اور کلام الٰہی کے احکام کا مضبوطی سے اجرا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے:

﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یُدۡعَوۡنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَہُمۡ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیۡقٌ مِّنۡہُمۡ وَ ہُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴾ [۳/آل عمران:۲۳]

''کیا ان کو نہیں دیکھتے، جن کو کتاب الٰہی کا ایک حصہ دیا گیا، کہ کتاب الٰہی کی طرف ان کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ فیصلہ کرے، پھر یہ حال ہے کہ ان کا ایک فرقہ اعراضانہ اس سے منحرف ہوتا ہے۔''

بعض کتابوں میں [1] اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب ایک اور تقریر منسوب ہے، جو زور بیان اور اسلوبِ بلاغت میں اس سے بہت زیادہ بلند ہے:

''لوگو! خاموش!! خاموش!!!'' اس لفظ کا سننا تھا کہ ہر طرف ایسا سناٹا معلوم ہوتا تھا کہ گویا منہ میں زبانیں کٹ کر رہ گئی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سلسلہ تقریر کو آگے بڑھایا:

''تم پر میرا مادری حق ہے اور مجھے نصیحت کی عزت حاصل ہے، مجھے اس کے سوا جو اپنے رب کا فرمانبردار بندہ نہیں، کوئی الزام نہیں دے سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر سر رکھے ہوئے وفات پائی، میں آپ کی چہیتی بیویوں میں سے ہوں، اللہ نے مجھے دوسروں سے ہر طرح محفوظ رکھا۔ [2] اور میری ذات سے مومن و منافق میں تمیز ہوئی۔ [3] اور میرے ہی سبب سے تم پر خدا نے تیمّم کا حکم صادر فرمایا۔

پھر میرا باپ [4] دنیا میں تیسرا مسلمان ہے، اور غارِ حرا میں دو کا دوسرا تھا، اور پہلا شخص تھا جو صدیق کے لقب سے مخاطب ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو اس سے خوش ہو کر اور اس کو خلافت کا طوق پہنا کر، اس کے بعد جب مذہب اسلام کی رسی ہلنے ڈلنے لگی تو میرا ہی باپ تھا جس نے اس کے دونوں سرے تھام لئے، جس نے

---

[1] یہ خطبہ ابن عبدربہ نے عقد الفرید کے باب الخطیب اور ذکر واقعہ جمل میں پورا نقل کیا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں (مقصد دوم ذکر جمل میں) اس کے ایک ٹکڑے کا حوالہ دیا ہے، احمد ابن ابی طاہر (المولود ۲۰۴ھ) نے بلاغت النساء میں اس تقریر کو نقل کیا ہے۔

[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی ایک کنواری بیوی تھیں۔ [3] واقعہ افک کی طرف اشارہ ہے۔ [4] اس کے ہم معنی مختصر خطبہ معجم طبرانی میں بروایت محمد بن حسن مذکور ہے ص ۲۱۸ مطبوعہ انصاری دہلی۔

نفاق کی باگ روک دی، جس نے ارتداد کا سرچشمہ خشک کر دیا، جس نے یہودیوں کی آتش افروزی سرد کی، تم اس وقت آنکھیں بند کئے غدر وفتنہ کے منتظر تھے اور شور وغوغا پر گوش برآواز تھے۔ اس نے شگاف کو برابر کیا، بیکار کو درست کیا، گرتوں کو سنبھالا، دلوں کی مدفون بیماریوں کو دور کیا، جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے انہیں تھان تک پہنچا دیا، جو پیاسے تھے ان کو گھاٹ پر لے آیا، اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے انہیں دوبارہ پلایا۔ جب وہ نفاق کا سر کچل چکا اور اہل شرک کے لئے لڑائی کی آگ مشتعل کر چکا اور تمہارے سامنے کی گٹھڑی کو ڈوری سے باندھ چکا تو خدا نے اسے اٹھالیا۔

وہ اپنے بعد ایک ایسے شخص کو اپنا جانشین بنا گیا، جس کی طرف اگر جھکتے تو محافظ بن جاتا، گمراہی سے اس قدر دور جتنی دور مدینہ کی دونوں پہاڑیاں [1]، دشمنوں کی گوشمالی اور جاہلوں سے درگزر کرتا، اسلام کی نصرت میں راتوں کو جاگا کرتا، اپنے پیشرو کے قدم بہ قدم چلا، فتنہ وفساد کے شیرازہ کو درہم برہم کیا، قران میں جو کچھ تھا اس کی ایک ایک چول بٹھا دی۔

ہاں! میں لوگوں کے سوال کا نشانہ بن گئی ہوں کہ کیونکر فوج لے کر نکلی، میرا مقصد اس گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں ہے، جس کو میں پامال کرنا چاہتی ہوں۔ جو کچھ کہہ رہی ہوں، سچائی اور انصاف کے ساتھ، حجت اور تنبیہ کے لئے۔ خدائے پاک سے دعا ہے کہ وہ اپنے پیغمبر پر درود نازل کرے، اور اس کا جانشین پیغمبروں کی جانشینی کے ساتھ تم پر مقرر کر دے۔“

یہ تقریر اس قدر موثر تھی کہ لوگ ہمہ تن گوش تھے، تقریر کا ایک ایک حرف دشمنوں کے دلوں میں بھی تیر بن کر پیوست ہو گیا اور بے اختیار بول اٹھے، خدا کی قسم! سچ فرماتی ہیں اور اپنی صف سے نکل کر اصلاح طلب فوج کے پہلو میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ جو بدگمان تھے، انہوں نے اس پر اعتراض کئے دوسروں نے ان کا جواب دیا۔

اب فریقین میں سوالات وجوابات شروع ہو گئے، اور آخر بڑھتے بڑھتے معاملہ نے طول پکڑا۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی جماعت کو واپسی کا حکم دیا، والی بصرہ کے طرفداروں

---

[1] اس فقرہ کا ترجمہ مشکوک ہے۔

میں جن لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تقریر سن کر اپنی رائے بدل دی تھی وہ بھی اپنی جماعت کو چھوڑ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر گاہ میں چلے آئے۔

دوسرے دن دونوں طرف سے فوجیں آراستہ ہو کر میدان میں آئیں، حکیم نامی ایک شخص مخالف سواروں کا افسر تھا، اس نے خود جنگ میں پیش دستی کی، اصلاح طلب فوج اب تک نیزے تانے خاموش کھڑی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا برابر سکون اور تحمل کی تاکید کر رہی تھیں لیکن حکیم کسی طرح باز نہ آیا، اور آخر کار حملہ کر ہی بیٹھا، اصلاح طلب پھر بھی ہاتھ روکے رہے۔ حکیم نے اپنے سواروں کو للکارا کہ یہ قریش ہیں، ان کی نامردی خود ان کو موت کے منہ میں لے جائے گی، لوگ گلی کے موڑ پر کھڑے تھے کہ کوٹھوں اور چھتوں سے ہر فریق کے طرف داروں نے دوسروں پر پتھر برسانا شروع کیا اور آخر کشت وخون تک نوبت پہنچی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھ کر اپنی فوج کو پیچھے ہٹا لیا اور دوسرے میدان میں لا کر کھڑا کیا، مخالف اس پر باز نہ آئے، اور پتہ لگا کر وہاں بھی پہنچے اور شورش پر آمادہ ہوئے، لیکن رات ہو چکی تھی، اس لئے واپس چلے گئے۔

صلح جو اشخاص نے چاہا کہ معاملہ صاف ہو کر طے پا جائے، ابو الجرباء تمیمی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ سے گفتگو کی، سب نے ان کی رائے تسلیم کی، اور یہاں سے بھی ہٹ کر دوسری جگہ پڑاؤ ڈالا، صبح ہوئی تو والی بصرہ کی فوج پھر سامنے تھی، حکیم راستہ سے گزر رہا تھا اور غصہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ناشائستہ کلمات کہہ رہا تھا، ایک قیسی نے پوچھا، یہ ناسزا کلمے کس کی نسبت کہہ رہے ہو، دریدہ دھنی سے بولا عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت۔ اس نے بے تاب ہو کر کہا: اے خبیث ماں کے بچے! یہ ام المومنین کی شان میں کہتا ہے، حکیم نے نیزہ مارا تو اس کے سینہ کے پار تھا، آگے بڑھا تو ایک عورت نے یہی سوال کیا، اس کو بھی جواب نیزہ ہی کی زبان سے ملا۔ عبدالقیس کا قبیلہ حکیم کے اس فعل سے ناراض ہو کر ناطرف دار بن گیا۔

مخالفین اب پورے طور پر تیار ہو چکے تھے انہوں نے عام حملہ شروع کر دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے منادی قسمیں دے دے کر روک رہا تھا، لیکن وہ کسی طرح نہیں مانتے تھے آخر ادھر بھی لوگ اپنا بچاؤ کرنے لگے، اور لڑائی شروع ہو گئی، حملہ آوروں کی لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں، یہ دیکھ کر امان امان کی آوازیں بلند کیں، فریقین نے اس شرط پر صلح کر لی کہ بصرہ سے ایک سفیر بارگاہ خلافت کو بھیجا جائے، وہاں مجمع عام میں وہ دریافت کرے کہ طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بخوشی حضرت

علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی یا ان کو زبردستی اس پر مجبور کیا گیا، پہلی صورت میں بصرہ ان کے حوالہ کر دیا جائے گا ورنہ وہ خود بصرہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

سفیر جب مدینہ پہنچا تو اتفاق سے جمعہ کا دن تھا، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور عام مسلمان مسجد نبوی میں جمع تھے۔ اس نے حاضرین کو بلند آواز سے خطاب کیا: ''اے اہل مدینہ! میں بصرہ کی طرف سے سفیر بن کر آیا ہوں، ان دونوں بزرگوں نے (حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما) برضا ورغبت بیعت کی ہے، یا اس پر وہ زبردستی مجبور کئے گئے ہیں؟ تمام مجمع پر خاموشی چھا گئی کہ دفعتاً ایک آواز نے خاموشی کا پردہ چاک کیا، یہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند متبنیٰ) کی آواز تھی، ان دونوں نے بخوشی بیعت نہیں کی بلکہ بجبر اُن سے بیعت لی گئی۔ حضرت سہل بن حنیف انصاری (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسلامی بھائی [1]) نے اُچک کر ان کو لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت صہیب رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''خدایا! ہاں یہ سچ ہے۔'' اس کے بعد حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو چھوڑا کر گھر پہنچا دیا اور ان سے کہا آخر جس طرح ہم لوگ خاموش رہے، تم کیوں نہیں رہے۔

راہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صلح کی شرطیں معلوم ہوئیں، تو انہوں نے والیٔ بصرہ کو خط لکھا ''اگر ان لوگوں سے زبردستی بھی بیعت لی گئی ہے تو صرف اس لئے کہ مسلمانوں میں افتراق اور جماعت بندی نہ پیدا ہو جائے۔''

بصرہ کے سفیر نے واپس آ کر مدینہ کا حال بیان کیا، مخالفین نے اس کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خط پیش کیا، ابھی یہ گفت وشنید جاری تھی۔ اتفاق سے ایک اور واقعہ پیش آیا، صلح کے زمانہ میں دونوں فریق ایک جگہ ایک ہی مسجد میں ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، نہیں معلوم اتفاقاً یا قصداً ادھر کے لوگوں نے اپنی طرف سے ایک آدمی کو امام بنا کر نماز شروع کر دی، چالیس عجمی نژاد اشخاص تلواریں گھسیٹ کر ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے ادھر سے بھی جواب دیا گیا اور والی کو گرفتار کر لیا گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو اس کو آزاد کر دیا، اور فوج میں منادی کرا دی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے سوا کسی اور سے تعرض نہ کیا جائے گا، اس لئے عام لوگ ہتھیار ڈال دیں، لیکن حکیم نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی، اور جنگ کو برابر جاری رکھا، ایک دستہ نے شب کو موقع پا کر

[1] تہذیب واصابہ بحوالہ ابن سعد۔

چاہا کہ چھپ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی منزل گاہ پر پہنچ جائے اور ان کا کام تمام کردے، دہلیز تک پہنچ چکا تھا کہ راز فاش ہوگیا، آخر جنگ کا خاتمہ اصلاح پسندوں کی کامیابی پر ہوا۔ بصرہ پر قبضہ کرلیا گیا، شہر کے اکثر باشندوں نے اطاعت قبول کرلی، بصرہ کے خزانہ سے سپاہیوں کی تنخواہیں تقسیم ہوئیں، کوفہ، دمشق، مدینہ وغیرہ ممتاز شہروں میں فتح نامے بھیجے گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو خط کوفہ کے امراء کے نام لکھا وہ حسب ذیل تھا:

''امابعد! میں تمہیں اللہ عزوجل اور اسلام کی یاد دلاتی ہوں، کتاب الٰہی کو اس کے احکام کے اجراء سے قائم رکھو، خدا سے ڈرو اور اس کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو، اور اس کی کتاب کا ساتھ نہ چھوڑو، ہم نے بصرہ کے لوگوں کو کتاب الٰہی کی اقامت کی دعوت دی، صلحائے امت نے ہماری دعوت قبول کی، اور جن میں بہتری نہ تھی انہوں نے تلوار سے ہمارا مقابلہ کیا اور کہا کہ تمہیں بھی ہم عثمان کے ساتھ روانہ کر دیتے ہیں، عناد سے انہوں نے ہم کو کافر بنایا، اور ہماری نسبت ناز یبا باتیں کہیں، ہم نے ان کو قرآن کی آیت پڑھ کر سنائی:۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ...... ﴾ [۳/آل عمران:۲۳]

''ان کو نہیں دیکھتے جن کو کتاب الٰہی کا ایک حصہ دیا گیا ان کو کتاب اللہ کی طرف دعوت دی جاتی ہے تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، لیکن وہ اعراض کرتے ہیں۔''

یہ سن کر کچھ لوگوں نے ہماری اطاعت قبول کرلی اور بعضوں نے اختلاف کیا، ہم نے انہیں چھوڑ دیا، لیکن باوجود اس کے بھی انہوں نے ہمارے ساتھیوں پر تلواریں چلائیں۔ عثمان بن حنیف والیٔ بصرہ نے انہیں قسم دی کہ وہ مجھ سے لڑیں، لیکن خدائے پاک نے اپنے نیک بندوں کے ذریعہ سے میری مدد کی اور ان کی سازشی تدبیریں ان ہی پر لوٹا دیں۔ ہم نے ۲۶ روز تک ان کو کتاب الٰہی کے احکام کی دعوت دی، یعنی یہ کہ مجرموں کے علاوہ اور بے گناہوں کی خون ریزی سے احتراز کیا جائے۔ انہوں نے ہمارے خلاف دلائل قائم کیے، تاہم ہم نے صلح کرلی، لیکن

انہوں نے بدعہدی اور خیانت کی اور فوج جمع کی۔ اللہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا سامان کردیا، ایک شخص کے سوا اُن شورش پسندوں میں سے کوئی اور نہیں بچا، خدا نے قیس ور باب وازد کے قبیلوں کے ذریعہ سے ہماری اعانت فرمائی۔ اب دیکھو! عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے سوا جب تک اللہ ان سے اپنا حق نہ لے لے، اوروں سے اچھی طرح پیش آؤ، لیکن ان خیانت کاروں کی طرف داری نہ کرنا، نہ ان کی حفاظت کرنا، نہ ان لوگوں سے جو سزائے الٰہی کے مستوجب ہیں، رضامندی ظاہر کرنا، تا کہ ایسا نہ ہو کہ تمہارا شمار بھی انہی ظالموں میں ہو جائے۔"

مخصوص اشخاص کے نام جو خط تھا، اس کی عبارت یہ تھی:

"امابعد! لوگوں کو ان کی مدد اور حفاظت سے باز رکھو، اپنے اپنے گھروں میں گوشہ نشین ہو جاؤ، اس جماعت نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو کچھ کیا، امت کے اتحاد باہمی کو جس طرح پراگندہ کیا، کتاب الٰہی اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ اسی پر بس نہیں کی، بلکہ احکام دینی اور کتاب الٰہی پر لوگوں کو آمادہ کرنے کے سبب اس نے ہم کو کافر بنایا، اور ہماری نسبت نازیبا باتیں کہیں، صلحائے امت نے ان کی مخالفت کی، اور ان کے اس فعل کو بڑا گناہ سمجھا اور ان کو خطاب کر کے کہا تم امام کے قتل پر قانع نہیں ہو، اپنے پیغمبر کی بیوی سے اس لئے بغاوت کرتے ہو کہ وہ تم کو حق کا فرمان دیتی ہیں، اور چاہتے ہو کہ ان کو اور پیغمبر کے ساتھیوں اور اسلام کے رہبروں کو قتل کر ڈالو، لیکن وہ اور عثمان بن حنیف (والیٔ بصرہ) جاہل عوام اور عجم زادوں کی جمعیت لے کر لڑنے پر آمادہ ہوا۔ ہم نے چھاؤنی کے کچھ سپاہیوں کی حفاظت کی، چھبیس دن تک یہی حال رہا، ہم ان کو حق کی طرف بلاتے تھے اور کہتے تھے کہ حق کے درمیان حائل نہ ہو جاؤ لیکن انہوں نے غداری اور خیانت کی، طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کا بہانہ کرتے تھے، آخر ایک سفیر دریافت حال کے لئے مدینہ بھیجا، وہ اصلی واقعہ دریافت کر کے آیا۔ انہوں نے پھر بھی حق کو نہ پہچانا، اور اسی پر صبر نہ کیا، بلکہ ایک دفعہ تاریکی میں چھپ کر میرے قیام گاہ میں گھس آئے کہ مجھے مار ڈالیں، وہ دہلیز تک پہنچ چکے تھے، ایک آدمی انہیں آگے آگے راستہ بتا رہا تھا کہ قیس ارباب اور

ازد کے چند آدمی میرے در پر پہرہ دیتے ان کو ملے، لڑائی کی چکی نے گردش کی، اور مسلمانوں نے ان کو قتل کر ڈالا۔ خدا نے تمام اہل بصرہ کو طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کی رائے پر متفق کر دیا ہے، قصاص کے لینے کے بعد ہم معاف کر دیں گے۔" یہ واقعہ ۲۶ ربیع الآخر ۳۶ھ کو واقع ہوا۔

جنگ جمل

حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے ۷۰۰ آدمی لے کر چلے تھے، کوفہ سے سات ہزار آدمی ان کے ساتھ ہوئے، بصرہ پہنچتے پہنچتے بیس ہزار کی جمعیت ہوگئی۔ ادھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تیس ہزار آدمی تھے، دونوں فوجیں آمنے سامنے آ کر میدان جنگ میں خیمہ زن ہوئیں۔ مضر، مضر کے مقابل، ازد، ازد کے سامنے، یمنی، یمنیوں کے محاذی، غرض ہر قبیلہ خود اپنے قبیلہ کا حریف بن کر اترا۔ اس سے زیادہ درد انگیز منظر یہ تھا کہ دل گو درد محبت سے بے تاب تھے، تاہم اپنے سیاسی عقیدہ کے مطابق ایک ہی ماں کے دو جگر پاروں میں ایک ادھر تھا ایک ادھر، دونوں کو حق دو جگہ نظر آتا تھا اور حق طلبی کا جوش برادرانہ محبت پر غالب تھا۔

یہ دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں، ہر مسلمان کا دل خون تھا کہ کل تک جو تلواریں دشمنوں کے سر اڑاتی تھیں! اب وہ خود دوستوں کے سر و سینہ کو زخمی کریں گی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس منظر کو دیکھا، تو فرمایا: "آہ مسلمان جب زور و قوت میں پہاڑ بن گئے تو خود ٹکرا کر چور چور ہو جانا چاہتے ہیں۔" ایک دوسرے کو اپنے برسرِ حق ہونے کا اس قدر پختہ یقین تھا کہ کوئی اپنی جگہ سے ایک قدم ہٹنا نہیں چاہتا تھا، کوفہ کے بعض قبیلوں کے رئیسوں نے اپنے بصری قبائل کی مسجدوں میں گئے، اور ان کو اس فتنہ سے کنارہ کشی کی دعوت دی، سب نے بیک آواز کہا، کیا ہم ام المومنین کو تنہا چھوڑ دیں گے۔

تاہم دونوں طرف لوگوں کو یقین تھا کہ معاملہ جنگ تک طول نہ کھینچے گا، بلکہ باہمی صلح سے ہو جائے گا۔ ایک قبیلہ کے رئیس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صلح کی تحریک کی، وہ کہنے سے پہلے راضی تھے۔ وہاں سے اٹھ کر وہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا۔ اس نے پوچھا: ام المومنین رضی اللہ عنہا! اس مہم سے آپ کی غرض کیا ہے؟ فرمایا: "عثمان کے کے قاتلوں کی سزا اور اصلاح کی دعوت۔" اس نے کہا: اُم المومنین! غور فرمائیے کہ پانچ سو آدمیوں کی سزا کے لئے آپ نے پانچ ہزار کا خون بہایا اور پانچ ہزار کے لئے ہزاروں کا خون بہانا ہوگا، کیا یہ

اصلاح ہے؟ انداز تقریر اس قدر بلیغ اور مؤثر تھا کہ کوئی جواب نہ دے سکا اور سب نے صلح پر رضا مندی ظاہر کی اور سب صاحبوں نے مل کر باہم فیصلہ کرلیا۔ [1]

اب ہر فریق مطمئن ہوگیا، جنگ وجدل کا خیال یک قلم دلوں سے محو ہوگیا، صلح کے استحکام اور دیگر معاملات کے باسانی اور بہ آشتی طے ہوجانے میں کوئی شک نہ تھا، لیکن عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا جو فاسد عنصر ادھر شامل تھا اس نے دیکھا کہ اگر حقیقت میں صلح ہوگئی تو ہم محفوظ نہیں رہ سکتے اور پھر ہماری برسوں کی محنت اکارت جاتی ہے۔ سبائی فرقہ کی کثیر تعداد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی، دونوں فریق رات کے پچھلے پہر جب آرام کی نیند سو رہے تھے، سبائیوں نے پیش دستی کرکے شب خون مارا، [2] دفعتہً ان چند شراروں نے ہر جگہ آگ لگادی، حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو روک رہے تھے مگر کوئی نہیں سنتا تھا، ہر شخص بدحواس ہوکر ہتھیار کی طرف جھپٹ رہا تھا، ہر فریق کے رئیس یہ سمجھے کہ دوسرے نے غفلت پاکر بدعہدی کی۔

صبح تک یہ تلاطم برپا رہا، شوروغل سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ لوگوں نے جنگ شروع کردی۔ بصرہ کے قاضی کعب بن سور نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آکر عرض کی کہ آپ سوار ہوکر چلیں، شاید آپ کے ذریعہ سے لوگ صلح کرلیں۔ [3] وہ آہنی ہودج میں اونٹ پر سوار ہوکر اپنی فوج کے قلب میں آئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ تینوں صاحب گھوڑوں پر سوار ایک جگہ مل کر کھڑے ہوئے، آہ کیسا پراثر منظر ہے کہ بدر و احد کے ہیرو اب خود دست وگریبان ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی یاد دلائی، دفعتہً دونوں بزرگوں کو بھولا ہوا خواب یاد آگیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کی باگ موڑی اور میدان سے باہر نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ ابن جرموز نام ایک سبائی نے دیکھ لیا، وہ پیچھے چلا، ایک بادیہ میں آکر جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نماز میں مصروف اور سربسجود تھے، ظالم نے ان کو ایسی تلوار ماری کہ سر دھڑ سے الگ ہوگیا، سر اور تلوار لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ آپ آبدیدہ ہوگئے، فرمایا: ''یہ وہی تلوار ہے جس نے کئی دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے مشکلات کا بادل ہٹایا ہے۔''

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی واپسی کا عزم کررہے تھے کہ مروان اموی کی نظر پڑگئی، سمجھا کہ ان کی زندگی خاندان اموی کے لئے سنگ راہ ہے، زہر میں بجھا ہوا ایک تیر ایسا تاک کر مارا کہ گھٹنے میں پیوست ہوگیا، خون کسی طرح نہ تھما، اور آخر اسی حالت میں جان دے دی۔ کعب بن سور کو حضرت

---

[1] تاریخ طبری: جلد۶۔ [2] تاریخ طبری: جلد۶ ص ۳۱۸۲_۳۱۸۳۔ [3] تاریخ طبری: جلد۶ ص ۳۱۸۸۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا قرآن دیا کہ لوگوں کو یہ دکھا کر صلح کی دعوت دو، وہ قرآن کھول کر دونوں صفوں کے درمیان کھڑے ہوئے۔ شریروں نے ادھر سے ایسا تیر مارا کہ جاں بحق ہو گئے۔

دو پہر ہو گئی تھی چونکہ اچانک حملہ ہوا فوج کے جو جزل تھے، انہوں نے اس فتنہ سے کنارہ کشی کر لی تھی، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوج کا پہلو کمزور ہو گیا تھا۔ لڑنے والے کون تھے، بھائی بھائی، حملہ میں ہاتھ پاؤں پر وار کرتے تھے، سر و سینہ کو بچا جاتے تھے کہ مقصود اس غیر متوقع جنگ کو روک دینا تھا، ہر جگہ کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں کا ڈھیر تھا۔

سبائیوں کا ارادہ تھا کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہاتھ آ گئیں تو وہ سخت تحقیر کے ساتھ پیش آئیں گے۔ (1) چنانچہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بعد اہل کوفہ ان پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے (2) ان کے طرف داروں نے ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر ان کو اپنے حلقہ میں لے لیا، مصری قبائل اور ان میں بھی بنو عدی اور بنو ضبہ کے آدمی جوش سے بپھرے ہوئے تھے، ادھر سے دشمنوں کا ریلہ تھا، ادھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے داہنے بکر بن وائل، بائیں ازد، سامنے بنو ناجیہ، مادرِ اسلام کی عزت و احترام کے لئے اپنی اپنی جانیں فرزندانہ فدویت کے ساتھ نثار کر رہے تھے، اونٹ اپنی جگہ پر کھڑا تھا، آہنی ہودج تیروں کی پیہم بارش سے چھلنی ہو رہا تھا، پر جوش بیٹے آگے پیچھے داہنے بائیں اس ریلے کو پیچھے ہٹا رہے تھے، زبان پر رجز کے فخریہ اشعار تھے۔ بنو ازد کا نعرہ تھا:

يَا اُمَّنَا يَا خَيْرَ اُمٍّ نَعْلَمُ اَمَاتَرَيْنَ كَمْ شِجَاعٍ يُكْلَمُ

اے ہماری ماں! اے ہماری بہتر ماں! جس کو ہم جانتے ہیں۔ آپ نہیں دیکھتیں کہ کتنے بہادر زخمی کئے گئے

و تختلے هامته والمعصم اور ان کے سر اور ہاتھ کاٹ ڈالے گئے

اب ہر طرف یہ شور تھا کہ اونٹ کو جب تک مار کر بٹھا نہ دیا جائے گا، جنگ کا خاتمہ نہ ہوگا، بنو ضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے تھے، حملہ آوروں میں سے جو شخص ادھر کا رخ کرتا واپس نہ جاتا۔ ان کی زبان پر یہ اشعار جاری تھے:

---

(1) چنانچہ یہی لوگ جب خوارج بن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے الگ ہوئے تو ان پر جو الزامات انہوں نے قائم کئے اس میں ایک یہ بھی تھا کہ تم اپنی ماں کو لونڈی بنانا چاہتے تھے۔

(2) تاریخ طبری جلد ۶ ص ۳۱۹۳۔

نحن بنو ضبة لا نفرّ
ہم ضبہ کے فرزند ہیں، بھاگے نہیں
یخر منها العلق المحمر
حتى نرى جماجما تخرّ
جب تک سروں کو گرتے اور اُن سے سرخ خون کو بہتے نہ دیکھ لیں۔
یَا اُمَّنَا یا عیش لن تراعی
اے ہماری ماں اے عائشہ رضی اللہ عنہا! گھبرائیے نہیں
کل بنیک بطل شجاع
آپ کے سب بیٹے دلیر اور بہادر ہیں
یَا اُمَّنَا یَا زَوجَةَ النَّبِیّ
اے ہماری ماں، اے پیغمبر کی بیوی
یَا زَوجَةَ الْمُبَارَکِ الْمَهْدِیّ
اے بابرکت وہدایت یاب شوہر کی بیوی

لیکن ان کا سب سے زیادہ پُر جوش قومی نعرہ یہ تھا:

نَحْنُ بَنُو ضَبَّةَ اَصْحَابُ الْجَمَلْ
ہم ضبہ کے بیٹے اور اس اونٹ کے پاسبان ہیں
اَلْمَوْتُ اَحْلٰی عِنْدَنَا مِنَ الْعَسَلْ
موت ہمارے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے
نَحْنُ بَنُو الْمَوْتِ اِذَا الْمَوْتُ نَزَلْ
ہم موت کے آغوش میں پلے ہیں جب موت اترتی ہے
نَنْعِیُ ابْنَ عَفَّانَ بِاَطْرَافِ الْاَسَلْ
ہم عفان کے بیٹے عثمان کی موت کی خبر کا اعلان نیزوں کی نوکوں سے کرتے ہیں۔
رُدُّوْا عَلَیْنَا شَیْخَنَا ثُمَّ بَجَلْ
ہمارے سردار کو واپس کر دو پھر کوئی بات نہیں

جوش کا یہ عالم تھا کہ بنوضبہ کا ایک ایک آدمی آگے بڑھتا اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر کھڑا ہو جاتا وہ کام آتا تو دوسرا اس فرض کو انجام دینے کو آگے بڑھتا، وہ مارا جاتا تو تیسرا دوڑ کر نکیل تھام لیتا، اسی طرح ستر آدمیوں نے اپنی جانیں دیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پاس کھڑے تھے جس نے دشمنوں میں سے اونٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا، اس کا ہاتھ اڑا دیا، کہتے ہیں فضا میں گلّیوں کی طرح ہاتھ اڑ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ بھیڑ کے چھانٹنے کو خود آگے بڑھے، اشتر نخعی (اصلی نام مالک) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قریب پہنچ گئے، دونوں مشہور بہادر تھے، تلواروں کے ردوبدل ہونے لگے، دونوں زخمی ہو گئے تو دوڑ کر ایک دوسرے کو لپٹ گئے، ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے چلا کر کہا:

اُقْتُلُوْنِیْ وَ مَالِکًا
مجھ کو اور مالک کو مار ڈالو
اُقْتُلُوْا مَالِکًا مَعِیْ
میرے ساتھ مالک کو بھی مار ڈالو

اشتر کہتے تھے کہ مالک کے نام سے مجھ کو لوگ جانتے نہ تھے، ورنہ میری بوٹی بوٹی اڑا دیتے، بنو ضبہ کے کچھ لوگ ادھر سے بھی شریک تھے، یہ دیکھ کر کہ اونٹ ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا تو ہمارا

قبیلہ اس طرح کٹ کٹ کر مرجائے گا، ایک ضبّی پیچھے سے آیا اور اونٹ کے پچھلے پاؤں پر ایسی تلوار ماری کہ اونٹ دھم سے گر پڑا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر اور محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر ہودے کو سنبھالا۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے اندر ہاتھ لے جا کر دیکھنا چاہا کہ کہیں زخم تو نہیں آیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ڈانٹا کہ یہ کس ملعون کا ہاتھ ہے؟ تمہارے بھائی محمد کا، بہن! کوئی چوٹ تو نہیں آئی۔ فرمایا تم محمد نہیں، مذمم ہو، اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پہنچے، انہوں نے خیریت دریافت کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اچھی ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو ان کے طرف دار بصری رئیس کے گھر اتارا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوج کے تمام زخمیوں نے اسی گھر کے ایک ایک گوشہ میں آ آ کر پناہ لی۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ ملنے آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ اس گھر میں زخمی پناہ گزیں ہیں مگر انہوں نے کسی سے کچھ تعرض نہیں کیا۔ اس کے بعد بحرمت تمام محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی نگرانی میں چالیس معزز عورتوں کے جھرمٹ میں ان کو حجاز کی طرف رخصت کیا، عام مسلمانوں نے اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دور تک مشایعت کی، امام حسن رضی اللہ عنہ میلوں تک ساتھ گئے۔ چلتے وقت تمام مجمع کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اقرار کیا کہ مجھ کو علی رضی اللہ عنہ سے نہ کسی قسم کی کدورت تھی، اور نہ اب ہے، ہاں! ساس داماد میں کبھی کبھی جو بات ہو جایا کرتی ہے، اس کی میں نفی نہیں کرتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس قسم کے الفاظ فرمائے اس کے بعد یہ مختصر قافلہ حجاز کی طرف روانہ ہوا۔ [1]

حج کے چند مہینے باقی تھے، اتنے عرصہ تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مکہ معظمہ میں بسر کیا۔ پھر وہ بدستور روضۂ نبوی کی مجاور تھیں اور اپنی اس اجتہادی غلطی پر کہ اصلاح کا جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا تھا، وہ کہاں تک مناسب تھا۔ ان کو عمر بھر افسوس رہا۔

ابن سعد میں ہے کہ وہ کہا کرتی تھیں: اے کاش! میں درخت ہوتی، اے کاش! میں پتھر ہوتی، اے کاش! میں روڑا ہوتی، [2] اے کاش! میں نیست و نابود ہوتی۔ [3]

تاریخ طبری میں ہے کہ ایک دفعہ ایک بصری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ملاقات کو آیا۔ پوچھا کہ تم ہماری لڑائی میں شریک تھے؟ اس نے کہا: ہاں! پوچھا کہ تم اس کو جانتے ہو؟ جو یہ رجزیہ

---

[1] اس فصل کے تمام واقعات حرفاً حرفاً تاریخ طبری جلد ہشتم سے ماخوذ ہیں، افسوس کہ ان واقعات کے متعلق اس سے زیادہ معتبر سند ہمارے پاس کوئی اور نہیں، حدیث کی کتابوں میں یہ واقعات مذکور نہیں۔

[2] طبقات ابن سعد: جزء نساء ص ۵۱، مطبوعہ لائیڈن۔ [3] ایضاً۔

شعر پڑھتا تھا: ''یَا اُمَّنَا یَاخَیْرَ اُمٍّ نَعْلَمُ'' اس نے کہا: وہ میرا بھائی تھا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ وہ اس کے بعد اس قدر روئیں کہ میں سمجھا کہ پھر کبھی چپ نہ ہوں گی۔ بخاری میں ہے کہ وفات کے وقت انہوں نے وصیت کی کہ مجھے روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے ساتھ دفن نہ کرنا۔ بقیع میں اور ازواج کے ساتھ دفن کرنا۔ (1) میں نے آپ کے بعد ایک جرم کیا ہے۔ (2) ابن سعد میں ہے کہ جب وہ یہ آیت پڑھتی تھیں:

﴿وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ﴾ [۳۳/الاحزاب:۳۳]

''(اے پیغمبر کی بیویو!) اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔''

تو اس قدر روتی تھیں کہ روتے روتے آنچل تر ہو جاتا تھا۔ (3)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باہمی ملالِ خاطر کی تردید

بعض کور باطنوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اس جنگ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرکت کا اصلی سبب یہ تھا کہ چونکہ واقعۂ افک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے دی تھی کہ آپ چاہیں تو ان کو الگ کر سکتے ہیں۔ اس بنا پر ان کی طرف سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ملال خاطر تھا، لیکن جنگ کی ساری روداد تمہارے سامنے ہے، اور اسی غرض سے تطویل کے باوجود ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جنگ کے زمانہ کے تمام خطوط اور خطبے نقل کر دیئے ہیں۔ ان میں کہیں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف روئے سخن ہے؟ جنگ بالکل اتفاقی تھی اور معتمدین جرم کے سوا دونوں فریق بے قصور تھے۔

یہ سچ ہے کہ واقعہ کے لحاظ سے ان کو سبائیوں کے اس دعویٰ سے انکار تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت کی وصیت کی، فرماتی تھیں کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گود میں سر رکھے ہوئے انتقال فرمایا، آپ نے وصیت کس وقت کی۔'' (4) لیکن اس سے باہمی ناگواری خاطر کا ثبوت نہیں ہوتا، یہ ایک واقعہ کا تاریخی بیان ہے۔ ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا:

﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَّ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ﴾ [۳۵/فاطر:۳۲]

---

(1) صحیح بخاری: کتاب الجنائز۔ (2) مستدرک حاکم، جزء عائشہ رضی اللہ عنہا۔

(3) جز نساء ص ۵۶ واقدی بروایت سفیان ثوری۔ (4) صحیح بخاری: باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۶۴۱۔

''پھر ہم نے کتاب الٰہی کی وراثت ان بندوں کو عطا کی جن کو ہم نے چن لیا۔ ان میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں، بعض معتدل اور بعض نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔''

فرمایا کہ ''فرزندِ من! یہ تینوں فرقے جنت میں داخل ہوں گے۔'' یہ اس آیت کی طرف اشارہ تھا، جو پہلی آیت کے بعد ہی واقع ہے۔

﴿ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا. ﴾ [۱۳/الرعد:۲۳]

''یہ لوگ جنت عدن میں رہیں گے۔''

پھر فرمایا: ''سابق الی الخیرات تو وہ صحابہ ہیں جنہوں نے آپ کے سامنے وفات پائی اور آپ نے ان کو بشارت دی، متوسط وہ ہیں جنہوں نے آپ کی پوری پیروی کی، یہاں تک وہ مر گئے، اور ظالم وہ ہیں، جو ہماری تمہاری طرح ہیں۔'' [طیالسی مسند عائشہ رضی اللہ عنہا]

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اور اشتر نخعی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف دار اور اس لڑائی کے ہیرو تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملنے آئے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے میری ماں!'' فرمایا: ''میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔'' عرض کی: ''آپ میری ماں ہی ہیں گو آپ کو ناگوار ہو۔'' پھر دریافت کیا کہ ''تمہارے ساتھ کون ہے۔'' بتایا کہ ''اشتر نخعی''۔ اشتر نخعی سے خطاب کر کے کہا کہ تم ہی تھے جو میرے بھانجے کو مار ڈالنا چاہتے تھے۔ اشتر نے کہا کہ وہ مجھ کو مار ڈالنا چاہتے تھے، میں ان کو مار ڈالنا چاہتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ''اگر تم ایسا کرتے تو کبھی فلاح نہ پاتے۔'' [1] مسند احمد: کی روایت ہے کہ اس کے بعد فرمایا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے اور طیالسی [2] میں ہے کہ انہوں نے کہا ''اے عمار! تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مومن کا خون بہانا حلال نہیں، لیکن تین اسباب سے، یا وہ مرتد ہو گیا ہو یا زنا کا مرتکب ہوا ہو، یا کسی کو قتل کیا ہو۔'' اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فوج کشی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد خون ریزی نہ تھا۔

اس اشتباہ اور تعریض کی ابتدا بنو امیہ نے کی، واقعہ اتنا ہے کہ افک کے قصہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی کی خاطر عرض کیا تھا کہ اگر آپ کو منافقین کے کہنے کا خیال ہے تو الگ کر دیجئے، شاہان بنو امیہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لئے جب کوئی دستاویز ہاتھ نہ

[1] مسند احمد: جلد ۶، ص ۲۰۵۔

[2] طیالسی: مسند عائشہ رضی اللہ عنہا، ص ۲۱۶۔

آ سکی تو انہوں نے اس واقعہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مثالب میں داخل کر لیا، جس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اتہام میں جو لوگ سائی تھے ان کو دوزخی کہا گیا ہے۔ ایک دفعہ امام زہریؒ ولید بن عبدالملک کے دربار میں تھے، ولید نے کہا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ ہی نہ تھے؟ جن کی نسبت قرآن نے کہا ہے:

﴿ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴾ [۲۴/النور:۱۱]

''اس افترا پردازی میں جس کا بڑا حصہ ہے۔ اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔''

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ چند لمحوں کے لئے میرے دل نے مرعوب ہو کر حق گوئی کی جرات نہ کی، لیکن پھر میں نے کہا: ''خدا امیر کو صلاحیت بخشے، اس کے دو ہم خاندانوں نے مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی روایت کی ہے:

کَانَ عَلِیٌّ مُسَلَّمًا فِیْ شَاْنِھَا. [بخاری: حدیث افک]

''حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں محفوظ تھے۔''

تاہم ولید کو تسکین نہ ہوئی۔ [1]

مرض الموت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سہارا دے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں لائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اس واقعہ کو بیان کرتی تھیں تو کہتی تھیں کہ آپ عباس اور ایک اور آدمی کے سہارے آئے، بعض بدگمانوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ملال خاطر کے سبب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ایک طرف حضرت عباس برابر سہارا دیئے ہوئے لائے، اور دوسری طرف کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سہارا دیتے تھے اور کبھی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما اس بنا پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا نام انہوں نے لیا اور دوسرے کی نسبت عدم تعین کے سبب یا اختصار کی بنا پر کہہ دیا کہ ''ایک اور آدمی۔'' [2]

اس باہمی ملال خاطر کی تردید طبری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں نے اپنی دلی صفائی کا اعتراف مجمع عام میں کیا ہے حدیثوں میں ایسی متعدد روایتیں ہیں۔ جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

---

[1] یہ واقعہ صحیح بخاری میں دو موقعوں پر مروی ہے، تفصیل کے لئے دیکھو فتح الباری: شرح حدیث افک۔

[2] صحیح بخاری: ذکر وفات مع کرمانی۔

مناقب بیان فرمائے ہیں۔ ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے محبوب کون تھا؟ بولیں: ''فاطمہ رضی اللہ عنہا'' پھر عرض کی کہ مردوں میں، فرمایا: ''ان کے شوہر بہت نماز گزار اور بہت روزہ دار تھے۔'' 1

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اہل بیت اور آل عبا میں داخل ہونا ہم اہل السنۃ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے، 2 متعدد دفعہ ایسا ہوا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس مستفتی آئے ہیں اور انہوں نے ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جانے کی ہدایت کی ہے۔ 3 وہ کبھی سفر سے واپس آتے تو داماد کی ضیافت کرتیں، 4 حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں جب خوارج کے ہاتھوں شہادت پائی اور لوگوں نے وہاں سے آکر واقعہ بیان کیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک صاحب سے پوچھا کہ اے عبداللہ! میں تم سے جو پوچھوں گی، سچ سچ بیان کرو گے، عرض کی کیوں نہ بیان کروں گا۔ فرمایا یہ لوگ جن کو علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، ان کا کیا واقعہ ہے؟ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مصالحت اور تحکیم خوارج کی مخالفت، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سمجھانا، ان کا نہ ماننا سب بیان کیا، یہ سن کر فرمایا، خدا علی رضی اللہ عنہ پر رحمت بھیجے ان کو جب کوئی بات پسند آتی تو یہی کہتے "صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ" اہل عراق ان پر جھوٹ تہمت باندھتے ہیں، اور بات کو بڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ 5

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت صرف چار برس ہے، اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تختِ حکومت پر قدم رکھا اور تقریباً بیس برس پوری اسلامی دنیا کے اکیلے فرمانروا رہے۔ ان کی مدت حکومت کے اختتام سے دو برس پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ اس حساب سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت میں انہوں نے اپنی زندگی کے اٹھارہ سال بسر کیے اور یہ پورا زمانہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جزئی اوقات کے سوا خاموشی میں گزارا۔

ایک دفعہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملنے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تم اس طرح بے خطر تنہا میرے گھر آگئے، ممکن تھا کہ میں کسی کو چھپا کر

---

1 ترمذی، مناقب۔ 2 صحیح مسلم۔

3 مسند احمد: جلد ۶ ص ۱۵۵ جلد ۱ ص ۹۲ وغیرہ۔

4 ایضاً جلد ۶، ص ۱۵۵۔

5 ایضاً جلد ۱ ص ۸۶ و ۸۷ و خلق افعال العباد بخاری ص ۱۹۱ مطبع انصاری۔

کھڑا کر دیتی کہ جیسے ہی تم آتے وہ تمہارا سر اڑا دیتا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ دار الامان ہے، یہاں آپ ایسا نہیں کرسکتی تھیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایمان قتل ناگہانی کی زنجیر ہے۔ پھر دریافت کیا کہ میرا برتاؤ آپ کے ساتھ کیسا ہے؟ بولیں کہ ٹھیک ہے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر میرا اور ان کا (بنو ہاشم) معاملہ چھوڑ دیجئے اللہ کے یہاں سمجھا جائے گا۔ [1]

حجر بن عدی رضی اللہ عنہ ایک صحابی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے طرف دار اور کوفہ میں علوی فرقہ کے سرکردہ تھے، کوفہ کے والی نے کچھ لوگوں کی شہادت پر ان تمام اشخاص کو گرفتار کر کے دمشق بھیج دیا، حجر یمن کے خاندان کندہ سے تھے، کوفہ عرب کے بڑے بڑے قبائل کا مرکز تھا، خود کندہ کا قبیلہ یہاں موجود تھا، لیکن کسی نے حجر کی حفاظت کے لئے انگلی تک نہ ہلائی، تاہم حجر کا صحابہ میں اس وقت نہایت اقتدار تھا، اس لئے اس واقعہ کو تمام ملک نے ناگواری کے ساتھ سنا، قبائل کے رئیسوں نے ان کے حق میں سفارش کی، لیکن قبول نہ ہوئی، مدینہ خبر پہنچی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی طرف سے ایک قاصد انکی سفارش کے لئے روانہ فرمایا، لیکن افسوس کے قاصد کے پہنچنے سے پہلے حجر کا کام تمام ہو چکا تھا۔ [2] اس وقت جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملنے آئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے جو گفتگو ان سے کی وہ یہ تھی: ''معاویہ! حجر کے معاملہ میں تمہارا تحمل کہاں تھا، حجر کے قتل میں تم خدا سے نہ ڈرے۔'' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، اس میں میرا قصور نہیں، قصور ان کا ہے، جنہوں نے گواہی دی۔ [3] دوسری روایت میں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا ام المومنین! کوئی صاحب الرائے میرے پاس موجود نہ تھا، [4] مسروق تابعی روای ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ:

> ''خدا کی قسم! اگر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوتا کہ کوفہ میں کچھ بھی جرأت اور خودداری باقی ہے تو کبھی وہ حجر کو ان کے سامنے پکڑوا کر شام میں قتل نہ کرتے، لیکن اس جگہ خوارہ ہند کے بیٹے [5] نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ اب لوگ اٹھ گئے، خدا کی قسم کوفہ شجاع و خودداری والے عرب رئیسوں کا مسکن تھا۔ لبید نے سچ کہا ہے:۔ [6]

ذَهَبَ الَّذِينَ يُعَاشُ فِي أَكْنَافِهِمْ وَبَقِيتُ فِي خَلْفٍ كَجِلْدِ الْأَجْرَبِ

''وہ لوگ چلے گئے جن کے سائے میں زندگی بسر کی جاتی ہے۔ اب ایسے اخلاف کے

---

[1] مسند احمد: ج نہم ص ۹۲ [2] طبری ج ہفتم ص ۱۴۵ [3] ایضاً [4] طبری جلد ہفتم ص ۱۱۶
[5] ہندہ امیر معاویہ کی ماں غزوہ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا سینہ چیر کران کا جگر چبا گئی تھی۔
[6] یہ پورا واقعہ طبری جلد ہفتم میں ہے۔

درمیان رہ گیا ہوں جو خارشتی اونٹ کی کھال کی طرح ہیں۔''

لَا یَنْفَعُوْنَ وَ لَا یُرْجٰی خَیْرُھُمْ　　　وَ یُعَابُ قَائِلُھُمْ وَ اِنْ لَّمْ یَتَّعِبُ

''نہ وہ نفع پہنچاتے ہیں، نہ ان سے بھلائی کی امید ہے۔ان سے باتیں کرنے والوں کی عیب گیری کی جاتی ہے۔''

عراق اور مصر کے لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو برا کہتے تھے، شامی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرتے تھے، خوارج دونوں کو برا جانتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان فرقوں کا حال معلوم ہوا تو فرمایا: ''قرآن میں تو اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تم رحمت و مغفرت کی دعا مانگو اور یہ لوگ ان کو گالی دیتے ہیں۔'' [1] خوارج کا فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جدا ہو کر سب سے پہلے مقام حرور میں جمع ہوا تھا، اس لئے ان کا پہلا نام حروریہ ہے۔ کسی عورت نے آکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسئلہ پوچھا کہ ایام مخصوص میں روزہ کی طرح نماز کی بھی قضا کیوں نہ کریں؟ انہوں نے نہایت برہمی کے ساتھ فرمایا: ''کیا تو حروریہ ہے؟'' [2] یعنی وہ اس فرقہ سے نفرت کرتی تھیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ ان کو خط لکھا کہ مجھ کو مختصر سی نصیحت کیجئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں لکھا: ''سلام علیکم! امابعد میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ جو شخص انسانوں کی نارضامندی کی پروا نہ کر کے خدا کی رضاجوئی کرے گا، خدا انسانوں کی نارضامندی کے نتائج سے اس کو محفوظ رکھے گا، اور جو خدا کو نارضامند کر کے انسانوں کی رضامندی کا طلبگار ہو گا، خدا اس کو انسانوں کے ہاتھ میں سونپ دے گا، والسلام علیک۔'' [3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نصیحت کے یہ فقرے درحقیقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی پر ایک مختصر تبصرہ ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد یزید کو اپنا جانشین بنانا چاہا، مروان ان کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا، مجمع عام میں اس نے یزید کا نام پیش کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمٰن نے اٹھ کر مخالفت کی، مروان نے ان کو گرفتار کرنا چاہا، وہ دوڑ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گھس گئے، مروان اندر گھسنے کی جرات نہ کر سکا، کھسیانا ہو کر بولا یہی وہ ہے جس کی شان میں یہ آیت اتری ہے

---

[1] صحیح مسلم: کتاب التفسیر مع نووی۔ [2] صحیح بخاری: کتاب الحیض۔

[3] جامع ترمذی: ابواب الزہد۔

﴿وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ﴾ [۴۶/الاحقاف:۱۷] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اوٹ کے پیچھے سے فرمایا: ''ہم لوگوں کی شان میں خدا نے کوئی آیت نہیں اتاری، بجز اس کے کہ میری برات فرمائی'' [1] اس سے اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ یزید کی جانشینی سے وہ خوش نہ تھیں۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی تدفین کا واقعہ

امام حسن رضی اللہ عنہ نے ۴۹ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدفون ہیں، ایک گوشہ میں ایک قبر کی جگہ اور باقی تھی، امام حسن نے وصیت کی تھی کہ میری لاش اسی خلائی جگہ میں دفن کی جائے اور اگر اس میں مزاحم ہو تو جنگ وجدال کی ضرورت نہیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے جب یہ وصیت کی تعمیل کرنی چاہی تو مروان بن حکم نے مخالفت کی کہ جب یہاں عثمان رضی اللہ عنہ کو باغیوں نے دفن نہ ہونے دیا تو کسی اور کو بھی اجازت نہیں ہو سکتی۔ ادھر امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ تمام بنو ہاشم اور ادھر مروان کی معیت میں بنو امیہ ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر باہر نکلے، قریب تھا کہ ایک خونریز جنگ شروع ہو کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آ کر بیچ بچاؤ کیا۔ مروان سے کہا کہ: ''نواسہ اگر اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہوتا ہے تو تم کو اس میں دخل دینے کا کیا حق ہے؟ امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی کہ امام مرحوم کی یہ بھی تو وصیت تھی کہ اگر مزاحمت ہو تو جنگ وجدال سے پرہیز کیا جائے'' الغرض جنازہ جنت البقیع میں لایا گیا اور یہیں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ اس معاملہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا طرزِ عمل کیا تھا؟ بعض شیعی مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کچھ سپاہیوں کے ساتھ خود ایک سپید خچر پر سوار ہو کر امام حسن رضی اللہ عنہ کے جنازے کو روکنے کے لئے نکلیں۔ سپاہیوں نے تیر چلائے، اتنے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی آئے اور انہوں نے کہا: ''ابھی جنگ جمل کی شرم ہمارے خاندان سے مٹی نہیں کہ تم ایک اور جنگ کے لئے آمادہ ہو۔'' یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واپس چلی گئیں۔ یہ روایت تاریخ طبری کے ایک پرانے فارسی ترجمہ میں جو ہندوستان میں چھپ بھی گیا ہے، نظر سے گزری ہے، لیکن جب اصل متن عربی مطبوعہ یورپ کی طرف رجوع کیا تو جلد ہفتم کا ایک ایک حرف پڑھنے کے بعد بھی یہ واقعہ نہ ملا، طبری کے اس فارسی ترجمہ میں درحقیقت بہت سے حذف واضافے ہیں۔ مترجم نے مقدمہ میں اس کی

---

[1] صحیح بخاری: تفسیر سورۂ احقاف۔

تصریح بھی کر دی ہے۔ یعقوبی جو تیسری صدی کا ایک شیعی مورخ ہے، اس نے اس واقعہ کو البتہ نقل کیا ہے، لیکن علاوہ اس کے وہ روایت کی سند نہیں لکھتا۔ اصل واقعہ کے بیان کے بعد کہ درحقیقت مروان کا فعل تھا، قیل یعنی ضعف روایت کے صیغہ کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے، لیکن یہ نہیں لکھا ہے کہ انہوں نے نعوذ باللہ تیر چلائے یا جنگ کی۔

ابوالفداء میں اتنا مذکور ہے کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ میں جب جنگ و جدال شروع ہو گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہلا بھیجا کہ ''یہ میری ملکیت ہے، میں کسی اور کو یہاں دفن ہونے کی اجازت نہیں دیتی۔'' لیکن یہ بھی صحیح نہیں، ابن اثیر اور تمام معتبر تاریخوں میں مذکور ہے کہ ام المومنین نے بطیبِ خاطر اجازت دے دی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کا جو گورنر تھا اس نے بھی نہیں روکا، لیکن مروان چند آدمیوں کو لے کر فساد پر آمادہ ہو گیا۔ امام نے وصیت کی تھی کہ اگر فتنہ وفساد کا ڈر ہو تو مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کرنا، چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اس شرارت پر گو بہت غصہ آیا، تاہم بھائی کی اس وصیت سے انحراف کرنا نہ چاہا۔ [1] محدث ابن عبدالبر ''استیعاب'' میں، ابن اثیر ''اسد الغابہ'' میں اور سیوطی ''تاریخ الخلفاء'' میں ایک ہی عبارت کے ساتھ راوی ہیں، اور یہ روایت اس شخص کی زبانی ہے، جو امام کی وفات کے وقت ان کے پاس موجود تھا:

وَ قَدْ کُنْتُ طَلَبْتُ اِلٰی عَائِشَۃَ اِذَا مِتُّ اَنْ تَاْذَنَ لِیْ فَاُدْفَنَ فِیْ بَیْتِھَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ نَعَمْ، وَ اِنِّیْ لَادْرِیْ لَعَلَّھَا کَانَ ذَالِکَ مِنْھَا حَیَاءً فَاِنْ طَابَتْ نَفْسُھَا فَادْفِنِّیْ فِیْ بَیْتِھَا، وَ مَا اَظُنُّ اِلَّا الْقَوْمَ سَیَمْنَعُوْنَکَ اِذَا اَرَدْتَّ ذٰلِکَ فَاِنْ فَعَلُوْا فَلَا تُرَاجِعْھُمْ فِیَّ وَ ادْفِنِّیْ فِی الْبَقِیْعِ الْغَرْقَدِ......
فَلَمَّا مَاتَ الْحَسَنُ اَتَی الْحُسَیْنُ عَائِشَۃَ فَطَلَبَ ذٰلِکَ اِلَیْھَا فَقَالَتْ نَعَمْ وَ کَرَامَۃً فَبَلَغَ ذٰلِکَ مَرْوَانَ فَقَالَ کَذَبَ وَ کَذَبَتْ وَاللّٰہِ لَا یُدْفَنُ ھُنَاکَ اَبَدًا......
مَنَعُوْا عُثْمَانَ مِنْ دَفْنِہٖ فِی الْمَقْبَرَۃِ وَ یُرِیْدُوْنَ دَفْنَ الْحَسَنِ فِیْ بَیْتِ عَائِشَۃَ.

''امام حسن رضی اللہ عنہ وصیت فرماتے ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی تھی کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے گھر میں دفن ہونے کی اجازت دیں، انہوں نے اجازت دے دی تھی، لیکن معلوم نہیں شرما شرمی میں انہوں نے اجازت دی یا کیا،

[1] کامل ابن اثیر: جلد ۳ ص ۳۸۳ طبع یورپ۔

میرے مرنے کے بعد ان سے جا کر پھر اجازت لینا، اگر وہ خوشی سے اجازت دیں تو وہیں دفن کرنا۔ میں سمجھتا ہوں کہ لوگ تم کو ایسا کرنے سے روکیں گے اگر واقعاً وہ روکیں تو اس میں ان لوگوں سے رد و کد کی ضرورت نہیں، مجھے بقیع میں دفن کر دینا...... جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کی، انہوں نے کہا بخوشی، مروان کو واقعہ معلوم ہوا تو اس نے کہا، حسین رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا جھوٹ (غلط) کہتے ہیں، حسن رضی اللہ عنہ وہاں کبھی دفن نہیں کیے جا سکتے۔

عثمان کو قبرستان تک میں دفن کرنے نہ دیا گیا، اور حسن رضی اللہ عنہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دفن ہوں گے!؟۔"

وفات

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آخری حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا آخری زمانہ ہے۔ اس وقت ان کی عمر سرسٹھ (۶۷) برس کی تھی، ۵۸ھ میں رمضان کے مہینہ میں بیمار پڑیں، چند روز تک علیل رہیں۔ کوئی خیریت پوچھتا، فرماتی: "اچھی ہوں"۔ [1] جو لوگ عیادت کو آتے، بشارت دیتے، فرماتیں: "اے کاش! میں پتھر ہوتی، اے کاش! میں کسی جنگل کی جڑی بوٹی ہوتی۔" [2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اجازت چاہی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تامل ہوا کہ وہ آ کر تعریف نہ کرنے لگیں، بھانجوں نے سفارش کی تو اجازت دی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: "آپ کا نام ازل سے ام المومنین تھا۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے محبوب بیوی تھیں، رفقا سے ملنے میں اب آپ کو اتنا ہی وقفہ باقی ہے کہ روح بدن سے پرواز کر جائے، خدا نے آپ ہی کے ذریعہ تیمم کی اجازت فرمائی، آپ کی شان میں قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں جو اب ہر محراب و مسجد میں شب و روز پڑھیں جاتی ہیں۔" فرمایا: "ابن عباس رضی اللہ عنہ مجھے اپنی اس تعریف سے معاف رکھو، مجھے یہ پسند تھا کہ میں معدوم محض ہوتی۔" [3]

مرض الموت میں وصیت کی کہ اس حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے دفن نہ کرنا، میں

---

[1] طبقات ابن سعد؛ جز نساء ص ۵۱۔ [2] طبقات ابن سعد: جز نساء ص ۵۱۔

[3] اس روایت کا صرف پہلا ٹکڑا بخاری مناقب عائشہ رضی اللہ عنہا میں مذکور ہے اور اس سے زیادہ تفسیر سورۂ نور میں ہے، لیکن پوری روایت مستدرک حاکم میں ہے، علی شرط الشیخین، امام احمد نے مسند میں بھی یہ پوری روایت نقل کی ہے۔

نے ایک جرم کیا ہے، مجھے دیگر ازواجِ مطہرات کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کرنا اور رات ہی کو دفن کر دی جاؤں، 1 صبح کا انتظار نہ کیا جائے۔ کسی نے عرض کی کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے ساتھ دفن ہوتیں تو بہتر تھا، فرمایا اگر ایسا ہوتو پچھلا عمل جاتا رہے اور نیا شروع کروں۔ 2 ۵۸ھ تھا اور رمضان کی سترہ تاریخ مطابق ۱۳/ جون ۶۷۸ء تھی کہ نماز وتر کے بعد شب کے وقت وفات پائی۔ ماتم کا شور سن کر انصار اپنے گھروں سے نکل آئے، جنازہ میں اتنا ہجوم تھا، کہ لوگوں کا بیان ہے کہ رات کے وقت اتنا مجمع کبھی نہیں دیکھا گیا، بعض روایتوں میں عورتوں کا اژدہام دیکھ کر روزِ عید کے ہجوم کا دھوکا ہوتا تھا۔ 3 حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نوحہ اور ماتم سن کر بولیں: عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے جنت واجب ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیوی تھیں۔ یہ حاکم کی روایت ہے۔ مسند طیالسی میں ہے کہ انہوں نے کہا: ’’خدا ان پر رحمت بھیجے کہ اپنے باپ کے سوا وہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔‘‘ 4

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان دنوں مدینہ کے قائم مقام حاکم تھے، انہوں نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عتیق، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، بھتیجوں اور بھانجوں نے قبر میں اتارا 5 اور حسب وصیت جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ مدینہ میں قیامت برپا تھی کہ آج حرم نبوت کی ایک اور شمع بجھ گئی۔ مسروق تابعی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اگر ایک بات کا مجھ کو خیال نہ ہوتا تو ام المومنین کے لئے میں ماتم کا حلقہ قائم کرتا۔ 6 ایک مدنی سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا غم اہل مدینہ نے کتنا کیا، جواب دیا جس جس کی وہ ماں تھیں (یعنی تمام مسلمان) اسی کو ان کا غم تھا۔ 7

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے کچھ متروکات چھوڑے جن میں ایک جنگل بھی تھا، یہ ان کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تبرکاً اس کو ایک لاکھ درم میں خریدا۔ تم جانتے ہو کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے یہ کثیر رقم کیا کی؟......! عزیزوں میں تقسیم کر دی۔ 8

---

1 بخاری اواخر کتاب الجنائز میں، اور بخاری الاعتصام بالسنۃ میں مختصراً ہے اور ابن سعد جز نساء ص ۵۱ میں پورا واقعہ ہے۔ 2 موطا امام محمد: باب النوادر، اصل عبارت یہ ہے انی اذا لانا المتبدئة بعملی.
3 طبقات ابن سعد: جز نساء ص ۵۲ 4 طیالسی مسند ام سلمہ رضی اللہ عنہا ص ۲۲۴۔ 5 تمام واقعات حاکم کی مستدرک سے ماخوذ ہیں، حاکم نے ان میں سے اکثر روایتوں کی نسبت لکھا ہے کہ علی شرط الصحیحین ہیں۔
6 طبقات ابن سعد: جز نساء ص ۵۴۔ 7 طبقات ابن سعد: جز نساء ص ۵۴
8 صحیح بخاری: باب ہبۃ الواحد للجماعۃ۔

تبنّی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ 1 لیکن ان کی پوری زندگی میں کوئی واقعہ ایسا مذکور نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ ان کو قسمت سے اس کا گلہ تھا۔ عرب کے شریفوں میں دستور تھا کہ نام کے علاوہ اپنی اولاد کے نام سے کنیت رکھتے تھے، معززین کا نام نہیں لیتے تھے۔ کنیت سے مخاطب کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی تمام بیویوں نے اپنے (پہلے شوہروں کے) بیٹوں کے نام سے اپنی کنیتیں رکھ لی ہیں، میں کس نام سے رکھوں؟ آپ نے فرمایا: تم بھی اپنے بیٹے عبداللہ کے نام سے رکھو۔ 2 ابن الاعرابی کو اس سے شبہ ہوا، اور اس نے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک ناتمام بچہ ساقط ہوا تھا، اسی کا نام عبداللہ تھا۔ 3 لیکن یہ روایت سرے سے ماننے کے قابل نہیں اور سند کے اعتبار سے نہایت کمزور ہے، تمام صحیح روایتوں کی متفقہ خاموشی کے علاوہ احادیث میں تصریح بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لاولد تھیں۔ 4

اس عبداللہ سے مقصود حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں، جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے صاحبزادہ ہیں، ہجرت کے بعد مسلمانوں میں سب سے پہلے وہی پیدا ہوئے تھے، کافر کہنے لگے کہ مسلمان بیبیاں یہاں آ کر بانجھ ہو گئیں، جب یہ پیدا ہوئے تو مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے ان کے تالو میں چھوہارا اور لعاب دہن ملا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گویا بیٹا بنا لیا تھا اور ان کو دل سے چاہتی تھیں، وہ بھی ماں سے زیادہ ان سے محبت کرتے تھے، کہ ان کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آغوش تربیت میں اور بھی متعدد بچوں کو لے کر پرورش کی۔ 5 خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک انصاریہ لڑکی کی پرورش اور بیاہ کا ذکر حدیثوں میں ہے۔ 6 مسروق بن اجدع، 7 عمرہ بنت عائشہ رضی اللہ عنہا بنت طلحہ رضی اللہ عنہا، عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ رضی اللہ عنہا، اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ، عروہ بن زبیر 8

---

1 ابوداود: کتاب الادب۔
2 ابوداود: کتاب الادب۔
3 زرقانی: جلد ۳ ص ۲۶۹۔
4 مسند احمد: جلد ۴ ص ۱۵۰۔
5 موطا امام مالک: کتاب الزکوٰۃ۔
6 مسند احمد: ج ۶، ص ۲۶۹۔
7 تذکرۃ الحفاظ: ترجمہ مسروق۔
8 اسماء الرجال میں ان کے حالات پڑھیں۔

قاسم بن محمد (1) اور ان کے بھائی اور عبداللہ بن یزید وغیرہ (2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پروردہ تھے، محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی لڑکیوں کو بھی انہی نے پالا تھا، (3) ان کی شادی بیاہ بھی وہی کر دیتی تھیں۔ (4)

حُلیہ اور لباس

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان لڑکیوں میں تھیں جن کی جسمانی بالیدگی نہایت سرعت سے ترقی کرتی ہے، نو دس برس میں وہ اچھی خاصی بالغ ہوگئی تھیں، (5) لڑکپن میں وہ دبلی پتلی چھریری سی تھیں، (6) جب سن کچھ زیادہ ہوا تو کسی قدر بدن بھاری ہوگیا تھا، (7) رنگ سرخ وسپید تھا۔ (8) خوش رُو اور صاحب جمال تھیں۔ (9)

زہد وقناعت کی وجہ سے صرف ایک جوڑا پاس رکھتی تھیں، اسی کو دھو دھو کر پہنتی تھیں۔ (10) ایک کرتا تھا جس کی قیمت پانچ درہم (۴/عہ) تھی، یہ اس زمانہ کے لحاظ سے اس قدر بیش قیمت تھا کہ تقریبوں میں دلہن کے لئے عاریت مانگا جاتا، (11) کبھی کبھی زعفران میں رنگ کر کپڑے پہنتی تھیں، (12) گاہے گاہے زیور بھی پہن لیتی تھیں، گلے میں یمن کا بنا ہوا خاص قسم کے سیاہ وسپید مہروں کا ہار تھا، (13) انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں پہنتی تھیں۔ (14)

اخلاق وعادات

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بچپن سے جوانی تک کا زمانہ اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بسر کیا جو دنیا میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے آئی تھی اور جس کے روئے جمال کا غازہ ﴿اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ [۶۸/القلم:۴] ہے۔ اس تربیت گاہ روحانی یعنی کاشانۂ نبوت نے پروگیانِ حرم کو حسنِ اخلاق کے اس رُتبہ تک پہنچا دیا تھا جو انسانیت کی روحانی ترقی کی آخری منزل ہے۔

---

(1) موطا: زکوٰۃ اموال الیتامی۔
(2) مسند احمد: ج۶ص۳۲۔
(3) موطا: کتاب الزکوٰۃ، زکوٰۃ الحلی۔
(4) موطا: کتاب الطلاق۔
(5) صحیح بخاری: باب تزویج عائشہ رضی اللہ عنہا۔
(6) صحیح بخاری: واقعہ افک وابوداؤد باب السبق۔
(7) ابوداؤد: باب السبق۔
(8) مسند احمد: جلد۶ص ۱۳۸، نیز آپ کا لقب حمیراء۔
(9) صحیح بخاری: قصہ افک وایلاء۔
(10) صحیح بخاری: باب ہل تصلی المراۃ فی ثوب حاضت فیہ۔
(11) صحیح بخاری: باب الاستعار للعروس۔
(12) ایضاً باب مایلبس المحرم من الثیاب۔
(13) ایضاً باب التیمم وافک۔
(14) ایضاً بخاری: باب الخاتم النساء۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اخلاقی مرتبہ نہایت بلند تھا۔ وہ نہایت سنجیدہ، فیاض، قانع، عبادت گزار اور رحم دل تھیں۔

قناعت پسندی

عورت اور قناعت پسندی دو متضاد مفہوم ہیں، صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دوزخ میں سب سے زیادہ عورتوں کو دیکھا، وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ شوہروں کی ناشکر گزاری کی وجہ سے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذات میں وہ دونوں مجتمع ہیں، انہوں نے اپنی ازدواجی زندگی جس عسرت اور فقر و فاقہ سے بسر کی، وہ پچھلے صفحوں میں تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے، لیکن وہ کبھی شکایت کا کوئی حرف زبان پر نہیں لائیں۔ بیش بہا لباس، گراں قیمت زیور، عالی شان عمارت، لذیذ الوانِ نعمت، ان میں سے کوئی چیز شوہر کے ہاں ان کو حاصل نہیں ہوئی، اور دیکھ رہی تھیں کہ فتوحات کا خزانہ سیلاب کی طرح ایک طرف سے آتا ہے اور دوسری طرف نکل جاتا ہے، تاہم کبھی ان کی طلب بلکہ ہوس بھی ان کو دامن گیر نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک دفعہ انہوں نے کھانا طلب کیا پھر فرمایا میں کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتی، کہ مجھے رونا نہ آتا ہو۔ ان کے ایک شاگرد نے پوچھا یہ کیوں؟ فرمایا مجھے وہ حالت یاد آتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو چھوڑا، خدا کی قسم دن میں دو دفعہ کبھی سیر ہو کر آپ نے روٹی اور گوشت نہیں کھایا۔ [ترمذی، زہد]

خدا نے اولاد سے محروم کیا تھا، تو عام مسلمانوں کے بچوں کو اور زیادہ تر یتیموں کو لے کر پرورش کیا کرتی تھیں، ان کی تعلیم و تربیت کرتی تھی اور ان کی شادی بیاہ کے فرائض انجام دیتی تھیں۔ [1]

ہم جنسوں کی امداد

خدا نے ان کو کاشانۂ نبوت کی ملکہ بنایا تھا، اس فرض کو وہ نہایت خوبی سے انجام دیتی تھیں، عورتیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی ضرورت لے کر آتیں، اکثر ان کی اعانت اور سفارش حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتی تھیں۔ [2]

---

[1] دیکھو ذکر اولاد، مؤطا امام مالک: کتاب الزکوۃ۔

[2] مسند احمد: ج ۶، ص ۲۲۶۔ صحیح بخاری: باب شہادت القاذف ص ۳۶۱۔

شوہر کی اطاعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری اور آپ کی مسرت ورضا کے حصول میں شب و روز کوشاں رہتیں، اگر ذرا بھی آپ کے چہرے پر حزن وملال وکبیدہ خاطری کا اثر نظر آتا، بیقرار ہو جاتیں [1]، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا اتنا خیال تھا کہ ان کی کوئی بات ٹالتی نہ تھیں۔ ایک دفعہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے خفا ہو کر ان سے نہ ملنے کی قسم کھا بیٹھی تھیں، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ننہالی لوگوں نے سفارش کی تو انکار کرتے نہ بنا، [2] آپ کے دوستوں کی بھی اتنی عزت کرتی تھیں، اور ان کی کوئی بات بھی رد نہیں کرتی تھیں۔ [3]

غیبت اور بدگوئی سے احتراز

وہ کبھی کسی کی برائی نہیں کرتی تھیں۔ ان کی روایتوں کی تعداد ہزاروں تک ہے مگر اس دفتر میں کسی شخص کی توہین یا بدگوئی کا ایک حرف بھی نہیں ہے، سوکنوں کو برا کہنا عورتوں کی خصوصیت ہے مگر اوپر گزر چکا ہے کہ وہ کس کشادہ پیشانی سے اپنی سوکنوں کی خوبیوں کو بیان اور ان کے فضائل ومناقب کا ذکر کرتی تھیں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ جن سے افک کے واقعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سخت صدمہ پہنچا تھا، ان کی مجلس میں شریک ہوتے اور وہ ان کو بڑی خوشی سے جگہ دیتیں۔ ایک دفعہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ آئے اور اپنا ایک قصیدہ سنانے لگے، اس کے ایک شعر کا مطلب یہ تھا کہ وہ "بھولی بھالی عورتوں پر تہمت نہیں لگاتی" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو افک کا واقعہ یاد آ گیا، اس پر صرف اسی قدر فرمایا لیکن تم ایسے نہیں ہو، [4] بعض عزیزوں نے افک کے واقعہ میں ان کی شرکت کے سبب سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو برا کہنا چاہا، تو انہوں نے سختی سے روکا کہ ان کو برا نہ کہو، کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مشرک شاعروں کو جواب دیا کرتے تھے۔ [5]

ایک دفعہ ایک شخص کا ذکر چلا، آپ نے اس کو اچھا نہیں کہا، لوگوں نے کہا، ام المومنین رضی اللہ عنہا اسکا تو انتقال ہو گیا، یہ سن کر فوراً ہی اس کی مغفرت کی دعا مانگی، سب نے پوچھا کہ ابھی تو آپ نے اس

---

[1] مسند احمد: جلد ۶ ص ۱۱ واقعہ حنا مسند جلد ۴ ص ۵۸، مسند جلد ۶ ص ۱۳۸۔ صحیح بخاری: باب الجنائز: ذکر ماتم جعفر طیار رضی اللہ عنہ نیز دیکھو "باب مناقب قریش"۔ [2] ۔صحیح بخاری: باب مناقب قریش۔ [3] ایضاً باب اعتصام بالسنۃ۔
[4] صحیح بخاری: واقعہ افک وتفسیر سورہ نور۔ [5] ایضاً مناقب حسان رضی اللہ عنہ۔

کو اچھا نہیں کہا اور ابھی آپ اس کی مغفرت کی دعا مانگتی ہیں، جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مُردوں کو بھلائی کے سوا یاد نہ کرو۔ 1

عدم قبول احسان

کسی کا احسان کم قبول کرتی تھیں اور کرتی بھی تھیں تو اس کا معاوضہ ضرور ادا کرتی تھیں۔فتوحات عراق کے مال غنیمت میں موتیوں کی ایک ڈبیہ آئی، عام مسلمانوں کی اجازت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نذر بھیجی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ڈبیہ کھول کر کہا: ''خدایا! مجھے ابن خطاب کا احسان اٹھانے کیلئے اب زندہ نہ رکھ۔'' 2 اطراف ملک سے ان کے پاس ہدیے اور تحفے آیا کرتے تھے، حکم تھا کہ ہر تحفہ کا معاوضہ ضرور بھیجا جائے۔ 3 عبداللہ بن عامر عرب کے ایک رئیس نے کچھ روپے اور کپڑے بھیجے۔ان کو یہ کہہ کر واپس کر دینا چاہا کہ ہم کسی کی کوئی چیز قبول نہیں کرتے۔لیکن پھر آپ کا ایک فرمان یاد آ گیا، تو واپس لے لیا۔ 4

خودستائی سے پرہیز

اپنے منہ سے اپنی تعریف پسند نہیں کرتی تھیں۔مرض الموت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عیادت کے لئے آنا چاہا، لیکن وہ سمجھ چکی تھیں کہ وہ آکر میری تعریف کریں گے، اس لئے اجازت دینے میں تامل کیا، لوگوں نے سفارش کی تو منظور کیا۔اتفاق یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آکر واقعاً تعریف شروع کی، سن کر بولیں: کاش! میں پیدا نہ ہوئی ہوتی۔ 5

خودداری

اس عجز وخاکساری کے باوجود وہ خوددار بھی تھیں، کبھی کبھی یہ خودداری دوسروں کے مقابلے میں تنک مزاجی کی حد تک پہنچ جاتی اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برأت کی آیتیں پڑھ کر سنائیں اور ماں نے کہا بیٹی شوہر کا شکریہ ادا کرو، بولیں: ''میں صرف اپنے پروردگار کا شکریہ ادا کروں گی، جس نے مجھ کو پاکدامنی وطہارت کی عزت بخشی۔'' 6 یہ بھی پڑھ چکے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

1 طیالسی مسند عائشہ رضی اللہ عنہا۔ 2 مستدرک حاکم۔ 3 ادب المفرد بخاری: باب الکتابت الی النساء۔
4 مسند احمد: جلد ۶ ص ۷۷۔ 5 صحیح بخاری ومستدرک ومسند احمد۔
6 ایضاً صحیح بخاری: واقعہ افک۔

سے خفا ہوتیں تو آپ کا نام لے کر قسم کھانا چھوڑ دیتیں، یہ سب محبوبانہ انداز ہیں۔ جن کو اس نظر سے دیکھنا چاہئے کہ میاں بیوی کے درمیان کے معاملات ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اکثر اپنی خالہ کی خدمت کیا کرتے تھے اور وہ فیاض طبعی سے اس کو ہمیشہ ادھر ادھر دے دیا کرتی تھیں، ابن زبیر نے تنگ آ کر کہا کہ اب ان کا ہاتھ روکنا ضرور ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ معلوم ہوا تو قسم کھالی کہ اب بھانجے کی کوئی چیز نہ چھوؤں گی، لوگوں نے بڑی بڑی سفارشیں کیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزہ کو درمیان میں ڈالا تب جا کر صاف ہوئیں۔ [1]

عام خوددار انسانوں سے انصاف پسندی کا ظہور کم ہوتا ہے، لیکن پروردگاران تربیت نبوی سے کمال اخلاق ہی کی توقع رکھی جاسکتی ہے، جس کی بڑی مثال باہم متضاد اخلاقی انواع میں تطبیق ہے، حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کمال خودداری کے ساتھ انصاف پسند بھی تھیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ مصر کے ایک صاحب ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے ملک کے موجودہ حاکم و والی کا رویہ میدان جنگ میں کیا رہتا ہے۔ جواب میں عرض کی کیا ہم کو اعتراض کے قابل کوئی بات نظر نہیں آئی، کسی کا اونٹ مر جاتا ہے تو دوسرا اونٹ دیتے ہیں اور خادم نہ رہے تو خادم دیتے ہیں، خرچ کی ضرورت پڑتی ہے تو خرچ بھی دیتے ہیں، ارشاد فرمایا کہ انہوں نے بھائی محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جو بھی بدسلوکی کی ہو، تاہم ان کی یہ بدسلوکی مجھے تم کو یہ بتانے سے باز نہیں رکھ سکتی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اسی گھر کے اندر یہ دعا فرمائی کہ ”اے اللہ! جو میری امت کا والی ہو، اگر وہ امت پر سختی کرے تو تو بھی اس کے ساتھ سختی کرنا اور جو نرمی کرے، اس کے ساتھ نرمی فرمانا۔“ [2]

دلیری

نہایت شجاع اور پُر دل تھیں، راتوں کو تنہا اٹھ کر قبرستان چلی جاتی تھیں۔ [3] میدانِ جنگ میں آ کر کھڑی ہو جاتی تھیں۔ غزوۂ احد میں جب مسلمانوں میں اضطراب برپا تھا، اپنی پیٹھ پر مشک لادلاد کر زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، [4] غزوۂ خندق میں جب چاروں طرف سے مشرکین محاصرہ کئے ہوئے تھے اور شہر کے اندر یہودیوں کے حملہ کا خوف تھا، وہ بے خطر قلعہ سے نکل کر مسلمانوں کے نقشۂ

---

[1] صحیح بخاری: مناقب قریش۔
[2] صحیح مسلم: باب فضیلۃ الامام العادل۔
[3] صحیح بخاری: ودیگر کتب صحاح باب زیادۃ القبور۔
[4] صحیح بخاری: ذکر احد

جنگ کا معائنہ کرتی تھیں۔ ❶ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائیوں میں بھی شرکت کی اجازت چاہی تھی، لیکن نہ ملی۔ ❷ جنگِ جمل میں وہ جس شان سے فوجوں کو لائیں، وہ بھی انکی طبعی شجاعت کا ثبوت ہے۔

فیاضی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اخلاق کا سب سے ممتاز جوہر ان کی طبعی فیاضی اور کشادہ دستی تھی۔ دونوں بہنیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نہایت کریم النفس اور فیاض تھیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ان دونوں سے زیادہ سخی اور صاحبِ کرم میں نے کسی کو نہیں دیکھا، فرق یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ذرا ذرا جوڑ کر جمع کرتی تھیں، جب کچھ رقم اکٹھی ہو جاتی تھی، بانٹ دیتی تھیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا یہ حال تھا کہ جو کچھ پاتی تھیں، اس کو اٹھا نہیں رکھتی تھیں۔ ❸ اکثر مقروض رہتی تھیں اور ادھر ادھر سے قرض لیا کرتی تھیں۔ لوگ عرض کرنے لگے کہ آپ کو قرض کی کیا ضرورت ہے فرماتیں کہ جس کی قرض ادا کرنے کی نیت ہوتی ہے، خدا اس کی اعانت فرماتا ہے، میں اس کی اسی اعانت کو ڈھونڈتی ہوں۔ ❹

خیرات میں تھوڑے بہت کا لحاظ نہ کرتیں، جو موجود ہوتا سائل کی نذر کر دیتیں۔

ایک دفعہ ایک سائلہ آئی جس کی گود میں دو ننھے بچے تھے، اتفاق سے اس وقت گھر میں کچھ نہ تھا، صرف ایک چھوہارا تھا، اس کے دو ٹکڑے کر کے دونوں میں تقسیم کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب باہر سے تشریف لائے تو ماجرا عرض کیا، ❺ ایک دفعہ سائل آئی سامنے کچھ انگور کے دانے پڑے تھے، ایک دانہ اٹھا کر اس کے حوالہ کیا، اس نے دانہ کو حیرت سے دیکھا کہا ایک دانہ بھی کوئی دیتا ہے۔ فرمایا: یہ دیکھو کہ اس میں کتنے ذرے ہیں۔ ❻ یہ اس آیت کی طرف اشارہ تھا:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ.﴾ [۹۹/الزلزال:۷]

''جس نے ایک ذرہ بھر بھی نیکی کی، وہ اس کو دیکھے گا۔''

حضرت عروہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے سامنے پوری ستر ہزار کی رقم خدا کی راہ میں دے دی اور دوپٹہ کا گوشہ جھاڑ دیا۔ ❼

---

❶ مسند احمد: جلد۶ ص۹۹۔ ❷ صحیح بخاری باب حج النساء۔ ❸ ادب المفرد امام بخاری: باب سخاوۃ النفس۔
❹ مسند احمد: ج۶ ص۹۹۔ ❺ ادب المفرد بخاری من یعول یتیما۔
❻ مؤطا امام مالک: باب الترغیب فی الصدقہ۔ ❼ طبقات ابن سعد: جزء نساء ص۴۵۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک لاکھ درہم بھیجے، شام ہوتے ہوتے ایک حبہ بھی پاس نہ رکھا، سب محتاجوں کو دے دلا دیا۔ اتفاق سے اس دن روزہ رکھا تھا، لونڈی نے عرض کی افطار کے سامان کے لئے تو کچھ رکھنا تھا، فرمایا کہ تم نے یاد دلایا ہوتا۔ [1] اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہے، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ دو بڑی تھیلیوں میں ایک لاکھ کی رقم بھیجی، انہوں نے ایک طبق میں یہ رقم رکھ لی اور اس کو بانٹنا شروع کیا، اور اس دن بھی روزہ سے تھیں، شام ہوئی تو لونڈی سے افطار لانے کو کہا، اس نے عرض کی ام المومنین اس رقم سے ذرا سا گوشت افطار کے لئے نہیں منگوا سکتی تھیں۔ فرمایا: اب ملامت نہ کرو تم نے اس وقت کیوں یاد نہیں دلایا۔ [2]

ایک دفعہ اور اسی قسم کا واقعہ پیش آیا، روزے سے تھیں، گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا اتنے میں ایک سائلہ نے آواز دی، لونڈی کو حکم دیا کہ وہ ایک روٹی بھی اس کی نذر کر دو۔ عرض کی کہ شام کو افطار کس چیز سے کیجئے گا، فرمایا یہ تو دے دو، شام ہوئی کسی نے بکری کا سالن ہدیۃً بھیجا، لونڈی سے کہا دیکھو یہ تمہاری روٹی سے بہتر چیز خدا نے بھیج دی۔ [3] اپنے رہنے کا مکان امیر معاویہ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا، قیمت جو آئی وہ سب راہِ خدا میں صرف کر دی۔ [4]

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ گو بھانجے تھے، اور خالہ کی نظر میں سب سے زیادہ چہیتے تھے، وہ زیادہ تر خدمت کیا کرتی تھے، لیکن اس فیاض کو دیکھتے دیکھتے وہ بھی گھبرا گئے، کہیں ان کے منہ سے نکل گیا کہ اب ان کا ہاتھ روکنا چاہئے، خالہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے قسم کھالی کہ اب کبھی ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے بات نہیں کروں گی، وہ میرا ہاتھ روکے گا، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ مدت تک معتوب رہے اور آخر بڑی مشکل سے ان کو معاف فرمایا۔ [5]

خشیت الٰہی ورقیق القلبی

دل میں خوف اور خشیت الٰہی تھی، رقیق القلب بھی بہت تھیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر جب نسوانی مجبوری سے حج کے بعض فرائض کی ادا کرنے سے معذوری پیش آ گئی، تو اپنی محرومی پر بے اختیار رونے لگیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشفی دی تو قرار آیا، [6] ایک دفعہ دجال کا خیال کر کے اس

---

[1] مستدرک حاکم۔ [2] ابن سعد جزء نساء ص ۴۶۔
[3] مؤطا امام مالک: کتاب الجامع باب الترغیب فی الصدقہ۔ [4] ابن سعد: ذکر حجرات امہات المومنین۔
[5] صحیح بخاری: باب مناقب قریش۔ [6] صحیح بخاری: کتاب الحج ص ۲۴۰۔

قدر رقت طاری ہوئی کہ رونے لگیں۔ 1 جنگ جمل کی شرکت کا واقعہ یاد آ جاتا تو پھوٹ پھوٹ کر روتیں۔ 2 مرض الموت میں بعض اجتہادی غلطیوں پر اس قدر ندامت ہوتی کہ فرماتی تھیں کہ کاش میں نیست و نابود ہو گئی ہوتی۔ 3

ایک دفعہ کسی بات پر قسم کھالی تھی، پھر لوگوں کے اصرار پر ان کو اپنی قسم توڑنی پڑی، اور گو اس کے کفارے میں چالیس غلام آزاد کیے، تاہم ان کے دل پر اتنا گہرا اثر تھا کہ جب یاد کرتیں تو روتے روتے آنچل تر ہو جاتا (بخاری باب الہجرت) واقعہ افک میں تم پڑھ چکے ہو کہ جب منافقین کی اس تہمت کا حال ان کو معلوم ہوا تو رونے لگیں، والدین لاکھ تشفی دیتے تھے، لیکن ان کے آنسو نہیں تھمتے تھے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک سائلہ ان کے دروازہ پر آئی، دو ننھے ننھے بچے اس کے ساتھ تھے، اس وقت گھر میں کچھ اور نہ تھا، تین کھجوریں ان کو دلوا دیں، سائلہ نے ایک ایک کھجور ان بچوں کو دی اور ایک اپنے منہ میں ڈال لی، بچوں نے اپنا اپنا حصہ کھا کر حسرت سے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔ ماں نے اپنے منہ سے کھجور نکال کر آدھی آدھی دونوں میں بانٹ دی، اور خود نہیں کھائی۔ ماں کی محبت کا یہ حسرت ناک منظر اور اس کی یہ بے کسی دیکھ کر بے تاب ہو گئیں اور ان کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ 4

عبادت الٰہی

عبادتِ الٰہی میں اکثر مصروف رہتیں، چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اگر میرا باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئے اور مجھ کو منع کرے تو میں باز نہ آؤں۔ 5 آنحضرت ﷺ کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر نماز تہجد ادا کرتی تھیں۔ 6 آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی اس قدر پابند تھیں کہ اگر اتفاق سے آنکھ لگ جاتی، اور وقت پر نہ اٹھ سکتیں، تو سویرے اٹھ کر نماز فجر سے پہلے تہجد ادا کر لیتیں، ایک دفعہ اسی موقع پر ان کے بھتیجے قاسم پہنچ گئے تو انہوں نے دریافت کیا کہ پھوپھی جان یہ کیسی نماز ہے؟ فرمایا میں رات کو نہیں پڑھ سکی اور اب اس کو چھوڑ نہیں سکتی ہوں۔ 7

---

1 مسند احمد: ج ۶ ص ۷۵۔ 2 طبقات ابن سعد: جزء نساء ص ۵۶ لائیڈن۔ 3 ایضاً ص ۵۱۔
4 مستدرک حاکم: طیالسی ص ۲۰۴۔ 5 مسند احمد: جلد ۶ ص ۱۳۸۔
6 ایضاً جلد ۶ ص ۹۲۔ 7 دار قطنی: کتاب الصلوٰۃ۔

رمضان میں تراویح کا خاص اہتمام کرتی تھیں، ذکوان نام کا ایک خواندہ غلام تھا، وہ امام ہوتا تھا، سامنے قرآن رکھ کر پڑھتا تھا، یہ مقتدی ہوتیں۔ ❶

اکثر روزے رکھا کرتی تھیں، اور بعض روایتوں میں ہے کہ ہمیشہ روزے سے رہتی تھیں ❷ ایک دفعہ گرمی کے دنوں میں عرفہ کے روز روزے سے تھیں، گرمی اور تپش اس قدر شدید تھی کہ سر پر پانی کے چھینٹے دیئے جاتے تھے۔ عبدالرحمٰن آپ کے بھائی نے کہا کہ اس گرمی میں روزہ کچھ ضروری نہیں، افطار کر لیجئے۔ فرمایا کہ جب آنحضرت ﷺ کی زبانی یہ سن چکی کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنا سال بھر کے گناہ معاف کرا دیتا ہے، تو میں روزہ توڑ دوں گی؟ ❸

حج کی شدت سے پابند تھیں، کوئی ایسا سال بہت کم گزرتا تھا جس میں وہ حج نہ کرتی ہوں، ❹ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اخیر زمانے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ازواج مطہرات کے ساتھ حج کے سفر میں روانہ کیا تھا، ❺ حج میں ان کے ٹھہرنے کے مقامات مقرر تھے، پہلے آنحضرت ﷺ کی تبعیت کے خیال سے میدان عرفہ کی آخری سرحد نمرہ میں اترا کرتی تھیں، جب یہاں لوگوں کا ہجوم ہونے لگا تو وہاں سے ذرا ہٹ کر اراک میں اپنا خیمہ کھڑا کرتی تھیں، کبھی کوہِ ثبیر کے دامن میں آ کر ٹھہرتی تھیں، جب تک یہاں قیام رہتا، وہ خود اور جو لوگ ان کے ساتھ رہتے تکبیر پڑھا کرتے، جب یہاں سے چل کھڑی ہوتیں تو تکبیر موقوف کرتیں۔ پہلے یہ دستور تھا کہ حج کے بعد ذی الحجہ ہی کے مہینہ میں عمرہ ادا کرتی تھیں، بعد کو اس میں ترمیم کی، ماہِ محرم سے پہلے وہ جحفہ میں جا کر ٹھہرتی تھیں، محرم کا چاند دیکھ کر عمرہ کی نیت کرتیں، ❻ عرفہ کے دن روزے سے ہوتیں، شام کو جب سب لوگ یہاں سے روانہ ہو جاتے، افطار کرتیں۔ ❼

معمولی باتوں کا لحاظ

منہیات کی چھوٹی چھوٹی باتوں تک سے بھی پرہیز کرتی تھیں، راستہ میں اگر کبھی ہوتیں اور گھنٹے کی آواز آتی تو ٹھہر جاتیں کہ کان میں اس کی آواز نہ آئے ❽ ان کے ایک گھر میں کچھ کرایہ دار

---

❶ مؤطا و بخاری: باب قیام رمضان ❷ طبقات ابن سعد: جزء نساص ۴۷۔
❸ مسند احمد: جلد ۶ ص ۱۲۸۔ ❹، ❺ صحیح بخاری: باب حج النساء۔
❻ یہ پوری تفصیل موطا باب قطع التلبیہ میں ہے کہ کوہ ثبیر میں قیام کا واقعہ صحیح بخاری باب طواف النساء میں ہے۔
❼ مؤطا امام مالک: صیام یوم عرفہ۔ ❽ مسند احمد: ج ۶ ص ۱۵۲

تھے۔ یہ شطرنج کھیلا کرتے تھے، ان کو کہلا بھیجا کہ اگر اس حرکت سے باز نہ آؤ گے تو گھر سے نکلوا دوں گی۔ ❶

ایک دفعہ گھر میں ایک سانپ نکلا، اس کو مار ڈالا۔ کسی نے کہا آپ نے غلطی کی، ممکن ہے کہ یہ کوئی مسلمان جن ہو۔ فرمایا اگر یہ مسلمان ہوتا تو امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے حجروں میں نہ در آتا۔ اس نے کہا آپ ستر پوشی کی حالت میں تھیں، جب وہ آیا۔ یہ سن کر متاثر ہوئیں، اور اس کے فدیہ میں ایک غلام آزاد کیا۔ ❷

غلاموں پر شفقت

صرف ایک قسم کے کفارہ میں ایک دفعہ انہوں نے چالیس غلام آزاد کیے، ❸ آپ کے کل آزاد کیے ہوئے غلاموں کی تعداد ۶۷ تھی، ❹ تمیم کے قبیلہ کی ایک لونڈی ان کے پاس تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا کہ یہ قبیلہ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کی اولاد میں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے اس کو آزاد کر دیا۔ (بخاری کتاب العتق) بریرہ نام مدینہ میں ایک لونڈی تھیں۔ ان کے مالکوں نے ان کو مُکاتب کیا تھا یعنی کہہ دیا تھا کہ اگر تم اتنی رقم جمع کر دو آزاد ہو، اس رقم کے لئے انہوں نے لوگوں سے چندہ مانگا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو پوری رقم اپنی طرف سے ادا کر کے اُن کو آزاد کر دیا، ❺ ایک دفعہ بیمار پڑیں، لوگوں نے کہا کسی نے ٹوٹکا کیا ہے۔ انہوں نے ایک لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ کیا تو نے ٹوٹکا کیا ہے؟ اس نے اقرار کیا۔ پوچھا کیوں؟ بولی تاکہ آپ جلد مر جائیں تو میں جلد چھوٹوں۔ حکم دیا کہ اس کو کسی شریر کے ہاتھ بیچ ڈالو، اور اس کی قیمت سے دوسرا غلام خرید کر آزاد کر دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، ❻ گویا ایک قسم کی سزا تھی، لیکن کتنی عجیب!

فقراء کی حسبِ حیثیت اعانت

فقراء اور اہل حاجت کی اعانت ان کے حسب حیثیت کرنا چاہیے اگر کسی نیچے طبقے کا آدمی

---

❶ ادب المفرد امام بخاری: باب الادب ص ۲۳۲ ❷ مسند احمد: ج ۶۔ ❸ صحیح بخاری: باب الہجرۃ
❹ شرح بلوغ المرام امیر اسماعیل کتاب العتق۔ ❺ صحیح بخاری و مسلم و مسند احمد وغیرہ۔
❻ یہ حدیث دارقطنی، موطا امام مالک (من روایۃ العقصی) موطا امام محمد، باب العتق، مستدرک حاکم (کتاب الطب) میں ہے۔ لونڈی کو سزا خلاف شریعت امر کے ارتکاب پر دی۔

تمہارے پاس آتا ہے تو اس کی حاجت برآری ہی اس کے درد کی دوا ہے لیکن اگر اس سے بلند درجہ کا آدمی ہے تو وہ اس کے ساتھ کسی قدر عزت و تعظیم کا بھی مستحق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس نکتہ کو ہمیشہ مدنظر رکھتی تھیں، ایک دفعہ ایک معمولی سائل آیا، اس کو روٹی کا ٹکڑا دے دیا، وہ چل دیا۔ اس کے بعد ایک اور شخص آیا جو کپڑے وپڑے پہنے تھا اور کسی قدر عزت دار معلوم ہوتا تھا۔ اس کو بٹھا کر کھانا کھلایا اور پھر رخصت کیا۔ لوگوں نے عرض کی کہ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ دو قسم کے برتاؤ کیوں کئے گئے؟ فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ لوگوں کے ساتھ ان کے حسب حیثیت برتاؤ کرنا چاہئے۔ [1]

پردہ کا اہتمام

پردہ کا بہت خیال رکھتی تھیں، آیت حجاب کے بعد تو یہ تاکیدی فرض ہو گیا تھا۔ [2] جن ہونہار طالب علموں کا اپنے یہاں بے روک ٹوک آنا جانا روا رکھنا چاہتی تھیں، آنحضرت ﷺ کی ایک خاص حدیث کے مطابق اپنی کسی بہن یا بھانجی سے ان کو دودھ پلوا دیتی تھیں [3] اور اس طرح ان کی رضاعی خالہ یا نانی بن جاتی تھیں [4] اور ان سے پردہ نہیں ہوتا، ورنہ ہمیشہ طالب علموں کے اور ان کے درمیان پردہ پڑا رہتا تھا۔ [5] ایک دفعہ حج کے موقع پر چند بیبیوں نے عرض کی کہ اے ام المومنین چلئے، حجر اسود کو بوسہ دے لیں، فرمایا تم جاسکتی ہو، میں مردوں کے ہجوم میں نہیں جاسکتی [6] کبھی دن کو طواف کا موقع پیش آتا، تو خانہ کعبہ مردوں سے خالی کرالیا جاتا تھا، [7] ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف کی حالت میں بھی چہرے پر نقاب پڑی رہتی تھی، [8] ایک غلام کو مکاتب کیا تھا اس سے کہا کہ جب تمہارا زرِ فدیہ اتنا ادا ہو جائے، تو میں تمہارے سامنے نہیں آسکتی، [9] اسحاق تابعی نابینا تھے، وہ خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پردہ کیا، وہ بولے کہ مجھ سے کیا پردہ، میں تو آپ کو دیکھتا نہیں، فرمایا تم مجھے نہیں دیکھتے تو میں تو تم کو دیکھتی ہوں۔ [10] مُردوں سے شریعت

---

[1] ابوداؤد: کتاب الادب۔ [2] صحیح بخاری: ذکر افک۔ [3] صحیح مسلم: کتاب الرضاعہ و مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۷۱۔

[4] اس اجتہادی مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تنہا ہیں، دوسری امہات المومنین کا یہ عمل نہ تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ اجتہادی مسئلہ ایک حدیث پر مبنی ہے جس کی تفصیل آئندہ فقہ کے اختلافی مسائل کے ایک حاشیہ میں آئے گی۔

[5] صحیح بخاری: کتاب الحج طواف النساء وغیرہ۔ [6] صحیح بخاری: کتاب الحج طواف النساء وغیرہ۔

[7] مسند احمد: جلد ۶ ص ۱۱۷۔ [8] اخبار مکہ للازرقی، جلد دوم، ص ۱۰، مکہ معظمہ۔

[9] مسند احمد: جلد ۶ ص ۸۵۔ [10] طبقات ابن سعد: جزء نساء ص ۴۷۔

میں پردہ نہیں، لیکن ان کا کمال احتیاط دیکھئے کہ وہ اپنے حجرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن ہونے کے بعد بے پردہ نہیں جاتی تھیں۔

مناقب

صحیح مسلم کتاب الفضائل میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

اَنَا تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقَلَیْنِ اَوَّلُهُمَا کِتَابُ اللهِ.... وَ اَهْلُ بَیْتِی.

''میں تمہارے درمیان دو عظیم الشان چیزیں چھوڑ جاتا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اہل بیت۔''

مقصد یہ ہے کہ کتاب الٰہی گو اپنی سہولتِ بیان کے لحاظ سے ہر عملی مثال سے بے نیاز ہے، تاہم دنیا میں ہمیشہ ایسے اشخاص کی ضرورت رہے گی، جو اس کے اسرار و رموز کو حل کر سکیں اور ان کی علمی و عملی تعبیر بتا سکیں۔ آپ کے بعد ان اشخاص کو آپ کے اہل بیت میں تلاش کرنا چاہیے۔ اہل بیت سے جو مقصود ہے، خدائے پاک سورۂ احزاب کی آیتوں میں جن کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں، بتا چکا ہے۔

اس قدر شناسی کے لحاظ سے جو آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بابت فرماتے تھے۔ اس صحبت و تعلیم کی بنا پر جو اُن کو میسر آئی تھی اور اس فطری جوہر اور صلاحیت کے لحاظ سے جو قدرت کامل نے ان کو عطا کی تھی اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خاص مرتبہ حاصل تھا، اس بناء پر کتاب اللہ کا ترجمان، سنت رسول کا معبر اور احکام اسلامی کا معلم، ان سے بہتر کون ہو سکتا تھا؟ اور لوگ پیغمبر کو صرف جلوت میں دیکھتے تھے، اور یہ خلوت و جلوت دونوں میں دیکھتی تھیں۔ اسی بنا پر وحی کی زبان ﴿ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ﴾ [۵۳/ النجم: ۳] نے فیصلہ کیا:

فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ. [1]

''عائشہ رضی اللہ عنہا کو عام عورتوں پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح ثرید کے کھانے کو عام کھانوں پر۔''

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رویائے صادقہ نے ان کو حرم نبوی میں ہونے کی خوشخبری سنائی۔ [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بستر کے سوا کسی دوسری ام المومنین کے بستر پر وحی نازل نہیں ہوئی [3]،

[1] صحیح بخاری و ترمذی وغیرہ، مناقب عائشہ رضی اللہ عنہا۔ [2] حوالہ مذکورہ۔

[3] صحیح بخاری: مناقب عائشہ رضی اللہ عنہا۔

جبریل امین نے ان کے آستانہ پر اپنا سلام بھیجا، [1] دوبار ناموسِ اکبر کو ان مادی آنکھوں سے دیکھا [2]، عالم ملکوت کی صدائے بے جہت نے ان کی عفت و عصمت پر شہادت دی، نبوت کے الہام صادق نے ان کو آخرت میں پیغمبر کی چہیتی بیویوں میں ہونے کی بشارت سنائی۔ [3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ میں فخر نہیں کرتی، بلکہ بطور واقعہ کے کہتی ہوں کہ خدا نے مجھ کو نو باتیں ایسی عطا کی ہیں جو دنیا میں میرے سوا کسی اور کو نہیں ملیں، خواب میں فرشتے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میری صورت پیش کی۔ جب میں سات برس کی تھی تو آپ نے مجھ سے نکاح کیا، جب میرا سن نو برس کا ہوا تو رخصتی ہوئی۔ میرے سوا کوئی اور کنواری بیوی آپ کی خدمت میں نہ تھی۔ آپ جب میرے بستر پر ہوتے، تب بھی وحی آتی تھی۔ میں آپ کی محبوب ترین بیوی تھی۔ میری شان میں قرآن کی آیتیں اتریں۔ میں نے جبریل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ آپ نے میری ہی گود میں سر رکھے ہوئے وفات پائی۔ [4]

فضل وکمال

علمی حیثیت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہ صرف عام عورتوں پر، نہ صرف امہات المومنین رضی اللہ عنہن پر، نہ صرف خاص خاص صحابیوں پر، بلکہ چند بزرگوں کو چھوڑ کر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر فوقیت عام حاصل تھی۔ صحیح ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

مَااَشْكَلَ عَلَيْنَا اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم حَدِيْثٌ قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ اِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا. [5]

"ہم صحابیوں کو کوئی ایسی مشکل بات کبھی نہیں پیش آئی کہ جس کو ہم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات ہم کو نہ ملی ہوں۔"

عطا بن ابی الرباح تابعی رحمۃ اللہ علیہ جن کو متعدد صحابہ کے تلمذ کا شرف حاصل تھا، کہتے ہیں:

كَانَتْ عَائِشَةُ اَفْقَهَ النَّاسِ وَاَعْلَمَ النَّاسِ وَ اَحْسَنَ رَأْيًا فِي الْعَامَّةِ [6]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ فقیہ، سب سے زیادہ صاحب علم اور عوام میں سب سے زیادہ اچھی رائے والی تھیں۔"

---

[1] صحیح بخاری: مناقب عائشہ رضی اللہ عنہا۔ [2]، [3] ایضاً۔ [4] مستدرک للحاکم والطبقات لابن سعد۔
[5] جامع ترمذی: مناقب عائشہ رضی اللہ عنہا۔ [6] مستدرک حاکم۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ جو تابعین کے پیشوا تھے، جنہوں نے بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کے آغوش میں تربیت پائی تھی، کہتے ہیں:

كَانَتْ عَائِشَةُ اَعْلَمَ النَّاسِ يَسْئَلُهَا الْاَكَابِرُ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم [1]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں، بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم ان سے پوچھا کرتے تھے۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ کہ وہ بھی جلیل القدر تابعی تھے، کہتے ہیں:

مَا رَاَيْتُ اَحَدًا اَعْلَمَ بِسُنَنِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ لَا اَفْقَهَ فِيْ رَاْيٍ اِنْ اُحْتِيْجَ اِلٰى رَاْيِهٖ وَ لَا اَعْلَمَ بِاٰيَةٍ فِيْمَا نَزَلَتْ وَلَا فَرِيْضَةٍ مِنْ عَائِشَةَ [2]

''میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا جاننے والا اور رائے میں اگر اس کی ضرورت پڑے، ان سے زیادہ فقیہ اور آیتوں کے شان نزول اور فرائض کے مسئلہ کا واقف کار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔''

ایک دن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک درباری سے پوچھا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے، اس نے کہا ''امیر المومنین آپ ہیں۔'' انہوں نے کہا نہیں، میں قسم دیتا ہوں سچ سچ بتاؤ اس نے کہا ''اگر یہ ہے تو عائشہ رضی اللہ عنہا۔'' [3]

حواریٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

مَارَاَيْتُ اَحَدًا اَعْلَمَ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ، وَالْعِلْمِ وَالشِّعْرِ وَالطِّبِّ مِنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ. [4]

''میں نے حلال وحرام وعلم وشاعری اور طب میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔''

ایک اور روایت میں یہ الفاظ اس طرح ہیں:

مَا رَاَيْتُ اَحَدًا اَعْلَمَ بِالْقُرْآنِ وَلَا بِفَرِيْضَةٍ وَلَا بِحَلَالٍ وَلَا بِفِقْهٍ وَ لَا بِشِعْرٍ

---

[1] طبقات ابن سعد: جزء ثانی قسم ثانی ص ۲۶۔
[2] مسند مذکور۔
[3] مستدرک حاکم۔
[4] ایضاً۔

وَ لا بِطِبٍّ وَلا بِحَدِيثِ الْعَرَبِ وَلا نَسَبٍ مِنْ عَائِشَةَ [1]

''قرآن، فرائض، حلال، فقہ، شاعری، طب، عرب کی تاریخ نسب کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر عالم کسی کو نہیں دیکھا۔''

ایک شخص نے مسروق تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے جو تمام تر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تربیت یافتہ تھے، دریافت کیا کہ کیا، ام المومنین فرائض کا فن جانتی تھیں؟ جواب دیا:

إِیْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَقَدْ رَأَیْتُ مَشْیَخَةَ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَسْئَلُوْنَهَا عَنِ الْفَرَائِضِ. [2]

''اللہ کی قسم! میں نے بڑے بڑے صحابہ کو ان سے فرائض کے مسئلے دریافت کرتے دیکھا ہے۔''

حفظِ حدیث اور سنن نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت کا فرض گو دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی ادا کرتی تھیں تاہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رتبہ کو ان میں سے کوئی بھی نہیں پہنچیں، محمود بن لبید کا بیان ہے۔

كَانَ اَزْوَاجُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم یَحْفَظْنَ مِنْ حَدِیْثِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم كَثِیْرًا وَلا مِثْلًا لِعَائِشَةَ وَ اُمِّ سَلَمَةَ. [3]

''ازواج مطہرات بہت سی حدیثیں زبانی یاد رکھتی تھیں، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے برابر نہیں۔''

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت ہے:

لَوْ جُمِعَ عِلْمُ النَّاسِ كُلِّهِمْ وَ عِلْمُ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَكَانَتْ عَائِشَةُ اَوْسَعَهُمْ عِلْمًا. [4]

''اگر تمام مردوں کا اور امہات المومنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جاتا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم ان میں سب سے وسیع ہوتا۔''

بعض محدثین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۷ بحوالہ حاکم وطبرانی بہ سند صحیح۔ [2] مستدرک حاکم وابن سعد: جزء ثانی، ص ۱۲۶۔
[3] طبقات ابن سعد: قسم دوم جزء ثانی ص ۱۲۶۔ [4] مستدرک حاکم۔

خُذُوْا شَطْرَ دِيْنِكُمْ عَنْ حُمَيْرَاءَ .

"اپنے مذہب کا ایک حصہ اس گوری عورت سے سیکھو۔"

اس حدیث کو ابن اثیر "نہایہ" میں اور فردوس اپنی مسند میں (بتغیر الفاظ) لائے ہیں، لیکن لفظاً اس کی سند ثابت نہیں اور اس کا شمار موضوعات میں [1] ہے، تاہم معناً اس کے صحیح ہونے میں کس کو شک ہے۔

علم واجتہاد

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سیرت کا وہ باب ہے، جہاں وہ نہ صرف عورتوں میں بلکہ مردوں میں بھی علانیہ ممتاز نظر آتی ہیں، کتاب وسنت اور فقہ واحکام میں ان کا مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ حضرت عمر فاروق، علی مرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے ساتھ بے تکلف ان کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اہمیت کے لحاظ سے ہم کتاب اللہ سے اس باب کا آغاز کرتے ہیں۔

قرآن مجید

سب کو معلوم ہے کہ قرآن مجید تیس سال کے اندر نازل ہوا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبوت یا نزول قرآن کے چودہویں سال ۹ برس کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آئیں۔ اس لئے ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا زمانہ تقریباً دس سال ہے، اس سے ظاہر ہوگا کہ نزول قرآن کا نصف سے زیادہ حصہ ان کے ابتدائے ہوش سے پہلے کا واقعہ ہے، لیکن اس غیر معمولی دل ودماغ کی ہستی نے اس زمانہ کو بھی جو عموماً طفلانہ بے خبری اور لہو ولعب کا عہد ہے، رائیگاں نہیں کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ بلا ناغہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لاتے تھے، [2] حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں ایک مسجد بنالی تھی، اس میں بیٹھ کر نہایت رقت اور خشوع کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے، [3] ناممکن ہے کہ ان موقعوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فوق الفطرۃ حافظہ نے فائدہ نہ اٹھایا ہو، فرماتی تھیں کہ جب یہ آیت اتری تھی:

﴿ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ ﴾ [۵۴/القمر:۴۶]

"بلکہ قیامت کا روز ان کے وعدہ کا دن ہے، وہ گھڑی نہایت سخت اور نہایت تلخ

---

[1] موضوعات شوکانی ص ۱۳۵ خاتمہ مجمع البحار، ص ۵۱۴، مقاصد حسنہ ص ۹۴ وغیرہ۔

[2] صحیح بخاری: باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [3] صحیح بخاری: باب ہجرۃ

ہو گی۔‘‘

تو میں کھیل رہی تھی۔ 1

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تیرہ چودہ برس کے سن تک (۵ ھ تک) قرآن زیادہ یاد نہ تھا۔ خود اس کا اقرار کرتی ہیں:

وَاَنَا جَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ لَا اَقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ كَثِيرًا. 2

’’میں اس وقت کم سن تھی زیادہ قرآن پڑھی ہوئی نہیں تھی۔‘‘

لیکن اس عالم میں بھی وہ قرآن ہی کا حوالہ دیتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک قرآن تحریراً کتاب میں مدون نہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں ان کو کاغذ پر مرتب کرایا، اسی اثناء میں اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے اپنے طور پر روزانہ تلاوت کے لئے قرآن ترتیب دے لیا تھا۔ ان میں صرف سورتوں کے تقدم و تاخر کا اختلاف تھا۔

ابو یونس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک غلام تھے، 3 کتابت کے فن سے واقف تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے ہاتھ سے اپنے لئے قرآن لکھوایا تھا، 4 اختلاف قرأت کا اثر عجم کے میل جول سے عراق میں سب سے زیادہ تھا۔ عراق کے ایک صاحب ان سے ملنے آئے تو درخواست کی کہ ام المومنین! مجھے اپنا قرآن دکھایئے۔ 5 وجہ دریافت کی تو کہا ہمارے ہاں قرآن اب تک بے ترتیب پڑھتے ہیں، چاہتا ہوں کہ اپنے قرآن کی ترتیب آپ ہی کے قرآن کے مطابق کردوں۔ فرمایا سورتوں کے آگے پیچھے ہونے میں کوئی نقصان نہیں، پھر اپنا قرآن نکال کر ہر سورۂ کی سر آیات پڑھ کر لکھوادیں۔ 6

عادت یہ تھی کہ جس آیت کریمہ کا مطلب سمجھ میں نہ آتا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتیں، چنانچہ صحیح حدیثوں میں متعدد آیتوں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سوال 7 مذکور ہے، امہات المومنین کو خدا کی طرف سے حکم تھا:

﴿ وَ اذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ﴾

[۳۳/الاحزاب:۳۴]

---

1 صحیح بخاری: تفسیر سورۂ قمر۔ 2 بخاری: واقعہ افک۔ 3 مسند احمد: جلد ۶، ص ۷۳۔
4 صحیح بخاری: تفسیر صلوٰۃ الوسطیٰ و مسند جلد ۶ ص ۷۳۔ 5 صحیح بخاری: باب جمع القرآن۔
6 بخاری: باب تالیف قرآن۔ 7 دیکھو باب تربیت و تعلیم۔

''تمہارے گھروں میں خدا کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں پڑھ کر سنائی جارہی ہیں، ان کو یاد کیا کرو۔''

اس حکم کی تعمیل بھی ضروری تھی، آنحضرت ﷺ تہجد کی نماز میں قرآن مجید کی بڑی بڑی سورتیں نہایت غور وفکر اور خشوع وخضوع سے تلاوت فرماتے۔ حضرت عائشہ ان نمازوں میں آپ کے پیچھے ہوتیں، [1] قرآن کا نزول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی اور بیوی کے بستر پر نہیں ہوا۔ [2] قرآن اترتا تو پہلی آواز انہی کے کانوں میں پڑتی۔ فرماتی ہیں کہ سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء جب اتریں تو میں آپ کے پاس تھی [3] غرض یہ اسباب ومواقع ایسے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قرآن مجید کی ایک ایک آیت کی طرز قرأت، محمل معنوی، موقع استدلال اور طریقہ استنباط پر عبور کامل حاصل ہو گیا تھا۔ وہ ہر مسئلہ کے جواب کے لئے پہلے عموماً قرآن پاک کی طرف رجوع کرتی تھیں۔ عقائد وفقہ و احکام کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے اخلاق وسوانح کو بھی جو اُن کے سامنے کی چیزیں تھیں اور جن کا تعلق تاریخ وخبر سے ہے، وہ قرآن پاک ہی کے حوالہ سے کرتی تھیں۔ ایک دفعہ چند صاحب زیارت کو آئے، عرض کیا کہ ام المومنین! حضور انور ﷺ کے کچھ اخلاق بیان فرمائیں؟ بولیں: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے! آپ کا اخلاق سرتاپا قرآن تھا، پھر دریافت کیا کہ آپ کی عبادتِ شبانہ کا کیا طریقہ تھا۔ فرمایا: کیا سورت مزمل میں نہیں پڑھا۔ [4]

عقائد اور فقہ واحکام کے استنباط واستدلال میں وہ جس طرح قرآن مجید کی آیتوں سے استناد کرتی ہیں، وہ مختلف عنوانوں کے تحت میں آگے آتا ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ مغز سخن تک ان کی نگاہ کیونکر پہنچ جاتی تھی۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے قرآن مجید کی تفسیریں بطریق صحیح بہت کم مروی ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے جامع صحیح میں تفسیر کا بہت بڑا حصہ داخل کیا، لیکن زیادہ تر ان میں تابعین کی روایتوں سے لغات کا حل ہے، یا اپنی عادت کے مطابق، مختلف واقعات کو کسی آیت کی ذرا سی مناسبت کی وجہ سے تفسیر میں نقل کرتے ہیں، ورنہ اصل تفسیر کا حصہ بہت کم ہے، ترمذی میں بھی حقیقی تفسیر کا حصہ کم ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے البتہ نہایت احتیاط سے خالص تفسیر کا حصہ صحیح کے آخر میں یک جا کر دیا ہے

---

[1] مسند احمد: جلد ۶ ص ۹۲۔ [2] صحیح بخاری: باب تالیف قرآن۔ [3] ایضاً۔

[4] ابوداؤد قیام اللیل ومسند احمد ج ۶، ص ۸۴۔

لیکن وہ بہت مختصر ہے، تاہم جو کچھ ہے وہ زیادہ تر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرویات ہیں۔ بہرحال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیری روایتیں کم نہیں ہیں۔ لیکن ہم انہی آیتوں کی تفسیروں پر اکتفا کرتے ہیں، جن میں کوئی خاص نکتہ ہے۔

① اعمالِ حج میں سے ایک کوہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا بھی ہے، قرآن مجید میں اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ہیں:

﴿ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ﴾ [۲/البقرہ:۱۵۸]

"صفا اور مروہ کی پہاڑیاں، شعائر الٰہی میں سے ہیں، پس جو خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے کچھ مضائقہ نہیں اگر ان کا بھی وہ طواف کرے۔"

عروہ رضی اللہ عنہ نے کہا خالہ جان! اس کے تو یہ معنی ہیں کہ اگر کوئی طواف نہ کرے تو بھی کچھ حرج نہیں، فرمایا: بھانجے! تم نے ٹھیک نہیں کہا، اگر آیت کا مطلب وہ ہوتا جو تم سمجھے ہو تو خدا یوں فرماتا۔ لَا جُنَاحَ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا، اگر ان کا طواف نہ کرو تو کچھ حرج نہیں، اصل میں یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے، اوس و خزرج اسلام سے پہلے منات کی جے پکارا کرتے تھے۔ منات مشلل میں نصب تھا، اس لیے صفا اور مروہ کا طواف برا جانتے تھے، اسلام لائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم لوگ پہلے ایسا کرتے تھے۔ اب کیا حکم ہے؟ اس پر خدا نے ارشاد فرمایا کہ صفا اور مروہ کا طواف کرو، اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا و مروہ کا طواف فرمایا ہے اب کسی کو اس کے ترک کرنے کا حق نہیں۔

ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث تھے، ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ تقریر معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا "علم اس کو کہتے ہیں۔" [1] اور یہ واقعہ ہے کہ چند فقروں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اصولِ تفسیر کی ایک بہت بڑی گرہ کھول دی۔ ہر تفسیر میں ہمیشہ اس اصول کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ عرب کے محاورات کے مطابق الفاظ سے جو معنی متبادر ہوتے ہیں، انہی کو قرآن کا مقصود سمجھنا چاہیے۔ ورنہ جیسا کہ ام المومنین فرماتی ہیں اللہ تعالیٰ اس کو دوسری عبارت میں اس طرح ادا فرما سکتا تھا کہ دوسرے غیر متبادر اور مخفی معنی متبادر اور واضح ہو جاتے۔

② قرآن مجید کی ایک آیت ہے جو سورۂ یوسف علیہ السلام میں ہے:

---

[1] صحیح بخاری: باب وجوب الصفاء والمروۃ۔

﴿ حَتّٰى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۱۰]

''یہاں تک کہ جب پیغمبر نا امید ہو گئے اور ان کو خیال ہوا کہ وہ جھوٹ بولے گئے، تو ہماری مدد آ گئی۔''

عروہ نے پوچھا کُذِبُوْا (جھوٹ بولے گئے، یعنی ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا) یا کُذِّبُوْا (وہ جھٹلائے گئے) فرمایا کُذِّبُوْا (جھٹلائے گئے) عروہ نے کہا اس کا تو ان کو یقین تھا کہ وہ جھٹلائے گئے اور ان کی قوم نے ان کی نبوت کی تکذیب کی، یہ ظن اور خیال تو نہ تھا، اس لئے کُذِبُوْا (ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا) صحیح ہے۔ [1] بولیں معاذ اللہ! پیغمبرانِ الٰہی خدا کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے کہ اس نے ان سے امداد و نصرت کا جھوٹا، وعدہ کیا۔ عروہ نے پوچھا پھر آیت کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا یہ پیغمبروں کے پیروؤں سے متعلق ہے کہ جب انہوں نے ایمان قبول کیا اور نبوت کی تصدیق کی اور ان کی قوم نے ان کو ستایا، اور مدد الٰہی میں ان کو تاخیر معلوم ہوئی، یہاں تک کہ پیغمبر اپنی قوم کے منکرین کے ایمان سے نا امید ہو گئے، خیال ہوا کہ شاید اس تاخیر کے سبب مومنین بھی ہماری تکذیب نہ کر دیں کہ دفعۃً نصرت الٰہی جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ [2]

③ جس آیت پاک میں چار بیویوں تک کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ﴾ [۴/ النساء:۳]

''اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارہ میں انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو۔ (اگر عدل نہ ہو تو ایک)''

بظاہر آیت کے پہلے اور پچھلے ٹکڑوں میں باہم ربط نہیں معلوم ہوتا۔ یتیموں کے حقوق میں عدم انصاف اور نکاح کی اجازت میں باہم کیا مناسبت ہے؟ ایک شاگرد نے ان کے سامنے اس اشکال کو پیش کیا، فرمایا ''آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بعض لوگ یتیم لڑکیوں کے ولی بن جاتے ہیں، ان سے موروثی رشتہ داری ہوتی ہے۔ وہ اپنی ولایت کے زور سے چاہتے ہیں کہ اس سے نکاح کر کے اس کی جائیداد پر قبضہ کر لیں اور چونکہ اس کی طرف سے کوئی بولنے والا نہیں ہے۔ اس لئے مجبور پا کر اس کو

---

[1] عام قراءت یہی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بھی یہی روایت ہے دیکھو۔ صحیح بخاری باب ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ [2] صحیح بخاری: تفسیر سورۂ یوسف۔

ہر طرح دباتے ہیں، خدائے پاک اُن مردوں کو خطاب کرتا ہے کہ تم ان یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں انصاف سے نہ پیش آسکو تو ان کے علاوہ اور عورتوں سے دو تین چار نکاح کرلو، مگر ان کو یتیم لڑکیوں کو اپنے نکاح میں لے کر اپنے بس میں نہ لے آؤ۔ [1]

④ اسی سورۂ میں ایک اور آیت ہے:

﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَ مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ ﴾ [۴/النساء:۱۲۷]

''ان لڑکیوں کی نسبت لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں، کہہ دے کہ خدا ان کے حق میں فیصلہ کرتا ہے۔ اس کتاب (قران) میں جو کچھ تم لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا ہے ان یتیم لڑکیوں کی نسبت جن کو تم ان کے مقررہ حقوق دیتے ہو اور نہ خود ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو۔''

اسی پہلے سائل نے اس کے بعد اس آیت کا مطلب دریافت کیا۔ فرمایا کہ اس آیت میں یہ جو ارشاد ہوا ہے کہ قرآن میں پہلے جو کچھ ان کے بارے میں پڑھ کر سنایا گیا ہے، اس سے مقصود وہی پہلی آیت ہے، یہ حکم ان اولیا سے متعلق ہے جو یتیم لڑکیوں کو نہ خود اپنے نکاح میں لیتے ہیں کہ وہ حسن و جمال سے محروم ہیں اور نہ دوسروں سے ان کا نکاح کر دینا پسند کرتے ہیں کہ جائداد کے ہاتھ سے نکل جانے کا خوف ہے۔ [2]

⑤ اس آیت کے مطلب میں لوگوں کو اختلاف ہے:

﴿ وَ مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَ مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ [۴/النساء:۶]

''اور جو تونگر ہو اس کو اس سے بچنا چاہئے اور جو تنگدست ہو، وہ قاعدہ کے مطابق اس سے لے۔''

فرمایا یہ آیت یتیموں کے اولیا کی شان میں ہے کہ یتیموں کے مال میں سے اگر محتاج ہوں تو لیکر کھا سکتے ہیں، حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ اجازت حسب ذیل آیت سے منسوخ ہے: [3]

---

[1] صحیح مسلم: کتاب التفسیر و صحیح بخاری: کتاب النکاح۔ [2] صحیح مسلم: کتاب التفسیر و صحیح بخاری: کتاب النکاح۔
[3] نووی شرح مسلم: کتاب التفسیر۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا﴾ [۴/النساء:۱۰]

''جولوگ ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔''

لیکن اس آیت میں تو یہ سزا ان لوگوں کے لئے بیان کی گئی ہے جو ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس آیت میں کھانے کی اجازت ہے، وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو یتیموں کی جائداد کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور انکا کاروبار سنبھالتے ہیں، اگر یہ ولی کھاتا پیتا ہے تو اس کو اس کی خدمت کا کوئی معاوضہ نہ لینا چاہئے، اگر وہ مفلس و تنگدست ہے تو قاعدہ کے مطابق حسب حیثیت لے سکتا ہے۔ [1] اس تفسیر کی بنا پر دونوں آیتوں میں کوئی تخالف نہیں ہے۔

⑥ عورت کو اگر اپنے شوہر سے شکایت ہو تو اس موقع کی آیت ہے:

﴿وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَ الصُّلْحُ خَیْرٌ ؕ﴾ [۴/النساء:۱۲۸]

''اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے ناراضمندی اور اعراض کا خوف ہو تو اس میں مضائقہ نہیں کہ دونوں آپس میں صلح کرلیں اور صلح تو ہر حال میں بہتر ہے۔''

ناراضی دور کرنے کے لئے صلح کر لینا تو بالکل ایک کھلی ہوئی بات ہے، اس کے لئے خدائے پاک کو ایک خاص حکم کے نزول کی کیا حاجت تھی۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت اس عورت کی شان میں ہے جس کا شوہر اس کے پاس زیادہ آتا جاتا نہیں یا بیوی سن سے اتر گئی ہے اور شوہر کی خدمت گزاری کے قابل نہیں رہی ہے، اس خاص حالت میں اگر بیوی طلاق لینا پسند نہ کرے اور بیوی رہ کر شوہر کو اپنے حق سے سبکدوش کردے تو یہ باہمی مصالحت بُری نہیں، بلکہ قطعی علیحدگی سے یہ صلح بہتر ہے۔

⑦ قرآن مجید میں جہاں کہیں کسی ہیبت ناک منظر یا خوف کا ذکر ہے، مفسرین کا عام طرز یہ ہے کہ اس کو قیامت سے متعلق سمجھتے ہیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ ہر آیت کے محمل کو جانتے تھے، اس لیے صحیح طریقہ سے اس کی تعین کر سکتے تھے، ایک آیت میں ہے کہ جس دن آسمان دھواں لائے گا ﴿یَوْمَ

[1] صحیح مسلم: کتاب التفسیر و صحیح بخاری: تفسیر سورۂ نساء۔

﴿ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ ﴾ [۴۴/الدخان:۱۰] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے جو قحط پڑا تھا اس کے متعلق یہ آیت ہے۔ 1

اسی طرح قرآن میں ایک موقع پر ہے:

﴿ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ ﴾ [۳۳/الاحزاب:۱۰]

''جب وہ تمہارے سامنے سے آئے اور تمہارے پیچھے سے آئے اور جب نگاہیں ماندھ ہوگئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ غزوہ خندق کا واقعہ ہے۔ 2 یعنی یہ غزوہ خندق کے موقع پر مسلمانوں کے اضطراب اور ابتلاء وامتحان کی تصویر ہے۔

⑧ قرآن مجید میں نماز کے متعلق حکم ہے:

﴿ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ﴾ [۲/البقرہ:۲۳۸]

''نمازوں کی پابندی کرو خصوصاً بیچ کی نماز کی۔''

''بیچ کی نماز'' سے کیا مراد ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس باب میں اختلاف ہے۔ مسند احمد میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس سے ظہر کی نماز مراد ہے۔ 3 بعض صحابہ کہتے ہیں کہ اس سے صبح کی نماز مقصود ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بیچ کی نماز سے عصر کی نماز مقصود ہے۔ اپنی اس تفسیر کی صحت پر ان کو اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے مصحف کے حاشیہ پر انہوں نے اس کو لکھوا دیا تھا۔ 4 اس تفسیر کی صحت حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہم کی روایتوں سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ 5 بیچ کی نماز سے دن کی نمازوں کا بیچ مقصود ہے اور وہ عصر ہے، کیونکہ ظہر اور مغرب کے بیچ میں ہے۔

⑨ سورۂ بقرہ کے آخر میں ہے:

﴿ وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ [۲/البقرہ:۲۸۴]

''جو تمہارے دل میں ہے اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ خدا اس کا حساب لے گا۔ پھر جس

---

1 صحیح مسلم: کتاب التفسیر و صحیح بخاری: کتاب التفسیر۔ 2 صحیح مسلم: کتاب التفسیر۔ 3 مسند احمد: جلد ۵ ص ۲۰۶۔
4 صحیح بخاری: تفسیر آیت مذکور۔ 5 جامع ترمذی: آیت مذکور۔

کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا سزا دے گا۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دل تک میں جو خیالات اور اندیشے آتے ہیں، خدا اُن کا بھی حساب لے گا، پھر اگر چاہے گا تو بخش دے گا اور اگر چاہے گا تو ان پر سزا دے گا۔ لیکن دل میں بے ارادہ جو وسوسے اور خیالات آتے ہیں، اگر خدا ان پر بھی دارو گیر کرے تو انسان کے لئے جینا مشکل ہو جائے۔

حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت اپنے بعد کی اس آیت سے منسوخ ہے: [1]

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ﴾ [2]

''خدا کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا، وہ جو کچھ کرے گا اس کا نفع یا نقصان اس کو ملے گے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بھی یہی رائے ہے۔ [3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے اس اوپر کی آیت کا مطلب پوچھا تو اسی کے ساتھ اس کی ہم معنی ایک آیت اور پیش کی:

﴿ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ﴾ [۴/النساء:۱۲۳]

''جو کوئی برائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔''

سائل کا مطلب یہ تھا کہ اگر یہ سچ ہے تو مغفرت اور رحمت الٰہی کی شان کہاں ہے اور نجات کی کیونکر امید ہے؟ فرمایا: میں نے جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر پوچھی ہے، تم ہی پہلے شخص ہو جس نے اس کو مجھ سے دریافت کیا، خدا کا فرمان سچ ہے لیکن پروردگار اپنے بندے کے چھوٹے چھوٹے گناہ، ذرا ذرا سی مصیبت اور ابتلا کے معاوضہ میں بخش دیتا ہے۔ مومن جب بیمار ہوتا ہے۔ اس پر کوئی مصیبت آتی ہے۔ یہاں تک جیب میں کوئی چیز رکھ کر بھول جاتا ہے اور اس کی تلاش میں اس کو پریشانی لاحق ہوتی ہے (یعنی ان ابتلا آت میں اس کی مغفرت و رحمت کا دروازہ کھل جاتا ہے) پھر یہ حال ہوتا ہے کہ جس طرح سونا آگ سے خالص ہو کر نکلتا ہے اسی طرح مومن دنیا سے پاک وصاف ہو کر نکلتا ہے۔ [4]

ان آیات کی تفسیروں کے علاوہ اور آیات کی تفسیریں بھی ان سے مروی ہیں لیکن ہم صرف اس لئے ان کو قلم انداز کرتے ہیں کہ وہ عام طور سے معلوم اور مفسرین میں معروف ہیں۔ اور ان کو اپنے

---

[1] جامع ترمذی: تفسیر آیت مذکور [2] [۲/البقرہ:۲۸۶]
[3] صحیح بخاری: تفسیر آیت مذکور۔ [4] جامع ترمذی: تفسیر آیت مذکور

دوسرے معاصروں سے ان کی تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں۔قرآن مجید کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معلومات کی وسعت کا اندازہ حدیث وفقہ اور کلام کے عنوانوں سے بھی ہوگا۔

قرآن مجید کو موجودہ متواتر، حروف وکلمات وآیات کے علاوہ کوئی دوسرا زائد حرف یا کلمہ یا آیت بطریق غیر متواتر کسی صحابی سے مروی ہو تو اس کو ''قرأت شاذہ'' کہتے ہیں۔اس قسم کی دو ایک قرأتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہیں، ایک تو اس آیت میں:

وَ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (والصلوٰة العصر)

''نمازوں کی پابندی کرو خصوصاً بیچ کی نماز کی (اور عصر کی نماز)۔''

ابو یونس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام کہتے ہیں کہ مجھ کو انہوں نے ایک قرآن لکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب اس آیت پر پہنچو تو مجھے اطلاع دینا۔ جب میں اس آیت پر پہنچا تو انہوں نے آیت بالا کو اس طرح لکھوایا اور کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے، [1] اصل قرآن میں وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ کا لفظ نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس سے ''وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ'' کی زیادتی قرآن میں مقصود نہ تھی بلکہ ﴿الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ کی تفسیر مقصود تھی اس میں راوی کی غلط فہمی کو دخل ہے۔

رضاعت کے متعلق ان سے مروی ہے کہ پہلے یہ آیت اتری تھی کہ دس گھونٹ پینے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے، پھر پانچ گھونٹ کا حکم ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یہ آیت قرآن میں موجود تھی۔ [2] لیکن قرآن مجید میں بالاتفاق اس قسم کی کوئی آیت نہ تھی۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف اس حدیث کی نسبت اگر صحیح ہے تو شاید ان کو وہم ہوا ہوگا، اور یا انہوں نے یہ کہا ہو کہ پہلے ایسا حکم تھا، یہ اضافہ کہ قرآن میں یہ حکم تھا، راوی کی غلط فہمی ہوگی۔ [3]

---

[1] جامع ترمذی: تفسیر آیت مذکور۔ [2] صحیح مسلم: کتاب الرضاعۃ۔

[3] بعض راویوں نے (جیسا کہ دارقطنی اور ابن ماجہ کتاب الرضاعۃ میں ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رضاعت کی یہ حدیث کاغذ پر لکھی ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں سرہانے پڑھی تھی۔ ہم لوگ آپ کی تیمارداری میں مصروف تھے، اتفاق سے بکری آئی اور کاغذ چبا گئی یہ تمام تر باطل اور جھوٹ ہے، مرض الموت میں باتفاق علما کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ اور اگر مرض الموت سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی ہوتی تو وہ کاتبین وحی کے پاس ہوتی اور تمام مسلمانوں کو یاد ہوتی، نہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بستر کے سرہانے پڑی ہوتی۔اس کے راوی محمد بن اسحاق ہیں، جو احادیث اور احکام میں معتبر نہیں صحیح مسلم و موطا وغیرہ زیادہ معتبر کتابوں میں ⟸

حدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن

علم الحدیث کا موضوع درحقیقت ذاتِ نبوی ہے۔ اس لیے اس فن کی واقفیت کے ذریعے سب سے زیادہ اس کو حاصل تھے جس کو سب سے زیادہ آپ کا تقرب حاصل تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قدرۃً اس قسم کے مواقع زیادہ مل سکتے تھے، ہجرت سے تین برس پہلے ان کا نکاح ہوا تھا، اس اثنا میں روزانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لاتے تھے، [1] ہجرت کے بعد چھ مہینے تک البتہ وہ دیدارِ نبوت سے محروم رہیں، شوال میں رخصت ہو کر وہ کاشانہ نبوی میں آئیں۔ اس وقت سے تادم مرگ اس ذات اقدس سے الگ نہ ہوئیں۔ اسلام کی ابتدائی زندگی گو ان کے بچپن کا عہد تھا، لیکن ان کی فطری ذہانت اور قوتِ حفظ اس کی پوری تلافی کرتی ہے، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے میں اُن سے چند مہینے زیادہ ہیں، لیکن ایک تو فہم اور ادراک اور سمجھ اور استعداد کا اختلاف، دوسرے یہ کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ضعیف العمر تھیں، [2] ان کے قویٰ میں انحطاط آچکا تھا، اور آپ کی وفات سے چند سال پہلے وہ خدمت گزاری سے بھی معذور ہو چکی تھیں، [3] اس کے برخلاف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نوجوان تھیں اور نوجوانی کے سبب بھی ان کی عقلی اور دماغی قوتوں میں روز افزوں ترقی تھی اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخیر عمر تک ہمیشہ خدمت گزار اور شرفِ صحبت سے ممتاز رہیں، اس لئے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور احکام سے زیادہ واقفیت تھی۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسری ازواج مطہرات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہت بعد حبالۂ نکاح میں آئیں۔ اس پر بھی ان کو آٹھ روز میں ایک دن خدمت گزاری کا موقع ملتا تھا اور چونکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی تھی، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آٹھ روز میں دو دن یہ شرف حاصل ہوتا تھا، [4] ان کا حجرہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معلم نبوت کا درسگاہ عام تھا، بالکل متصل تھا۔ اس بنا پر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کوئی بھی احادیث کی واقفیت اور اطلاع میں ان کا کوئی حریف نہیں۔

ان کی روایت کی ہوئی حدیثوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ نہ صرف ازواج مطہرات، نہ

بقیہ حاشیہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ خمس رضعات والی حدیث موجود ہے لیکن بکری کے کاغذ چبانے والا ٹکڑا اس میں نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی شریر راوی کا اضافہ ہے۔

[1] صحیح بخاری: باب الہجرۃ۔ [2] صحیح مسلم: باب جواز ھبتھا نوبتھا لضرتھا۔

[3] بحوالہ سابق۔ [4] صحیح مسلم: باب جواز ھبتھا نوبتھا لضرتھا۔

صرف عام عورتوں بلکہ مردوں میں بھی چار پانچ کے سوا کوئی ان کی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتا، اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا پایہ شرف صحبت، اختصاصِ کلام اور قوتِ فہم وذکا میں اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت بلند تھا۔ لیکن ایک تو قدرۃً بیوی کو مہینوں میں جو کچھ معلوم ہوسکتا ہے۔ احبابِ خاص کو بھی برسوں میں اس کی واقفیت ہوسکتی ہے، دوسرے ان بزرگوں کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی خلافت کے عظیم الشان فرائض اور مہمات میں مصروف رہنا پڑا، اس لئے ان کو احادیث کی روایت کی فرصت بہت کم ہاتھ آسکتی تھی، اس پر بھی جو کچھ حدیثیں ان سے آج تک محفوظ ہیں، وہ خلافت کے تعلق سے ان کے فیصلے اور احکام ہیں جن پر ہماری فقہ کی اصل بنیاد ہے، اس بناپر اصل روایت حدیث کا فرض دوسرے فارغ البال لوگوں نے انجام دیا۔

ان بزرگوں کی روایات کی کثرت اور قلت کا ایک اور راز بھی ہے۔ اکابر صحابہ کا زمانہ خود صحابہ کا عہد تھا، جن کو دوسروں سے سوال و پرسش کی حاجت ہی نہ تھی، تابعین جو اس گوہر نایاب کے جویاں ہوسکتے تھے وہ عموماً پچیس تیس برس کے بعد پیدا ہوئے، لوگ اپنے پیغمبر کے حالات جاننے کے لئے بے قرار تھے بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی زندگی کی منزلیں طے کرچکے تھے اور دنیا ان کے وجود سے محروم ہوچکی تھی۔ کم عمر اصحاب اب عالم شباب میں تھے اور جب تک ہجرت کی پہلی صدی منقرض نہ ہوئی ان کا آخری سلسلہ منقطع نہ ہوا، اس بناپر کثیر الروایت صحابہ جن کی روایات سے کتب حدیث کے اوراق مالامال ہیں، وہ یہی کم سن بزرگوار ہیں۔ [1]

مکثرین کثیر الروایۃ صحابہ جن کی روایتوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہے، سات اشخاص ہیں۔ [2]

نام	سنہ وفات	تعداد مرویات
۱:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ	۵۷، ۵۸، ۵۹	۵۳۶۴
۲:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ	۶۸	۲۶۶۰
۳:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ	۷۳	۲۶۳۰
۴:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ	۷۴	۲۵۴۰
۵:۔ حضرت اُنس رضی اللہ عنہ	91	۲۶۸۶
۶:۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ	۷۴	۲۲۷۰
۷:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۵۷۔ ۵۸	۲۲۱۰

[1] ابن سعد جز ثانی قسم ثانی [2] یہ فہرست سخاوی کی فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث سے ماخوذ ہے، ص ۱۷۳ لکھنو۔

مکثرین روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا درجہ

کثرت روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا چھٹا نمبر ہے۔ جن لوگوں کا نام ان سے اوپر ہے ان میں سے اکثر امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے بعد بھی زندہ رہے ہیں اور ان کی روایت کا سلسلہ چند سال اور جاری رہا ہے، اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت یہ بھی لحاظ رہے کہ وہ ایک پردہ نشین خاتون تھیں اور اپنے مرد معاصرین کی طرح نہ وہ ہر مجلس میں حاضر رہ سکتی تھیں اور نہ مسلمان طالبینِ علم ان تک ہر وقت پہنچ سکتے تھے، اور نہ ان بزرگوں کی طرح ممالک اسلامیہ کے بڑے بڑے شہروں میں ان کا گزر ہوا، تو ان کی حیثیت ان سبع سیاروں میں سب سے زیادہ روشن نظر آئے گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایتوں کی تعداد

فہرست بالا سے معلوم ہو چکا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کل روایتوں کی تعداد دو ہزار دو سو دس ہے۔ جن میں سے صحیحین میں دو سو چھیاسی حدیثیں ان کی روایت سے داخل ہیں۔ ان میں سے ایک سو چوہتر حدیثیں دونوں میں مشترک ہیں۔ چون حدیثیں ایسی ہیں جو صرف بخاری میں ہیں اور اٹھاون صرف مسلم میں، اس حساب سے بخاری میں ان کی دو سو اٹھائیس اور مسلم میں دو سو بتیس حدیثیں اور بقیہ حدیثیں حدیث کی دوسری اور کتابوں میں مذکور ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مسند کی چھٹی جلد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثیں ہیں جو مصر کے مطبوعہ باریک ٹائپ کے ۲۵۳ صفحوں پر پھیلی ہوئی ہیں، اگر ان کو الگ جمع کیا جائے تو حدیث کی ایک مستقل اور ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

مکثرین میں روایت کے ساتھ درایت

لیکن محض روایت کی کثرت ان کی فضیلت اور مزیت کا باعث نہیں ہے اصل چیز دقت رسی اور نکتہ فہمی ہے، قلیل الروایت بزرگوں میں بڑے بڑے فقہائے صحابہ داخل ہیں لیکن عموماً وہ اشخاص جو ہر شخص سے ہر قسم کی باتیں روایت کر دیا کرتے ہیں، فہم و درایت سے عاری ہوتے ہیں۔ مکثرین روایت میں جن سات بزرگوں کے نام داخل ہیں ان میں سے پانچ اصحاب اصولیین کے نزدیک صرف روایت کش سمجھے جاتے ہیں، ان کا شمار فقہائے صحابہ میں نہیں ہے۔ چنانچہ روایت کا جو ذخیرہ اس وقت ہمارے پاس موجود ہے اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے کوئی فقہی اجتہاد اور قرآن و سنت سے کسی غیر منصوص مسئلہ کا استنباط ثابت نہیں، اس مخصوص فضیلت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ صرف حضرت عبداللہ بن

عباس رضی اللہ عنہما شریک ہیں جو روایت کی کثرت کے ساتھ تفقہ، اجتہاد، فکر اور قوت استنباط میں بھی ممتاز تھے۔

روایات کی کثرت کے ساتھ تفقہ اور قوتِ استنباط کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایتوں کی ایک خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ جن احکام اور واقعات کو نقل کرتی ہیں ان کے علل و اسباب بھی بیان کرتی ہیں، وہ خاص حکم جن مصلحتوں پر مبنی ہوتا ہے ان کی تشریح کرتی ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تینوں سے پہلو بہ پہلو روایتیں ہیں کہ جمعہ کے دن غسل کرنا چاہئے۔ اب تینوں بزرگوں کی روایتوں کے الفاظ کو پڑھو، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ مَنْ جَاءَ مِنْكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ.

''میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا کہ جو جمعہ میں آئے وہ غسل کرلے۔''

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جمعہ کا غسل ہر بالغ پر فرض ہے۔''

اسی مسئلہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان الفاظ میں بیان فرماتی ہیں:

قَالَتْ كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُوْنَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِىْ فَيَأْتُوْنَ فِى الْغُبَارِ تُصِيْبُهُمُ الْغُبَارُ وَالْعَرَقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُمُ الْعَرَقُ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنْسَانٌ مِّنْهُمْ وَهُوَ عِنْدِىْ فَقَالَ النَّبِىُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ اَنَّكُمْ تَطَهَّرْتُمْ لِيَوْمِكُمْ هٰذَا. [كتاب الجمعه]

''لوگ اپنے اپنے گھروں سے اور مدینہ کے باہر کی آبادیوں سے آتے تھے اور گرد و غبار اور پسینہ میں شرابور ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ایک صاحب ان میں سے آپ کے پاس آئے اور آپ میرے پاس بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہتر ہوتا اگر تم اس دن غسل کرلیا کرتے۔''

ان کی دوسری روایت ہے:

قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ النَّاسُ مَهَنَةَ اَنْفُسِهِمْ كَانُوْا اِذَا رَاحُوْا اِلَى الْجُمُعَةِ رَاحُوْا فِىْ هَيْئَتِهِمْ فَقِيْلَ لَهُمْ لَوِ اغْتَسَلْتُمْ. [1]

---

[1] بخاری: کتاب الجمعۃ، باب وقت الجمعۃ اذا زالت الشمس، رقم:۹۰۳۔ ابوداود: کتاب الطہارۃ، باب الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعۃ، رقم:۳۵۲

''لوگ اپنے کام اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے (یعنی کھیتی وغیرہ) جب وہ جمعہ میں جاتے تھے تو اسی ہیئت کذائی میں چلے جاتے۔ اس لئے ان سے کہا گیا کہ تم غسل کر لیتے۔''

ایک سال آپ نے حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن کے اندر اندر کھالیا جائے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اس حکم کو دائمی سمجھا۔ 1 چنانچہ بعضوں نے اسی قسم کی ہدایتیں کیں، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو حکم استحبابی سمجھا، چنانچہ اس حکم کی روایت انہوں نے ان الفاظ میں کی:

اَلضَّحِیَّۃُ کُنَّا نُمَلِّحُ مِنْھَا فَنَقْدَمُ بِہٖ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ بِالْمَدِیْنَۃِ فَقَالَ لَا تَاْکُلُوْا اِلَّا ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ وَلَیْسَتْ بِعَزِیْمَۃٍ وَلٰکِنْ اَرَادَ اَنْ نُطْعِمَ مِنْہُ وَاللہُ اَعْلَمُ 2

''قربانی کے گوشت کو نمک ڈال کر ہم رکھ چھوڑتے، مدینہ میں اس کو آپ کے سامنے پیش کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تین دن کے بعد نہ کھایا کریں۔'' یہ حکم قطعی نہ تھا بلکہ آپ یہ چاہتے تھے کہ لوگ دوسروں کو کچھ اس میں سے کھلا دیا کریں۔''

پھر دوسری روایت میں اس کی اصل وجہ بتا دی، ایک شخص نے پوچھا ام المومنین! کیا قربانی کا گوشت کھانا منع ہے؟ فرمایا:

لَا وَلٰکِنْ قَلَّ مَنْ کَانَ یُضَحِّیْ مِنَ النَّاسِ فَاَحَبَّ اَنْ یُّطْعِمَ مَنْ لَّمْ یَکُنْ یُضَحِّیْ. 3

''نہیں لیکن ان دنوں قربانی کرنے والے کم تھے، اس لئے آپ نے چاہا کہ جو قربانی نہیں کر سکتے ان کو کھلائیں۔''

ابو داؤد کے سوا صحاح کی تمام کتابوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کو دست کا گوشت بہت پسند تھا، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دست کا گوشت آپ کو پسند نہ تھا، بلکہ چونکہ گوشت کم میسر آتا تھا اور دست کا گوشت جلد پک جاتا تھا، اس لئے آپ ﷺ اسی کو کھاتے تھے۔ [ترمذی]

---

1 ترمذی: ابواب الاضاحی، باب فی کراھیۃ اکل الاضحیۃ فوق ثلاثۃ ایام، رقم ۱۵۰۹۔

2 بخاری: کتاب الاضاحی، باب مایؤکل من لحوم الاضاحی، رقم ۵۵۷۰۔

3 ترمذی: ابواب الاضاحی، باب فی الرخصۃ فی اکل لحوم الاضاحی بعد ثلاث، رقم ۱۵۱۱۔

احادیث میں مذکور ہے کہ آپ ہر سال ایک آدمی خیبر بھیجتے تھے، وہ پیداوار کو جا کر دیکھتا اور تخمینہ لگاتا تھا، دوسرے راوی اس واقعہ کو صرف اسی قدر بیان کر کے رہ جاتے ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اس روایت کو بیان کرتی ہیں، تو فرماتی ہیں:

وَ اِنَّمَا کَانَ اَمْرُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِالْخَرْصِ لِکَیْ یُحْصٰی الزَّکٰوۃُ قَبْلَ اَنْ تُؤکَلَ الثَّمَرَۃُ وَ تُفَرَّق. ❶

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تخمینہ لگانے کا اس لئے حکم دیا کہ پھل کھانے اور اس کی تقسیم سے پہلے زکوٰۃ کا اندازہ کرلیا جائے۔"

بار بار پوچھنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایتوں میں غلطی کم ہونے کا ایک خاص سبب یہ بھی ہے، عام لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ کوئی بات سُن لیتے یا کوئی واقعہ دیکھ لیتے تھے اس کی بھی اسی طرح روایت کر دیتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اصول یہ تھا کہ جب تک وہ واقعہ کو اچھی طرح سمجھ نہیں لیتی تھیں اس کی روایت نہیں کرتی تھی۔ اگر آپ کی کوئی بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تو آپ سے اس کو بار بار پوچھ کر تسکین کر لیتی تھیں۔ ❷ یہ موقع دوسروں کو کم مل سکتا تھا، ایسی بہت سی روایتیں ہیں جن میں ان کے اور دوسرے صحابہ کی راویتوں میں مصالح واسباب کی بنا پر روایت کا فرق نظر آتا ہے۔ چنانچہ ان کی تفصیل آئندہ علم اسرار الدین میں آئے گی۔

وہ جس روایت کو آپ سے بلا واسطہ نہیں سنتی تھیں بلکہ دوسروں سے حاصل کرتی تھیں۔ ان میں سخت احتیاط کرتی تھیں اور اچھی طرح جانچ لیتی تھیں، تب اس پر اعتماد کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی، ایک سال کے بعد جب وہ پھر آئے تو ایک آدمی کو بھیجا کہ ان سے جا کر پھر وہی حدیث پوچھے۔ انہوں نے بے کم وکاست وہی حدیث بیان کی، اس نے لوٹ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان دہرائی، سن کر بہت تعجب سے فرمایا کہ "خدا کی قسم! ابن عمرو رضی اللہ عنہ کو بات یاد رہی۔" ❸

روایت میں احتیاط

اسی اصول کی بناء پر وہ کوئی روایت اگر کسی دوسرے سے لیتی تھیں اور کوئی شخص اس روایت کو ان سے دریافت کرنے آیا تو بجائے اپنے وہ خود اصل راوی کے پاس سائل کو بھیجتی تھیں، اس سے مقصود یہ بھی تھا

---

❶ مسند احمد: جلد ۶، ص ۱۶۳۔ ❷ صحیح بخاری: کتاب العلم۔

❸ صحیح بخاری: جلد ۲ باب ما یذکر من ذم الرای۔

کہ بیچ کے واسطے جس قدر کم ہو سکیں اور سند عالی ہو سکے بہتر ہے، آنحضرت ﷺ عصر کے بعد گھر آ کر سنت ادا فرماتے تھے حالانکہ حکم قطعی تھا کہ نماز عصر کے بعد کوئی نماز نہیں، کچھ لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آدمی بھیجا کہ آپ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی جاتی ہے، اس کی اصلیت کیا ہے؟ جواب دیا کہ ام سلمہ سے جا کر پوچھو، اصل راوی وہی ہیں۔ [1] اسی طریقہ سے ایک شخص نے موزوں پر مسح کرنے کا مسئلہ پوچھا، فرمایا کہ علی کے پاس جاؤ، وہ آنحضرت ﷺ کے سفروں میں ساتھ رہتے تھے۔ [2]

امام حازمی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاعتبار میں جو حیدر آباد میں چھپ گئی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اصول کی طرف مختصراً اشارہ کیا ہے۔ [ص ۱۱]

نہ صرف اسی قدر کہ اپنی روایتوں کو انہوں نے مسامحات سے پاک رکھا بلکہ جہاں تک ممکن ہوتا وہ دوسروں کی روایتوں کی بھی تصحیح کر دیتی تھی۔ فن حدیث بلکہ مذہب اسلام پر ان کا بڑا احسان یہ تھا کہ انہوں نے اپنے معاصرین کے مسامحات کی نہایت سختی سے داروگیر اور ان کی غلط فہمیوں کی اصلاح کی، محدثین کی اصلاح میں اس کو ''استدراک'' کہتے ہیں، متعدد ائمہ حدیث نے ان استدراکات کو یک جا کیا ہے۔ سب سے آخری رسالہ جلال الدین سیوطی کی ''عین الاصابہ فی ما استدرکتہ عائشہ رضی اللہ عنہا علی الصحابہ'' ہے۔ مصنف نے فقہ کے ابواب پر اس رسالہ کو مرتب کیا ہے۔ [3]

صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ تک گو فن حدیث کے اصول مدون نہیں ہوئے تھے، تاہم ابتدائی مراتب پیدا ہو چکے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے معاصرین پر جو استدراکات کئے ہیں، غور کرنے سے وہ حسب ذیل وجوہ پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔

روایتِ مخالفِ قرآن حجت نہیں

فنِ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سب سے پہلا اصول یہ معلوم ہوتا ہے کہ روایت کلام الٰہی کی مخالف نہ ہو۔

① اس اصول کی بنا پر انہوں نے متعدد روایتوں کی صحت سے انکار کیا ہے اور ان روایتوں کی اصل حقیقت اور مفہوم کو اپنے علم کے مطابق ظاہر کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور بعض صحابہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری: وفد بنی تمیم۔ [2] صحیح بخاری: مسح خفین۔
[3] یہ رسالہ حیدر آباد دکن کے ایک مطبع میں چھپا تھا، وہی میرے پیش نظر ہے۔

اِنَّ الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَهْلِهِ عَلَيْهِ.

''مردہ پر اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے جب روایت بیان کی گئی تو اس کی تسلیم سے انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کبھی نہیں فرمایا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودیہ کے جنازہ پر گزرے، اس کے رشتے دار اس پر واویلا کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا ''یہ روتے ہیں اور اس پر عذاب ہو رہا ہے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصود یہ ہے کہ جیسا کہ بخاری غزوۂ بدر میں تصریح ہے کہ رونا عذاب کا سبب نہیں ہے، بلکہ دونوں واقعے الگ الگ ہیں یعنی یہ نوحہ کرنے والے اس کی موت پر روتے ہیں اور مرنے والا اپنے گزشتہ اعمال کی سزا میں مبتلا ہے، کیونکہ رونا دوسروں کا فعل ہے، جس کا عذاب یہ رونے والے خود اٹھائیں گے۔ [1] مردہ اس کا ذمہ دار کیوں ہو، ہر شخص اپنے فعل کا جواب دہ ہے، اس بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے بعد کہا قرآن تم کو کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ [۱۷/الاسراء:۱۵]

''اور کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔''

راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان اور استدلال کو سنا تو کچھ جواب نہ دے سکے۔ [2]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان محاکمہ کیا ہے کہ اگر یہ نوحہ وزاری خود اس مرنے والے کا دستور تھا اور اس نے اپنے اعزہ کو بھی اس فعل سے منع نہیں کیا تو ان کے رونے کا عذاب اس پر ہوگا، کیونکہ ان کی تعلیم وتربیت کا فرض اس نے ادا نہیں کیا۔

خدائے پاک فرماتا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾ [۶۶/التحریم:۶]

---

[1] یہاں پر ایک مسئلہ سمجھ لینا چاہئے، کہ کسی عزیز یا دوست کی موت کے صدمہ پر بے اختیاری سے رونا گناہ نہیں ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحبزادہ حضرت قاسم کی وفات پر روئے ہیں، بلکہ درحقیقت اس کی موت پر رونا، بین اور چیخنا چلانا، کپڑے پھاڑنا، خلافِ شرع کلمات کا منہ سے نکالنا، منہ پر تھپڑ مارنا وغیرہ افعال منع ہیں۔ اسی لئے بعض حدیثوں میں تصریح ہے کہ رونے کے بعض اقسام جن میں یہ خلاف شرع امور شامل ہوں منع ہیں، نفس گریہ اور رونا اور آنسو بہانا منع نہیں ہے۔

[2] صحیح بخاری ومسلم، کتاب الجنائز۔

''مومنو! اپنے کو اور اپنے خاندان والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔''

اور اگر اس کی اس تعلیم اور ہدایت کے باوجود اس کے اہل خاندان اس پر نوحہ کرتے ہیں۔تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے صحیح ہے جیسا کہ خدائے عزوجل فرماتا ہے:

﴿ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾ [۱۷/الاسراء:۱۵]

''اور کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔''

نیز دوسری جگہ فرماتا ہے۔﴿ وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ ﴾ [1] [۳۵/ فاطر:۱۸] عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ [2]

لیکن ہمارے نزدیک ثالثی کا یہ فیصلہ صحیح نہیں، صورت اولیٰ میں درحقیقت وہ خود اپنے فعل عدم ادائے فرض کا مجرم ہے اور اسی جرم پر اس کو عذاب ہوگا، نوحہ کے جرم کا وہ مجرم نہیں ہے، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا استدلال اس صورت میں بھی صحیح ہے۔ مجتہدین میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، [3] امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ [4] اس مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پیرو ہیں۔

② غزوۂ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مدفن پر کھڑے ہو کر فرمایا:

﴿ فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا. ﴾ [۷/الاعراف:۴۴]

''خدا نے تم سے جو وعدہ کیا تھا تم نے اس کو سچا پایا۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے (ایک اور روایت میں ہے کہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے) عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مُردوں کو پکارتے ہیں؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما غالباً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ لَّا يُجِيْبُوْنَ.

''تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب یہ روایت بیان کی گئی تو انہوں نے کہا کہ آپ نے یہ نہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب حدیث مذکور۔ [2] جامع ترمذی: کتاب الجنائز۔

[3] بحوالہ مذکور۔ [4] موطا امام محمد: کتاب الجنائز۔

اِنَّهُمْ لَيَعْلَمُوْنَ الْاٰنَ اَنَّ مَا كُنْتُ اَقُوْلُ لَهُمْ حَقٌّ.

''وہ اس وقت بہ تیقن جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہتا وہ سچ تھا۔''

اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قران کی یہ آیت پڑھی:

﴿ اِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰى ﴾ [۲۷/النمل:۸۰]

''اے پیغمبر! تو مُردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتا۔''

﴿ وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ. ﴾ [۳۵/فاطر:۲۲]

''آپ ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں نہیں سنا سکتے۔''

محدثین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدلال کو مان کر ان دونوں روایتوں میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔ قتادہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر تک ان میں جان ڈال دی گئی تھی۔ [1] یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گویا بطور معجزہ کے ان کافر مُردوں میں سننے کی طاقت تھوڑی دیر کے لئے آ گئی تھی۔

③ لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آ کر بیان کیا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: بدشگونی تین چیزوں میں ہے۔ عورت میں، گھوڑے میں، گھر میں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا یہ صحیح نہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آدھی بات سنی اور آدھی نہیں سنی، آپ پہلا فقرہ کہہ چکے تھے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پہنچے، آپ نے فرمایا کہ یہود کہتے ہیں کہ بدشگونی تین چیزوں میں ہے، عورت میں، گھوڑے میں، گھر میں۔ [2]

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں روایت کی ہے کہ ایک صاحب نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آ کر خواہش ظاہر کی کوئی حدیث سنائیے۔ بولیں کہ آپ فرماتے تھے کہ بدشگونی تقدیر سے ہوتی ہے [3] آپ کو تفاؤل اور اچھا نام البتہ پسند تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سن کر کہا، قسم ہے اس ذات کی جس نے ابوالقاسم پر قرآن اتارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح نہیں فرمایا۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھی:

﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ

---

[1] یہ تمام روایتیں صحیح بخاری غزوۂ بدر میں ہیں۔ [2] ابوداود طیالسی مسند عائشہ رضی اللہ عنہا حیدرآباد۔

[3] مسند احمد: جلد ۶، ص ۱۳۰۔

قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ [۵۷/الحدید:۲۲]

''زمین پر اور تمہاری جانوں پر کوئی مصیبت نہیں آتی لیکن وہ کتاب (تقدیر) میں اس سے پہلے کہ ہم ان کو پیدا کریں، موجود ہے۔''

بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان تینوں میں بدشگونی ہوتی ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اگر بدشگونی کوئی چیز ہوتی، تو ان چیزوں میں ہوتی، یہ بطور واقعہ کے نہیں بلکہ بطور تعلیق کے ہے۔

④ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ (جس کو غالباً انہوں نے کعب تابعی سے سنا) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار خدائے عزوجل کو دیکھا۔ مسروق تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جا کر پوچھا کہ ''مادرِ من! کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا تھا۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا تم ایسی بات بولے جس کو سن کر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، جو تم سے یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا، وہ جھوٹ کہتا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ.﴾ [۶/الانعام:۱۰۳]

''نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے کہ وہ ذات لطیف ہے اور دانا ہے۔''

اس کے بعد دوسری آیت پڑھی:

﴿وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾ [۴۲/الشوریٰ:۵۱]

''اور کسی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اس سے باتیں کر سکے مگر بذریعہ وحی کے یا پردہ کے پیچھے۔'' [صحیح بخاری: کتاب التفسیر، رقم:۴۸۵۵۔ جامع ترمذی]

بعض اور حدیثوں سے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تائید ہوتی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ نور ہے، میں اس کو کیونکر دیکھ سکتا ہوں!؟ الفاظ یہ ہیں: نور انی اراہ۔

⑤ متعہ یعنی ایک مدت معین تک کے لئے نکاح، جاہلیت اور آغاز اسلام میں ۷ھ تک جائز تھا۔ خیبر میں اس کی حرمت کا اعلان کیا گیا، اس کے بعد روایتوں میں کسی قدر اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور بعض لوگ اس کے جواز کے قائل تھے، لیکن جمہور صحابہ اس کی حرمت کے قائل ہیں اور اپنے دعویٰ کی توثیق میں حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب ان کے ایک شاگرد

نے جواز متعہ کی روایت کی نسبت پوچھا تو انہوں نے اس کا جواب حدیثوں سے نہیں دیا بلکہ فرمایا میرے تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے، پھر یہ آیت پڑھی:

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴾ [۲۳/المؤمنون:۵،۶]

''جولوگ کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، مگر اپنی بیویوں کے ساتھ یا اپنی باندیوں کے ساتھ، ان پر کوئی ملامت نہیں۔''

اس لئے ان دوصورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت جائز نہیں [1] ظاہر ہے کہ ممتوعہ عورت نہ بیوی ہے نہ باندی۔ اس لئے وہ جائز نہیں۔

⑥ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ ناجائز لڑکا تینوں میں (ماں، باپ، اور بچہ) بدتر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا یہ صحیح نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص منافق تھا، آپ کو برا بھلا کہا کرتا تھا، لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اس کے علاوہ وہ ولدالزنا بھی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ وہ تینوں میں بدتر ہے، یعنی اپنے ماں باپ سے زیادہ برا ہے۔ یہ ایک خاص واقعہ تھا، عام نہ تھا۔ خدا فرماتا ہے:

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ [۶/الانعام:۱۶۴]

''اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔''

یعنی قصور تو ماں باپ کا ہے بچے کا کیا گناہ؟ [2]

مغزِ سخن تک پہنچنا

بعض مسائل کی نسبت صحابہ رضی اللہ عنہم میں جو اختلافِ روایت ہے وہ کسی قدر اختلاف فہم پر مبنی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس فہم وذکا کے عطیہ الٰہی سے بھی حظ وافر ملا تھا اور انہوں نے اس دولت عظمیٰ سے فنِ حدیث میں بہت فائدہ اٹھایا۔

① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک قصہ مذکور ہے [3] کہ ایک عورت نے بلی باندھ دی تھی اور اس کو کچھ کھانے پینے کو نہیں دیتی تھی، بلی اسی حالت میں بھوک سے مرگئی اور اس کو

[1] اصابہ، سیوطی بحوالہٗ حاکم۔ [2] اصابہ، سیوطی بحوالہٗ حاکم۔
[3] ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ باب ماذکر عن بنی اسرائیل۔

اس بنا پر عذاب ہوا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملنے گئے۔ انہوں نے کہا تم ہی ہو جو ایک بلی کے بدلے ایک عورت کے عذاب کی روایت بیان کرتے ہو، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے۔ فرمایا: خدا کی نظر میں ایک مومن کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ ایک بلی کے لئے اس پر عذاب کرے، وہ عورت اس گناہ کے علاوہ کافرہ تھی، اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات روایت کرو تو دیکھ لو کہ کیا کہتے ہو۔ [1]

② حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہونے لگا، تو انہوں نے نئے کپڑے منگوا کر پہنے اور سبب یہ بیان کیا کہ مسلمان جس لباس میں مرتا ہے اسی میں اٹھایا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو کہا: خدائے پاک ابوسعید پر رحمت نازل کرے، لباس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود انسان کے اعمال ہیں۔ [2] ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ صاف ارشاد ہے کہ لوگ قیامت میں برہنہ تن، برہنہ پا اور برہنہ سر اٹھیں گے۔ [3]

③ اسلام میں حکم یہ ہے کہ مطلقہ عورت عدت کے دن شوہر کے گھر میں گزارے۔ اس حکم کے خلاف فاطمہ رضی اللہ عنہا نام ایک صحابیہ اپنا ایک واقعہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدت کے زمانہ میں شوہر کے گھر سے منتقل ہونے کی اجازت دے دی تھی۔ انہوں نے مختلف اوقات میں متعدد صحابہ کے سامنے اپنے واقعہ کو بطور استدلال کے پیش کیا، بعض نے قبول کیا، اور اکثر نے اس کے ماننے سے انکار کیا۔ اتفاق سے مروان کی امارت مدینہ کے زمانہ میں اسی قسم کا ایک مقدمہ پیش ہوا، فریق نے فاطمہ کے قول سے استدلال کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے فاطمہ پر سخت نکتہ چینی کی، اور فرمایا کہ فاطمہ کے لئے بھلائی نہیں ہے کہ وہ اپنے اس واقعہ کو بیان کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدت کی حالت میں ان کو شوہر کے گھر سے منتقل ہونے کی اجازت بے شک دی، لیکن سبب یہ تھا کہ ان کے شوہر کا گھر ایک غیر محفوظ اور خوفناک مقام میں تھا۔ [4]

④ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ”مجھے خدا کی راہ میں ایک کوڑا بھی ملے تو مجھ کو کسی ناجائز بچہ کے آزاد کرنے کے مقابلہ میں پسند ہے۔“ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ

---

[1] ابوداؤد طیالسی مسند عائشہ رضی اللہ عنہا [2] عربی زبان میں ثیاب سے مجاز امراد دل اور عمل ہوتا ہے۔

[3] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ابوداؤد کتاب الجنائز اور ابن حبان وحاکم میں ہے۔ ننگے اٹھنے کی حدیث اکثر حدیث کی کتابوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، یہ خاص انکار وتاویل کی روایت سیوطی نے عین الاصابہ میں زرکشی کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ [4] صحیح بخاری وجامع ترمذی: کتاب الطلاق۔

ناجائز لڑکے اگر غلامی کی حالت میں ہوں تو ان کو آزاد کرنا کوئی ثواب کا کام نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ روایت معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا: اللہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، اچھی طرح سنا نہیں، تو اچھی طرح کہا بھی نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب یہ آیت اتری:

﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ○ وَ مَآ اَدْرٰکَ مَاالْعَقَبَةُ ○ فَکُّ رَقَبَةٍ﴾ [۹۰/البلد:۱۱تا۱۳]

''وہ گھاٹی میں گھسا نہیں، معلوم ہے کہ گھاٹی کیا چیز ہے، کسی کو آزاد کرنا۔''

کسی نے کہا: یارسول اللہ ﷺ ہم غریبوں کے پاس لونڈی غلام کہاں؟ کسی کسی کے پاس کوئی ایک حبشن ہے جو گھر کا کام کاج کرتی ہے، اس کو ناجائز طریقہ کی اجازت دی جائے، اس سے جو بچہ ہو، اسے آزاد کیا جائے، ارشاد ہوا کہ مجھ کو خدا کی راہ میں کوئی کوڑا بھی ملے تو مجھ کو اس سے پسند ہے کہ میں اس بری بات کی اجازت دوں، اور پھر اس سے بچہ پیدا ہو، اس کو کہوں کہ آزاد کرو۔ [1]

⑤ ابو داؤد کے سوا بقیہ تمام صحاح میں حدیث مذکور ہے کہ آپ ﷺ کو بکری کے دست کا گوشت بہت پسند تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، دست کا گوشت فی نفسہٖ پسند نہ تھا بلکہ بات یہ تھی کہ گوشت روز نہیں ملتا تھا، دست کا گوشت پکنے میں جلد گل جاتا تھا، اس لئے آپ ﷺ اس کو پسند کرتے تھے۔ [2]

⑥ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ صبح اور عصر کی نماز کے بعد کسی قسم کی کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''خدا عمر پر رحم کرے! ان کو وہم ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ آفتاب کے غروب اور طلوع کے وقت کو تاک کر نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔'' [3] فقہاء نے ان اوقات میں نماز کی ممانعت کی علت یہ بیان کی ہے کہ آفتاب پرستی کے اوقات ہیں۔ اس لئے اشتباہ اور آفتاب پرستوں کی مماثلت سے احتراز کرنا چاہئے۔ اگر یہ تعلیل صحیح ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت زیادہ قرین صواب، صحیح اور انسب ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ممانعت کے اصل مقصد کو سمجھ لیا تھا۔

ایک روایت ہے کہ صبح کی سنت اگر قضا ہو جائے، تو نماز جماعت کے بعد اس کو پڑھ لینا چاہئے۔ [4] اور اہل مکہ کا اسی پر عمل ہے۔ احادیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ''آپ نے یہ دو رکعتیں میرے گھر میں کبھی نہیں چھوڑیں'' چنانچہ بعض

---

[1] مستدرک حاکم۔ [2] شمائل ترمذی۔

[3] صحیح بخاری و ترمذی اوقات الصلوٰۃ و مسند احمد جلد ۶ ص ۱۲۴۔ [4] ترمذی: کتاب الصلوٰۃ۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ علیہم پڑھا کرتے تھے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوصات میں سمجھتے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دو رکعتوں کا حال پوچھا: تو فرمایا کہ ظہر کی دو رکعتیں، ایک دن چھوٹ گئی تھیں، یہ ان کی قضا ہے۔

بہر حال عقلی حیثیت نیز گزشتہ روایتوں کی بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت زیادہ معقول اور مصلحت شرعی پر زیادہ مبنی نظر آتی ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے رتبے کے آدمی نہ تھے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح مقصد نہ سمجھ سکے، شریعت کا ایک اصول یہ ہے کہ جب وہ ایک شے کو منع کرتی ہے تو احتیاطاً اس کے مبادی کو بھی ممنوع قرار دے دیتی ہے۔ اصل میں آفتاب کے طلوع اور غروب کے وقت نماز ممنوع ہے۔ لیکن احتیاطاً بعد نماز صبح وعصر کا اطلاق کیا گیا، تا کہ نمازوں کے بعد سے آفتاب کے نکلنے اور ڈوبنے کے وقت تک کوئی نماز ہی نہ پڑھی جائے۔

⑦ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی "مَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلا صَلٰوةَ لَهٗ" جس نے وتر نہیں پڑھی اس کی کوئی نماز نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا: ہم سب نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا اور اب تک ہم بھولے نہیں کہ جو پانچوں وقت کی نمازیں وضو کے ساتھ وقت پر پورے رکوع و سجود کے ساتھ ادا کرتا رہا اور اس میں کوئی کمی نہیں کی، اس نے خدا سے عہد لے لیا کہ وہ اس پر عذاب نہ کرے گا اور جس نے کمی کی، اس نے عہد نہیں لیا، خدا چاہے تو بخش دے اور چاہے تو عذاب کرے، [1] مقصود یہ ہے کہ وتر سنت ہے، اس کے اتفاقی ترک پر یہ عذاب کہ اس کی کوئی نماز مقبول نہ ہو، اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کی بخشش یقینی نہیں رہی حالانکہ یہ عذاب صرف فرائض کے ترک پر ہوگا، نہ کہ سنن کے ترک پر۔

ذاتی واقفیت

یہ امر مسلم ہے محرمِ اسرار سے محرم اسرار دوست کی بہ نسبت بیوی بہت کچھ زیادہ جان سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ تن مثال اور اسوہ تھے، اس لئے گویا آپ کا ہر فعل قانون تھا، اس بنا پر آپ کی بیویوں کو اس کے متعلق جس قدر ذاتی واقفیت کے ذرائع حاصل تھے، دوسروں کے لئے ناممکن تھے، متعدد مسائل ایسے ہیں جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد یا کسی روایت کی بنا پر کوئی مسئلہ بیان کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر اس کو رد کر دیا، اور آج تک ان مسائل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا قول مستند ہے۔

① حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فتوی دیتے تھے کہ عورت کو نہاتے وقت چوٹی کھول کر بالوں کو بھگونا

[1] طبرانی فی الاوسط۔

ضروری ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا: وہ عورتوں کو یہی کیوں نہیں کہہ دیتے کہ وہ اپنے چونٹے منڈوا ڈالیں، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہاتی تھی اور بال نہیں کھولتی تھی۔ (1)

② حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ تقبیل سے وضوٹوٹ جاتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو فرمایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تقبیل کے بعد تازہ وضو نہیں کرتے تھے۔ (2) یہ کہہ کر مسکرائیں۔

③ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ کہتے ہیں کہ نماز میں مرد کے سامنے سے عورت یا گدھا، یا کتا گزر جائے تو مرد کی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ سن کر غصہ آیا اور فرمایا: کہ تم نے ہم عورتوں کو گدھے اور کتے کے برابر کر دیا۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پاؤں پھیلائے سوتی رہتی (حجرہ میں جگہ نہ تھی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مصروف ہوتے، جب آپ سجدے میں جاتے ہاتھ سے ٹھوکر دیتے، میں پاؤں سمیٹ لیتی اور جب آپ کھڑے ہوتے تو پھر پاؤں پھیلا دیتی، (3) کبھی ضرورت ہوتی تو بدن چرا کر سامنے سے نکل جاتی۔ (4)

④ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک دن وعظ میں یہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر صبح ہو جائے اور وتر قضا ہو گئی ہو تو پھر وتر نہ پڑھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا: ابو درداء نے صحیح نہیں کہا، صبح ہو جاتی تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھ لیتے تھے۔ (5)

⑤ بعض لوگوں نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یمنی چادر میں کفنایا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو کہا اتنا صحیح ہے کہ لوگ اس غرض سے چادر لائے تھے لیکن آپ کو اس میں کفنایا نہیں گیا۔ (6)

⑥ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن وعظ میں بیان کیا کہ اگر روزے کے دنوں میں کسی کو صبح نہانے کی ضرورت پیش آ جائے تو اس دن وہ روزہ نہ رکھے، لوگوں نے جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا) سے اس کی تصدیق چاہی، فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل اس کے خلاف تھا۔ لوگوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جا کر ٹوکا، آخر ان کو اپنے پہلے فتوے سے رجوع کرنا پڑا۔ (7)

⑦ حج میں کنکری پھینک لینے (رمی) اور سر منڈانے کے بعد خوشبو اور عورت کے سوا ہر چیز جائز ہو جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، خوشبو ملنے میں کوئی حرج نہیں، میں نے خود اپنے ہاتھ

---

(1) صحیح مسلم وسنن نسائی، آخری فقرہ صرف نسائی میں ہے۔ (2) صحیح بخاری وغیرہ۔ (3) صحیح بخاری: جلد اص ۷۳، باب التطوع خلف المرأۃ۔ (4) صحیح بخاری: باب لا یقطع الصلوٰۃ شئ وباب السریر۔ (5) سنن بیہقی ومسند احمد جلد ۶ ص ۱۴۳۔ (6) صحیح مسلم وبخاری وترمذی ونسائی: کتاب الجنائز۔ (7) صحیح مسلم وموطا: کتاب الصوم۔

سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبو ملی ہے۔ ❶

⑧ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فتویٰ دیتے تھے کہ اگر کوئی حج نہ کرے، صرف اپنی قربانی حرم محترم میں بھیج دے تو جب تک وہ وہاں پہنچ کر ذبح نہ ہو جائے اس پر بھی وہی شرائط عائد ہوتی ہیں، جو حاجی پر ہوتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے خود اپنے ہاتھ سے آپ کی قربانی کے جانوروں کے قلادے بٹے ہیں، آپ نے اپنے دست مبارک سے وہ قلادے قربانی کے جانوروں کی گردن میں ڈالے اور میرا باپ ان کو لے کر مکہ گیا، تمام چیزیں حلال تھیں ان میں سے کوئی چیز قربانی تک حرام نہ ہوئی۔ ❷

⑨ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ جس صبح کو احرام باندھنا ہو اس صبح کو خوشبو لگانا میں پسند نہیں کرتا، میں بدن میں تارکول ملنا پسند کروں گا لیکن خوشبو نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے استفسار ہوا تو انہوں نے کہا میں نے خود اپنے ہاتھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عطر ملا ہے اور کبھی کہتیں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ شب احرام کی صبح کو عطر کی چمک آپ کے مانگ میں تھی، مجھ کو اچھی طرح یاد ہے۔ ❸

قوتِ حفظ

حفظ کی قوت قدرت کا ایک گراں مایہ عطیہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس عطیہ الٰہی سے بدرجہ اتم سرفراز تھیں، گزر چکا ہے کہ لڑکپن میں کھیلتے کھیلتے بھی اگر کوئی آیت ان کے کانوں میں پڑ گئی، تو یاد رہ گئی۔ احادیث کا دارومدار زیادہ تر اسی قوت پر ہے۔ عہدِ نبوت کے روزمرہ واقعات کو یاد رکھنا اور ان کو ہر وقت کماھی بیان کرنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو الفاظ جس طرح سنے ان کو بعینہا (اسی طرح) ادا کرنا ایک محدث کا سب بڑا فرض ہے۔ ام المؤمنین نے اپنے معاصرین پر جو نکتہ چینیاں کی ہیں ان میں قوتِ حفظ کے تفاوتِ مراتب کو بھی دخل ہے۔

① حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چاہا کہ مسجد میں ان کا جنازہ آئے تو وہ بھی نماز پڑھیں۔ لوگوں نے اعتراض کیا، فرمایا لوگ کس قدر جلد بات بھول جاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ کے جنازہ کی نماز مسجد ہی میں پڑھی تھی۔ ❹

② حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے لوگوں نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کتنی دفعہ کیا؟

---

❶ صحیح بخاری: کتاب الحج ص ۲۰۳۔ ❷ صحیح بخاری: کتاب الحج۔
❸ صحیح بخاری: کتاب الحج نیز فتح الباری جلد ۳ ص ۳۱۵۔ ❹ صحیح مسلم: کتاب الجنائز۔

جواب دیا چار دفعہ، جن میں سے ایک رجب میں۔ عروہ رحمۃ اللہ علیہ نے پکار کر کہا خالہ جان آپ نہیں سنتیں یہ کیا کہہ رہے ہیں، پوچھا کیا کہتے ہیں؟ عرض کی کہ کہتے ہیں۔ ''آپ نے چار عمرے کئے جن میں سے ایک رجب میں۔'' فرمایا اللہ ابو عبدالرحمٰن (حضرت ابن عمر کی کنیت) پر رحم فرمائے، آپ نے کوئی عمرہ ایسا نہیں کیا، جس میں وہ شریک نہ رہے، رجب میں کوئی عمرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ [1]

③ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ اپنے شاگردوں سے بیان کیا کہ مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔ لوگوں نے عندالتذکرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کو بیان کیا، بولیں، خدا ابو عبدالرحمٰن پر رحم فرمائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔ [2]

④ دو تین صاحبوں سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عزیزوں کے رونے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے یہ روایت کی تو فرمایا:

اِنَّکُمْ لَتُحَدِّثُوْنَ مِنْ غَیْرِ کَاذِبِیْنَ وَ لَا مُکَذَّبِیْنَ وَلٰکِنَّ السَّمْعَ یُخْطِیُٔ.

''تم نہ جھوٹوں سے روایت کرتے ہو اور نہ جھٹلائے ہوئے لوگوں سے، لیکن کان کبھی غلطی بھی کرتے ہیں۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ کہا:

رَحِمَ اللّٰہُ اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ سَمِعَ شَیْئًا فَلَمْ یَحْفَظْ.

''اللہ ابو عبدالرحمٰن پر رحم فرمائے انہوں نے کچھ سنا لیکن محفوظ نہیں رکھا۔''

دوسری حدیث میں اس کے بجائے یہ فقرہ مروی ہے۔

یَغْفِرُ اللّٰہُ لِاَبِیْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَمَا اِنَّہٗ لَمْ یَکْذِبْ وَ لٰکِنَّہٗ نَسِیَ اَوْاَخْطَاءَ.

''اللہ ابو عبدالرحمٰن کو معاف کرے، وہ جھوٹ نہیں بولے، لیکن یا تو بھول گئے یا غلطی کی۔''

اس کے بعد فرمایا کہ واقعہ یہ کہ ایک دفعہ اتفاقاً آپ کا گزر ایک یہودیہ کے جنازہ پر ہوا، اس کے اعزہ آہ وواویلا کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: ''لوگ رو رہے ہیں اور اس پر عذاب ہو رہا ہے۔'' [3]

---

[1] صحیح بخاری: کتاب العمرہ

[2] مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۴۳

[3] یہ تمام حدیثیں مسلم: کتاب الجنائز میں ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثوں کی ترتیب وتدوین

صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات واحادیث کو قید تحریر وکتابت میں لانا پہلی ہی صدی کے وسط سے شروع ہو چکا تھا۔ ہجرت کی جب ایک صدی پوری ہو رہی تھی، تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۱ھ میں سریر آرائے خلافت تھے، اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے صیغہ قضاء پر ابوبکر بن عمرو بن حزم الانصاری مامور تھے، ان کا علم وفضل ان کی خالہ عمرہ کا ممنون احسان تھا، عمرہ تمام تر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آغوشِ تعلیم میں پلی تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ابوبکر کے نام شاہی فرمان جاری کیا کہ عمرہ کی روایتیں قلم بند کر کے ان کے پاس بھیجی جائیں۔ [1]

فقہ وقیاس

علمی حیثیت سے کتاب وسنت درحقیقت بمنزلۂ دلائل کے ہیں اور فقہ ان دلائل کے نتائج اور مستنبطات کا نام ہے۔ قرآن اور حدیث کی سرخیوں کے تحت میں جو واقعات لکھے گئے ہیں اور فتاویٰ و ارشاد کے تحت میں جو واقعات آئیں گے، ان سے روشن ہوگا کہ علم فقہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کیا پایہ تھا اور ان کے فقہ اور قیاس کے کیا اصول تھے۔

عہدِ نبوت تک تو خود ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم علم وفتویٰ کا مرکز تھی، اس مقدس عہد کے انقراض کے بعد اکابر صحابہ جو شریعت کے رازداں اور احکام اسلامی کے محرم تھے، آپ کے جانشین ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی نیا مسئلہ پیش ہوتا، تو وہ تمام علمائے صحابہ کو یکجا کرتے اور ان سے مشورہ لیتے، اگر ان میں سے کسی کو کوئی خاص حدیث معلوم ہوتی تو وہ بیان کرتا، ورنہ منصوص احکام پر قیاس کر کے فیصلہ کر دیا جاتا۔ فقہ کی یہ اکاڈیمی اوائل خلافت ثالثہ تک مرکز نبوت سے وابستہ رہی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتنوں نے سر اٹھایا اور لوگ مکہ معظمہ، طائف، دمشق اور بصرہ جا کر آباد ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو دارالخلافت بنایا۔ ان وجوہ سے اس درسگاہ کے بہت سے تربیت یافتہ دوسرے شہروں میں چلے گئے، ان اتفاقی واقعات نے گو علم کے دائرہ کو وسیع کر دیا، لیکن اس کی اجتماعی عظمت کو قائم نہ رکھ سکے، اگر کہیں وہ اجتماعی رونق باقی بھی تھی تو اسی کاشانہ نبوت کے در و دیوار میں۔

اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد مدینہ طیبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

[1] طبقات ابن سعد: جزء دوم، قسم دوم ص ۱۳۶۔ تہذیب: جزء نساء، ترجمہ عمرۃ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زیادہ تر یہی چار بزرگ فقہ وفتاویٰ کی مجلس کے مسند نشین تھے۔ غیر منصوص احکام کے فیصلہ میں ان چاروں بزرگوں کے پیش نظر مختلف اصول تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ تھا کہ پیش شدہ مسئلہ کے متعلق اگر کتاب و سنت واثر سے کوئی جواب معلوم ہوتا تو سائل کو بتا دیتے، اگر کوئی آیت یا حدیث یا خلفائے سابقین کا اثر معلوم نہ ہوتا تو خاموش رہ جاتے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایسی حالت میں گزشتہ منصوص احکام یا فیصل شدہ مسائل پر جدید مسئلہ کو قیاس کر کے اس کا جواب اپنی عقل کے مطابق جو سمجھ میں آتا بتا دیتے۔ [1]

قرآن مجید

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استنباط کا اصول یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے قرآن مجید پر نظر کرتی تھیں۔ اگر اس میں ناکامی ہوتی تو احادیث کی طرف رجوع کرتیں، پھر قیاس عقلی کا درجہ تھا۔ علم حدیث میں گزر چکا ہے کہ ایک صاحب نے متعہ کی نسبت ان کی رائے پوچھی تو انہوں نے حسب ذیل آیت اس کی حرمت کی سند میں پیش کی۔ [2]

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○﴾ [۲۳/المؤمنون:۵،۶]

"اور جو لوگ اپنی عصمت کی حفاظت کرتے ہیں، لیکن اپنی بیویوں کے ساتھ یا اپنی باندیوں کے ساتھ، ان پر کوئی ملامت نہیں۔"

ممتوعہ نہ بیوی ہے نہ باندی ہے، اس لئے متعہ جائز نہیں۔

ایک شخص نے پوچھا کہ اہل عجم اپنے تہواروں میں جو جانور ذبح کرتے ہیں۔ ان کا کھانا جائز ہے؟ فرمایا: خاص اس دن کے لئے جو جانور ذبح کریں وہ جائز نہیں، [3] اس حکم کے استنباط میں انہوں نے غالباً حسب ذیل آیت کو مبنیٰ قرار دیا ہے:۔

﴿ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ [۲/البقرہ:۱۷۳]

---

1. ابن سعد وغیرہ میں ان بزرگوں کے تراجم دیکھو۔
2. عین الاصابہ سیوطی بحوالہ حاکم۔
3. تفسیر ابن کثیر آیت مذکور بحوالہ قرطبی۔

''اور جو جانور غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے وہ تم پر حرام ہے۔''

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے ۸۰۰ میں ادھار ایک لونڈی خریدی اور شرط کی کہ جب وظیفہ کا روپیہ ملے گا تو ادا کر دیں گے، اسی اثنا میں انہوں نے اسی عورت کے ہاتھ اسی لونڈی کو ۶۰۰ نقد میں بیچ ڈالا۔ اس عورت نے معاملہ کی اس صورت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پیش کیا، تو فرمایا تم نے بھی برا کیا اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بھی۔ ان سے کہہ دینا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کا جو ثواب حاصل کیا تھا وہ باطل ہوگیا، لیکن یہ کہ وہ توبہ کرلیں۔

مطلب یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس خاص صورت میں اس ۲۰۰ کی زیادتی کو سود قرار دیا بعض روایتوں میں یہیں تک واقعہ مذکور ہے، اس لئے اختلاف ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا کیونکر فیصلہ کیا، لیکن مصنف عبدالرزاق اور سنن دارقطنی کی دوسری روایت میں تصریح ہے کہ ان کا ماخذ حسب ذیل آیت تھی: [1]

﴿ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ﴾ [۲/البقرہ:۲۷۵]

''جس کو اپنے پروردگار کی طرف سے (سود کے بارہ میں) نصیحت آ چکی تھی، پھر باز آیا تو اس کو اسی قدر لینا چاہئے جس قدر پہلے دیا تھا۔''

قرآن مجید میں ہے کہ طلاق کے بعد عورت کو تین ''قروء'' تک انتظار کرنا چاہئے، یعنی عدت کا زمانہ تین قرؤ ہے، قرؤ کے معنی میں اختلاف ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھتیجی کو ان کے شوہر نے طلاق دی، تین طہر گزر کر جب نیا مہینہ آیا تو انہوں نے شوہر کے گھر سے ان کو بلوالیا۔ اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا، کہ یہ قرآن کے خلاف ہے اور ثلاثۃ قروء کی آیت سے استدلال کیا، ام المومنین نے کہا ثلاثۃ قروء صحیح ہے، لیکن جانتے ہو قرؤ کیا ہے قرؤ سے مراد طہر ہے۔ امام مالک اپنے شیوخ سے نقل کرتے ہیں [2] کہ مدینہ منورہ کے تمام فقہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیروی کی ہے، اہل عراق قرؤ سے ایام مخصوصہ مراد لیتے تھے۔

---

[1] مسند احمد، مصنف عبدالرزاق، سنن بیہقی، سنن دارقطنی کتاب البیوع، بعض لوگوں نے راوی اول کو مجہول لکھا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔

[2] موطا امام مالک میں یہ واقع بتصریح مذکور ہے، کتاب الطلاق۔

حدیث

قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے، مسئلہ یہ پیش ہوا کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق لے لینے کا اختیار عطا کردے اور بیوی اس اختیار کو واپس کر کے اپنے شوہر ہی کو قبول کر لے تو کیا بیوی پر کوئی طلاق پڑے گی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک اس صورت میں ایک طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔ اس ثبوت میں انہوں نے تخییر کا واقعہ پیش کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو اختیار دیا کہ خواہ دنیا قبول کریں یا کاشانۂ نبوت میں رہ کر فقر و فاقہ پسند کریں۔ سب نے دوسری صورت پسند کی، کیا اس سے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن پر ایک طلاق واقع ہوگئی؟ [1]

کسی غلام کو جب کوئی آزاد کرتا ہے تو باہم آقا اور غلام میں ولایت کا ایک رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ جس کا اثر یہ ہے کہ ترکہ میں شرکت ہو سکتی ہے، غلام قانوناً اس کا ہم نسب قرار دیا جائے گا، اسی بنا پر ولایت کو اہمیت حاصل ہے۔ ایک غلام نے حاضر ہو کر عرض کی۔ میں عتبہ بن ابی لہب کی غلامی میں تھا، دونوں میاں بیوی نے مجھے بیچ ڈالا اور شرط یہ کی کہ ولایت انہی کے ہاتھ میں رہے گی، اب میں کس کا مولیٰ ہوں؟ فرمایا بریرہ کا یہی واقعہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو فرمایا کہ بریرہ کو خرید کر آزاد کر دو، ولایت تمہیں کو حاصل رہے گی، گو خریدار احکام الٰہی کے خلاف جس قدر شرطیں چاہیں لگائیں۔ [2]

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ایک لونڈی تھیں، ان کے قدیم آقاؤں نے ان کو اس شرط کے ساتھ بیچنا چاہا کہ ولایت کا حق ان کو ملے۔ بریرہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں اور اپنی حالت عرض کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خریداری کا ارادہ ظاہر کیا، لیکن ولایت والی شرط منظور نہیں کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو صورت حال دریافت کی، فرمایا کہ تم بے تکلف خرید کر آزاد کر دو، خلاف قانون شرطیں خود کالعدم ہو جائیں گی۔ وہ آزاد ہوئیں تو اپنے شوہر کو جن سے غلامی میں شادی ہوئی تھی، قبول نہ کیا، لوگ ان کو صدقہ دیتے، وہ لے لیتیں اور اس میں سے کبھی کچھ کھانے کی چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہدیۃً پیش کرتیں، تو آپ قبول کر لیتے۔

یہ معمولی واقعات ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فقہ و قانون کے متعدد کلیات استنباط کیے فرماتی تھیں: بریرہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سے اسلام کے تین احکام معلوم

---

[1] صحیح بخاری: باب من خیر نساءہ۔ [2] سنن بیہقی: کتاب البیوع۔

ہوئے۔ ❶

① اَلْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ۔ ''یعنی ولایت کا حق آزاد کنندہ کو ملے گا۔''

② غلامی کی حالت میں اگر ایک غلام اور ایک لونڈی کا بیاہ ہوا ہو اور بیوی آزاد ہو جائے اور شوہر غلامی کی حالت میں رہے تو بیوی کو حق حاصل ہے کہ اپنے اس سابق شوہر کو شوہری میں قبول کرے یا نہ کرے۔

③ اگر کسی مستحق کو صدقہ کا کوئی مال ملے اور وہ اپنی طرف سے غیر مستحق کو ہدیۃً پیش کرے تو اس غیر مستحق کو اس کا لینا جائز ہوگا، یعنی اس کی حیثیت بدل جائے گی۔

بعض استنباطات ایسے ہیں جن کی تفصیل گو خود انہوں نے نہیں کی، لیکن ان کے سلسلۂ بیان میں ایسے اشارات ہیں جن پر فقہاء اور مجتہدین نے بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کر لی ہیں۔ حجۃ الوداع میں کم و بیش ایک لاکھ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تمام اکابر صحابہ ہم رکاب تھے۔ اس سفر میں جو واقعات پیش آئے وہ سب کو یاد تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے واقعات محفوظ رکھے اور وہ احادیث میں بتمامہا مذکور ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو واقعہ بیان کر دیا ہے وہ فقہا اور مجتہدین کے اصول میں داخل ہو گیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اثنائے حج میں معذور ہو گئی تھیں، اس کا ان کو بہت صدمہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تشفی کی، اور آپ کے حکم سے تنعیم جا کر نئے احرام کے ساتھ انہوں نے طواف کیا۔ ❷ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

وَحَدِیْثُ عَائِشَۃَ ھٰذَا یُؤْخَذُ مِنْہُ اُصُوْلٌ عَظِیْمَۃٌ مِنْ اُصُوْلِ الْمَنَاسِکِ. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے حج کے چند عظیم الشان اصول و قواعد مستنبط ہوتے ہیں:

① جو شخص ایک ساتھ حج اور عمرہ دونوں کی نیت کرے (قارن) اس کے لئے دونوں کے واسطے ایک ہی طواف اور سعی کافی ہے۔

② طواف القدوم ''معذوری'' کی حالت میں عورت سے ساقط ہو جاتا ہے۔

③ حج کے بعد عمرہ کی نیت کر لینا معذور عورت کے لئے جائز ہے۔

④ عورت معذوری کی حالت میں خانہ کعبہ کے طواف کے علاوہ، حج کے اور تمام مناسک ادا کر سکتی ہے۔

---

❶ صحیح بخاری: باب الحرۃ تکون تحت العبد۔ ❷ مؤطا امام مالک: افاضۃ الحائض۔

⑤ تنعیم، حرم میں داخل نہیں، وہ حِل ہے۔

⑥ عمرہ ایک سال میں دو دفعہ بلکہ ایک مہینہ میں دو دفعہ ادا ہو سکتا ہے۔

⑦ جو شخص متمتع ہو، یعنی جس نے حج اور عمرہ کی علیحدہ علیحدہ نیت کی ہو اور اس کو خوف ہو کہ عمرہ فوت نہ ہو جائے تو حج کے بعد عمرہ ادا کر سکتا ہے۔

⑧ عمرۂ مکیہ کے جواز کا استدلال صرف اس واقعہ سے کیا جاتا ہے۔ [1]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ ہے کہ حج میں وہ آخری طواف سے پہلے معذور ہو گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے مسئلہ پوچھا تو فرمایا کہ اس سے پہلے طواف نہیں کر لیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس واقعہ سے یہ مسئلہ استنباط کیا کہ آخری طواف ضروری نہیں اور معذور عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ حج کے زمانہ میں جو عورتیں ان کی اقتدا کرتی تھیں وہ اسی مسئلہ پر عمل کرتی تھیں۔ [2]

قیاس عقلی

اس کے بعد قیاس عقلی کا درجہ ہے۔ قیاس عقلی کے یہ معنی نہیں کہ ہر کس و ناکس صرف اپنی عقل سے شریعت کے احکام کا فیصلہ کر دے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ علما جو شریعت کے راز داں اور علوم دینی کے ماہر ہیں، کتاب و سنت کی ممارست سے ان میں یہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کے سامنے جب کوئی نیا مسئلہ پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس ملکہ کی بنا پر سمجھ لیتے ہیں کہ اگر شارع علیہ السلام زندہ ہوتے، تو اس کا جواب دیتے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی لائق وکیل کے سامنے کسی خاص عدالت کے نظائر اس کثرت سے گزریں کہ گزشتہ نظائر پر قیاس کر کے کسی خاص مقدمہ کی نسبت یہ رائے دے دے کہ اگر اس عدالت کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہو گا تو یہ فیصلہ ہو گا۔ شریعت کے نظائر اور فیصلوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس قدر آگاہ تھیں آپ کو معلوم ہے۔ اس لئے ان کے قیاس عقلی کی غلطی کی بہت کم امید ہو سکتی ہے۔

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عموماً عورتیں مسجدوں میں آتی تھیں اور جماعت کی نمازوں میں شریک ہوتی تھیں۔ مردوں کے بعد بچوں کی اور ان کے پیچھے عورتوں کی صفیں ہوتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حکم دیا تھا کہ لوگ عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے نہ روکیں، ارشاد تھا:

لَا تَمۡنَعُوۡ اِمَاءَ اللّٰهِ مِنۡ مَّسَاجِدِ اللّٰهِ.

---

[1] زاد المعاد: جلد اول ص ۲۰۷۔ [2] موطا امام مالک: افاضۃ الحائض۔

''خدا کی لونڈیوں کو خدا کی مسجدوں سے روکا نہ کرو۔''

عہدِ نبوت کے بعد مختلف قوموں کے میل جول، تمدّن کی وسعت اور دولت کی فراوانی کے سبب سے عورتوں میں زیب و زینت، اور رنگینی آ چلی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے تو عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے۔ خاص الفاظ یہ ہیں:

عَنْ عُمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَوْ اَدْرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا اَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي اِسْرَائِيْلَ.

''عمرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے فرمایا عورتوں نے اب جونئی باتیں پیدا کی ہیں، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں ہوتے اور دیکھتے تو جس طرح یہود کی عورتیں مسجدوں میں آنے سے روکی گئی ہیں یہ بھی روک دی جاتیں۔'' [1]

اس رائے پر گو اس وقت عمل نہ ہوا، لیکن اس استنباط کا منشاء وہی قیاس عقلی ہے۔

② حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ تھا کہ جو مُردہ کو غسل دے، اس کو غسل کرنا چاہئے اور کوئی جنازہ اٹھائے تو دوبارہ وضو کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سُنا تو فرمایا:

اَوَيَنْجُسُ مَوْتَى الْمُسْلِمِيْنَ وَ مَا عَلٰى رَجُلٍ لَوْ حَمَلَ عُوْدًا.

''کیا مسلمان مردہ بھی ناپاک ہوتا ہے اور اگر کوئی لکڑی اٹھائے تو اس کو کیا ہوتا ہے۔'' [2]

③ شرعی غسل کے ضروری ہونے کے لئے خروج ماء کی ضرورت ہے یا نہیں؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے تھے، ضروری ہے کہ '' الماء من الماء . '' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سُنا تو پہلے اس کے خلاف ایک حدیث پیش کی۔ اس کے بعد فرمایا اگر کوئی ناجائز فعل کا مرتکب ہو، اور خروجِ ماء نہ ہو تو رجم کرو گے پھر غسل کیوں نہ ضروری ہو۔ [3]

سنن کی تقسیم

فقہ کا ایک بڑا نازک نکتہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو افعال صادر ہوئے، ان میں سے کون مذہبی حیثیت سے اور کون محض عادت کے طور پر یا کسی خاص وقتی مصلحت سے انجام پائے۔ آپ

---

[1] صحیح بخاری: جلد ا باب خروج النساء الی المساجد۔

[2] عین الاصابہ سیوطی، بحوالہ ابو منصور بغدادی۔ [3] عین الاصابہ سیوطی بحوالہ یعقوب بن سفیان۔

سے جو فعل صادر ہوا، اس کو سنت کہتے ہیں۔ فقہا نے اوّلاً سنت کو دو قسموں پر منقسم کیا ہے، عبادی اور عادی۔ عبادی: وہ افعال ہیں جو ثواب کی نیت سے عبادت کے طور پر انجام پائیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں، مؤکدہ جس کو آپ نے ہمیشہ کیا ہو اور کبھی ترک نہ فرمایا ہو، سنت مستحبہ جس کو کبھی کبھی ترک بھی فرمادیا ہو۔ عادی وہ فعل ہے جس کو آپ ثواب کے لئے عبادت کے طور پر نہیں، بلکہ بطور عادت کیا کرتے تھے یا کسی ذاتی یا وقتی ضرورت سے آپ نے کبھی کیا، امت پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال عادی کا اتباع ضروری نہیں، البتہ اہل محبت طلب برکت کے لئے ان افعال کا اتباع بھی محبت کا ثمرہ سمجھتے ہیں کہ:

ع ہر ادا محبوب کی محبوب ہے

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فقہا سے پہلے خود بھی یہ اصول ذہن نشین کر لئے تھے۔ تراویح کے متعلق ان سے اور صرف ان سے مروی ہے کہ رمضان میں تین روز آپ نے باجماعت تراویح پڑھائی، چوتھے دن آپ تشریف نہ لائے۔ صبح کو صحابہ سے فرمایا کہ میں اس لیے نہیں آیا کہ میں ڈرا کہ تم پر یہ نماز فرض نہ کردی جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اس کا علم تھا کہ دوام کے ساتھ جس فعل کو آپ ادا فرمائیں۔ وہ مؤکد ہو جاتا ہے اور جس کو کبھی کبھی ترک فرمادیں، وہ وجوب اور تاکید کے درجہ کو نہیں پہنچتا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عبادی اور عادی سنن کی تقسیم نہیں کرتے تھے۔ اُن کے نزدیک آپ نے جو فعل جس سبب سے بھی کیا، وہ سنت ہے۔ اسی لئے وہ سفر کے منازل تک میں بھی آپ کی پیروی کرتے تھے، اگر کسی منزل میں اتفاق سے آپ نے طہارت فرمائی تو وہ بھی بلاضرورت طہارت کرتے تھے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس تفریق کے قائل تھے۔ حج کے موقع پر وادی ابطح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ ڈالا تھا لیکن وہ اس کو سنت نہیں سمجھتی تھیں، صحیح مسلم اور مسند احمد میں ہے:

نُزُوْلُ الْاَبْطَحِ لَيْسَ بِسُنَّةٍ اِنَّمَا نَزَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِاَنَّهٗ كَانَ اَسْمَحَ لِخُرُوْجِهٖ اِذَا خَرَجَ . [1]

”ابطح میں منزل کرنا سنت نہیں، وہاں آپ اس لئے اتر پڑے تھے کہ وہاں سے نکلنا آپ کے لئے آسان تھا۔“

[1] بخاری: کتاب الحج، باب المحصب، رقم: ۱۷۶۵۔ مسلم: کتاب الحج، باب استحباب نزول المحصب، رقم: ۳۱۶۹

معاصرین سے اختلاف

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بہت سے احکام فقہی میں اپنے معاصرین سے اختلاف کیا ہے اور حق ان ہی کی جانب رہا، اور فقہائے حجاز کا زیادہ تر انہی پر عمل رہا۔ ہم نے اس قسم کے اخلاقی احکام کی یہ فہرست جامع ترمذی وغیرہ کتب حدیث سے انتخاب کی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم
ا۔ بوسہ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، ٹوٹ جاتا ہے۔
۲۔ جنازہ اٹھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ٹوٹ جاتا ہے۔
۳۔ عورت کو غسل میں بال کھولنا ضروری نہیں	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، ضروری ہے۔
۴۔ غسل التقاء سے واجب ہو جاتا ہے۔	حضرت جابر رضی اللہ عنہ، خروج ماء شرط ہے۔
۵۔ قروء سے مراد طہر ہے۔	دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم، حیض ہے۔
۶۔ مردہ کو غسل دینے سے غسل واجب نہیں ہوتا۔	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، واجب ہو جاتا ہے۔
۷۔ عورت کی میت کے بال نہیں سنوارنے چاہئیں۔ [1]	حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا صحابیہ سنوارنے چاہئیں۔
۸۔ نماز میں عورت کے سامنے آ جانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ باطل ہو جاتی ہے۔
۹۔ صبح کی نماز اندھیرے وقت پڑھنی چاہئے۔	حضرت رافع رضی اللہ عنہ بن خدیج اجالا ہو جائے تب پڑھے۔
۱۰۔ عصر میں جلدی چاہئے۔	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، تاخیر۔
۱۱۔ نماز مغرب میں جلدی چاہئے۔	حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ، تاخیر۔
۱۲۔ بحالتِ جنابت صبح ہو جانے سے روزہ نہیں جاتا۔	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، چلا جاتا ہے۔
۱۳۔ افطار میں جلدی چاہئے۔	حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ، تاخیر۔

---

[1] احناف کا عمل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فتویٰ پر ہے۔ دیکھو ہدایہ کتاب الجنائز، بحوالۂ عبدالرزاق، حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث صحاح کی اکثر کتابوں کی کتاب الجنائز میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم
۱۴۔ قربانی کا گوشت ۳ دن کے بعد بھی کھانا جائز ہے۔	حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نہیں۔
۱۵۔ حج میں وادی محصب میں اترنا سنت نہیں۔	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، سنت ہے۔
۱۶۔ حج میں بال منڈانے کے بعد خوشبو ملنا جائز ہے۔	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، نہیں۔
۱۷۔ کعبہ میں قربانی بھیجنے والے پر حج کی پابندیاں عائد نہیں ہوتیں۔	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عائد ہو جاتی ہیں۔
۱۸۔ حج میں حائض کو طوافِ وداع کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔	حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کرنا چاہیے [مؤطا مع زرقانی]
۱۹۔ حج میں عورت زعفرانی کپڑے پہن سکتی ہے	حضرت عمر رضی اللہ عنہ، مکروہ ہے [بخاری، فتح الباری باب مایلبس المحرم من الثیاب]
۲۰۔ حج میں عورت کو صرف کسی طرف کا ذرا سا بال ترشوا دینا کافی ہے۔	حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما، کم از کم چار انگل ضروری ہے۔
۲۱۔ زیور میں زکوٰۃ نہیں (جیسا کہ بعض روایات میں) ان کی طرف منسوب ہے۔	زکوٰۃ ہے۔
۲۲۔ یتیم و نابالغ کے مال میں بھی زکوٰۃ ہے۔	حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، نہیں۔
۲۳۔ کوئی حاملہ اگر بیوہ ہو جائے تو اس کی عدت مدت وضع حمل ہے۔	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، بیوگی کی عام مدت اور حمل کی مدت میں جو زمانہ زیادہ ہوگا وہی عدت کا زمانہ ہوگا۔
۲۴۔ اگر شوہر بیوی کو طلاق اور مفارقت کا اختیار دے دے اور بیوی اس اختیار کو واپس کر کے شوہر ہی کو پسند کرے تو طلاق نہ ہوگی	حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک طلاق ہوگی۔
۲۵۔ اگر بالغ آدمی بھی کسی عورت کا دودھ پیے تو	دیگر امہات المومنین نہیں ثابت ہوتی۔ ❶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم
حرمت ثابت ہوجاتی ہے۔	
۲۶۔ رضاعت کم از کم پانچ گھونٹ دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے۔	بعض (1) صحابہ رضی اللہ عنہم ایک گھونٹ بھی پی لے تب بھی ثابت ہوجاتی ہے۔
۲۷۔ جب تک غلام پر ایک حبہ بھی واجب الادا ہے وہ مکاتب ہے۔	حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، ایک درہم سے کم ہے تو مکاتب نہیں۔ (2)
۲۸۔ چوری کے مال کی قیمت اگر کم سے کم تین درہم بھی ہے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ (3)	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ دس درہم کی مالیت سے کم نہ ہونا چاہئے (4)
۲۹۔ اگر شوہر کو ڈرا دھمکا کر اس کی مرضی کیخلاف اس سے بیوی کو طلاق دلوائی جائے یا کسی آقا سے غلام آزاد کرایا جائے تو نہ طلاق واقع ہوگی نہ غلام آزاد ہوگا۔	ائمہ احناف کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گا، اور غلام بھی آزاد ہو جائے گا۔

بقیہ صفحہ کا حاشیہ: (1) واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ صحابی کے ایک نابالغ غلام سالم تھے، جو مولیٰ ابی حذیفہ کی نسبت سے مشہور ہیں، وہ اپنے آقا کے گھر میں رہتے تھے اور زنانہ میں آمد و رفت رکھتے تھے، اور حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی سہلہ بنت سہیل کا ان سے پردہ نہ تھا، جب سالم بالغ ہوئے تو حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنی بیوی کا ان سے پردہ نہ کرنا پسند نہ آیا، وہ بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب سالم بالغ ہوئے ہیں سمجھتی ہوں کہ میرا ان کے سامنے آنا ابوحذیفہ کو ناگوار ہے، فرمایا کہ سالم کو اپنا دودھ پلا دو تو ابوحذیفہ کی یہ ناگواری دور ہو جائے گی، چنانچہ ان کی بیوی نے اسی پر عمل کیا اور واقعاً اس کے بعد حضرت ابوحذیفہ کی وہ ناگواری دُور ہوگئی، اس واقعہ کی بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسلک یہ تھا کہ بالغ لڑکے کو بھی اگر کسی عورت نے دودھ پلایا تو رضاعت کی حرمت ثابت ہو جائے گی، لیکن دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اس اجازت کو مخصوص حضرت سالم اور حضرت ابوحذیفہ کی بیوی کے متعلق سمجھا اور اس کو حکم عام نہیں مانا، ائمہ مجتہدین میں امام داؤد ظاہری کے علاوہ جمہور ائمہ اور فقہاء ازواج مطہرات کے ساتھ ہیں، صرف داؤد ظاہری نے اسی حدیث کی بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسلک اختیار کیا اور دوسری صحیح احادیث سے بھی ثابت ہے کہ حرمت صرف بچپن کی رضاعت سے ثابت ہوتی ہے اور کلام پاک میں بھی رضاعت کی مدت دو سال بتائی گئی ہے اس لئے جمہور فقہاء نے اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مسلک کو قبول نہیں کیا۔ (شرح صحیح مسلم نووی باب رضاعۃ الکبیر) (1) صحیح بخاری: کتاب العتاق (2) نسائی میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب تھا۔ (3) بخاری: سرقہ وحدود۔ (4) دار قطنی: کتاب الحدود و مسند دارمی، کتاب الفرائض۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم
لَا طَلَاقَ وَ لَا اِعتَاقَ فِی اِغلَاقٍ	[ابوداؤد: کتاب الطلاق، رقم ۲۱۹۳]
۳۰۔ جس کو تین طلاقیں دی گئی ہوں وہ بھی زمانۂ عدت تک اپنے شوہر کے گھر رہے۔	حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا، وہ شوہر کے گھر نہ رہے۔
۳۱۔ اگر کوئی دو بیٹیاں، ایک پوتی، اور ایک پوتا چھوڑ دے، تو ثلث بیٹیوں کا حصہ ہوگا اور باقی میں پوتے اور پوتی دونوں کا حصہ ہوگا۔	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، باقی حصہ صرف پوتے کا ہے۔ پوتی کو کچھ نہیں ملے گا۔

ان کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فقہی مسائل کا اور بہت بڑا ذخیرہ ہے، جس کا اکثر حصہ امام مالک کی مؤطا میں محفوظ ہے، اور مدینہ کی فقہ کی اس پر بنیاد ہے۔

علم کلام وعقائد

اسلام ایک سادہ دین ہے۔ اس کے عقائد بھی سیدھے سادے تھے، لیکن غیر مذہب والوں کے میل جول اور عقلی بحث مباحثوں کے سبب سے صحابہ کے اخیر زمانہ میں نئی نئی بحثیں پیدا ہونی شروع ہوگئیں تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہر مسئلہ کا قطعی فیصلہ صرف آپ کا ارشاد تھا، جس کو جو شک پیدا ہوا، اس نے جا کر تسلی کر لی۔ اس عہد مبارک کے بعد ایسے موقعوں پر مسلمانوں نے صحابہ کرام کی طرف رجوع کیا، ان کو اس باب میں کوئی صریح آیت یا حدیث معلوم ہوتی تو پیش کر دی جاتی، ورنہ کتاب وسنت کے درمیان ان کے جواب دیئے جاتے۔ اس سلسلہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایات ثابت ہیں، ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اعضاء کا اطلاق:

دوسری صدی ہجری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ کے بہت بعد اس مسئلہ نے بہت وسعت حاصل کی تھی، کہ خدا کے لئے قرآن مجید اور احادیث میں ہاتھ، پاؤں، آنکھ، مختلف اعضاء کا اطلاق ہوا ہے، ان سے مراد ان کے حقیقی معنی ہیں یا مجازی، مثلاً ہاتھ سے یہی ہاتھ مراد ہے یا قدرت؟ آنکھ سے بصارت کا مقصود ہے یا علم؟ وغیرہ، گو عام صحابہ کرام سے اس مسلک کی تفصیل منقول نہیں، لیکن سلف صالحین کا عقیدہ یہی ہے کہ ان صفات الٰہی پر یقین کیا جائے اور ان کے حقیقی لغوی معنوں پر

ایمان رکھا جائے، اوران کی تفصیل میں نہ پڑا جائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا میلان اسی ملک کی طرف معلوم ہوتا ہے، چنانچہ بخاری میں ان کا مقولہ مذکور ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَسِعَ سَمْعَ الْاَصْوَاتِ. ''اس خدا کی حمد جس کے کان میں تمام آوازوں کی گنجائش ہے۔''

رویت باری تعالیٰ:

معتزلہ اور معتزلہ کے ہم خیال لوگوں کا اعتقاد ہے کہ خدا کا دیدار نہ اس دنیا میں کسی کو ہوسکتا ہے نہ آخرت میں، جمہور اسلام نہ صرف اس کے امکان بلکہ وقوع کے قائل ہیں۔ اہل حق کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دنیا میں نہیں ہوسکتا، لیکن آخرت میں اس کا دیدار اس طرح ہوگا جس طرح چودہویں کا چاند سب کو ایک ساتھ نظر آتا ہے، مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہایت مصرح روایتیں مروی ہیں، انہوں نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ ''جو شخص تم میں سے یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خدا کو دیکھا، وہ جھوٹ بولا۔'' اس دعوے پر انہوں نے قرآن مجید کی دو آیتوں سے استدلال کیا ہے اور آج تک معتزلہ کو اس سے زیادہ قوی دلیلیں قرآن مجید سے نہیں مل سکی ہیں:

﴿ لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝﴾ [٦/الانعام:١٠٣]

''اس کو (اللہ کو) نگاہیں نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، اور وہ لطیف اور خبردار ہے۔''

یعنی چونکہ وہ لطیف ہے، اس لئے نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں، اور چونکہ وہ خبردار اور آگاہ ہے، اس لئے وہ سب کی نگاہوں کو پالیتا ہے۔ دوسری آیت یہ ہے:

﴿ وَ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ﴾ [٥١/الشوریٰ:٤٢]

''اور کسی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اس سے (اللہ سے) باتیں کرسکے مگر وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کی اوٹ سے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے قائل تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے تھے اور سورۂ نجم کی ان آیتوں سے استدلال کرتے تھے:

﴿ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى. ﴾ [۵۳/النجم:۱۳]

''اوراس کودوبارہ اترتے دیکھا۔''

﴿ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴾ [۵۳/النجم:۱۸]

''پیغمبر نے خدا کی بڑی نشانیوں کو دیکھا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ جبریل علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ مسلسل آیتوں کے پڑھنے سے بالکل واضح ہو جاتا ہے:

﴿ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ○ ذُوْمِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ○ وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ○ ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ○ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ○ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴾ [۵۳/النجم:۵،۱۴]

''پیغمبر کو ایک طاقتور نے سکھایا اور وہ افق اعلیٰ پر تھا، پھر قریب آیا، پھر لٹکا، پھر دو کمانوں کے برابر نزدیک تھا، پھر اس کے بندے (یا اپنے بندے) کی طرف وحی کی جو کچھ وحی کی، قلب نے جو کچھ دیکھا، اس میں جھوٹ نہیں بولا، کیا وہ جو کچھ دیکھتا ہے، اس پر تم اس سے جھگڑتے ہو، حالانکہ اس نے اس کو دوبارہ اترتے دیکھا، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔''

ان روایات کی بنا پر معتزلہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رویت باری کے منکروں میں شمار کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس عالم میں رویت کی قائل نہیں ہیں، قیامت کی رویت کی منکر نہیں، روایت کے الفاظ یہ ہیں: [1]

مَنْ حَدَّثَكَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰى رَبَّهٗ فَقَدْ كَذَبَ.

''جو تم سے بیان کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے (معراج میں) اپنے خدا کو دیکھا وہ جھوٹ بولا۔''

اس سے مقصود معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار الٰہی سے مشرف ہونے کا انکار ہے، نہ کہ آخرت میں، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کو مطلق انکار رویت کے عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں۔

علم غیب

غیب کی باتیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ عالم الغیب ہونا، صرف اللہ تعالیٰ کی شان

[1] ان روایات کیلئے صحیح بخاری اور جامع ترمذی: تفسیر سورہ نجم اور مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۴۱ دیکھو۔

ہے: ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ [۲۳/المؤمنون:۹۲] ''وہی غیب اور شہادت کا جاننے والا ہے۔''

دوسری آیت میں ہے:

﴿لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [۲۷/النمل:۶۵]

''جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں، غیب کی باتوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔''

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر کے خصائص میں غیب کی ساری باتوں کا جاننا بھی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے سختی کے ساتھ انکار فرمایا، فرماتی تھیں کہ ''جو تم سے یہ بیان کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی باتیں جانتے تھے، وہ جھوٹا ہے۔'' استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے کرتی تھیں: [1]

﴿وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ [۳۱/لقمان:۳۴]

''اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا۔''

جب کوئی نہیں جانتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی خبر نہیں ہوگی، کہ اس سے غیب کے کلی علم کی نفی ہوتی ہے۔

ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ چند چھوکریاں کچھ گا رہی تھیں، گاتے گاتے یہ مصرع پڑھا:

وَ فِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ. ''ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ نہیں! وہی گاؤ جو پہلے گا رہی تھیں۔'' [2]

اس ارشاد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے علم غیب کلی کے دعویٰ کی نفی ہوتی ہے۔ ہاں! البتہ اللہ تعالیٰ غیب کے بعض امور سے اپنے انبیا علیہم السلام کو اپنی مصلحت وحکمت کے مطابق مطلع فرماتا رہتا ہے۔

پیغمبر اور اخفائے وحی

پیغمبر کی نسبت یہ سوءِ ظن نہیں ہوسکتا کہ اس کو جو کچھ وحی ہوتی ہے، اس میں سے وہ کچھ چھپا لیتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو تم سے یہ بیان کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے احکام میں سے کچھ چھپا لیا، اور مخلوق پر ظاہر نہیں کیا، تو اسکو سچ نہ جانیو، اللہ فرماتا ہے: [3]

[1] صحیح بخاری: تفسیر سورۂ نجم۔ [2] صحیح بخاری: کتاب النکاح۔ [3] صحیح بخاری: باب قول اللہ (یا ایھا الرسول بلغ)

﴿ یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ﴾ [۵/المائدۃ:۶۷]

''اے پیغمبر! خدا کی طرف سے تجھ پر جو کچھ اترا وہ لوگوں کو پہنچا دے، اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تُو نے پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس دعوے پر ایک اور واقعہ سے استدلال کرتی ہیں، دنیا میں کوئی شخص نہیں چاہتا کہ اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ کمزوری کا بھی علیٰ رؤس الاشہاد اعلان کرے، حالانکہ قرآن مجید میں متعدد آیتیں ایسی ہیں جن میں پیغمبر کو اس کی اجتہادی خطاؤں پر تنبیہ کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا، جہلائے عرب کے نزدیک سخت اعتراض کے قابل تھا، اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں بتصریح مذکور ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی کسی وحی کو چھپا سکتے، تو اس آیت کو ضرور چھپا دیتے۔ [1] (تاکہ جاہلوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے)

﴿ وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ. ﴾ [۳۳/الاحزاب:۳۷]

''اور جب تم اس شخص سے (زید سے) کہہ رہے تھے، جس پر خدا نے احسان کیا اور تم نے احسان کیا کہ اپنی بیوی اپنے پاس رکھو اور خدا سے ڈرو، اور دل میں تم وہ چھپائے ہو، جس کو خدا ظاہر کرنے والا ہے۔ تم لوگوں سے ڈرتے ہو، حالانکہ خدا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو۔''

حالانکہ ایسا نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ وحی آئی وہ سب بے کم و کاست آپ نے تمام مسلمانوں پر ظاہر فرما دی۔

انبیا علیہم السلام معصوم ہیں

سورۂ یوسف میں ایک آیت ہے جس کی قراءت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس طرح پڑھتے ہیں: [2]

﴿ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا ﴾ [۱۲/یوسف:۱۱۰]

---

[1] مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۳۳۔ [2] صحیح بخاری: تفسیر سورۂ یوسف۔

''پیغمبروں نے گمان کیا کہ ان سے جھوٹ وعدہ کیا گیا۔''

یعنی خدا نے ان سے جھوٹا وعدہ کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک شاگرد نے پوچھا: کیا یہ صحیح ہے؟ فرمایا:

((مَعَاذَ اللهِ لَمْ تَكُنِ الرُّسُلُ تَظُنُّ ذٰلِكَ بِرَبِّهَا.))

''معاذ اللہ! پیغمبر خدا کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ''كُذِّبُوْا'' پڑھتی تھیں، یعنی وہ اپنی قوم کی طرف سے جھٹلائے گئے [1] یعنی جب عذاب الٰہی آنے میں دیر ہوئی تو ان کو ڈر ہوا کہ کہیں کفار ان کو عذاب الٰہی کے آنے کی پیشین گوئی کرنے میں جھوٹا نہ سمجھیں، لیکن اس مایوسی کے قریب ہونے کے بعد ہی عذاب الٰہی آ جاتا ہے، کفار ہلاک ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی نصرت ہوتی ہے۔

معراجِ روحانی

بعض روایتوں کے مطابق اس امر میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی تھی یا روحانی؟ بیداری میں ہوئی تھی یا خواب میں! قرآن مجید نے اس کو رؤیا کہا ہے:

﴿ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ﴾ [۱۷/ اسراء: ۶۰]

''اور ہم نے تجھ کو جو خواب دکھایا، وہ نہیں دکھایا، لیکن اس لئے کہ وہ لوگوں کے لئے آزمائش ہو۔''

قرآن مجید نے دوسری جگہ اس کو رویتِ قلب کہا ہے:

﴿ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى. ﴾ [۵۳/ النجم: ۱۱]

''قلب نے جو کچھ دیکھا اس میں وہ جھوٹ نہیں بولا۔''

صحاح کی ایک روایت میں یہ تصریح ہے کہ آپ اس وقت ''بَيْنَ النَّائِمِ وَالْيَقْظَانِ'' یعنی کچھ سوتے کچھ جاگتے تھے۔ ایک روایت میں معراج کے تمام مشاہدات وواقعات کے ذکر کے بعد آخری لفظ ہے، فَاسْتَيْقَظْتُ ''پھر میں جاگ پڑا۔'' ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا معراج روحانی کی قائل تھیں، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

قَالَ ابْنُ اِسْحَاقَ وَ حَدَّثَنِي بَعْضُ اٰلِ اَبِي بَكْرٍ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَتْ تَقُوْلُ مَا فَقَدَ جَسَدُ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَلٰكِنْ اُسْرِيَ بِرُوْحِهٖ. [2]

''ابن اسحاق نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خاندان کے ایک آدمی نے مجھ سے

---

[1] صحیح بخاری: آخری تفسیر سورۂ یوسف۔ [2] سیرۃ ابن ہشام: ذکر الاسراء۔

کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ آپ کا جسم گم نہیں پایا گیا بلکہ ان کی روح کو فرشتے لے گئے۔''

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء میں اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے [1] اور قسطلانی نے حرفاً حرفاً اسی کو نقل کر دیا ہے کہ معراج، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لڑکپن کا واقعہ ہے، اس وقت تک وہ آپ کے حبالۂ نکاح میں بھی نہیں آئی تھیں بلکہ ایک روایت کے مطابق وہ پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں، اس لئے یہ روایت صحیح نہیں، قاضی عیاض کا یہ اصول تنقید اگر صحیح ہے تو ہم کو بہت سی ایسی حدیثوں سے دستبردار ہونا پڑے گا، جن کا نقطہ نقطہ خود ان کے نزدیک اور جمہور محدثین کے نزدیک صحیح ہے، لیکن وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس زمانہ سے متعلق ہیں، جب وہ پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں، آغاز وحی کے حالات، صحاح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی نے مفصل بیان نہیں کئے، بلکہ انہی کی روایت پر ان واقعات کے تفصیلی علم کا دارومدار ہے۔ اس لئے روایت معراج سے زیادہ خود یہی روایت آغازِ وحی اس دائرہ تنقید کے اندر ہے کہ وہ بالیقین اس وقت تک پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں اور معراج کا واقعہ تو اس کے کئی برس بعد پیش آیا ہے۔

اصل یہ ہے جیسا کہ زرقانی ابن دحیہ اور ابن سریج نے تصریح کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ثابت ہی نہیں، [2] ابن اسحاق جو اس کے راوی ہیں، خود بعض محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، پھر اپنے راوی کا وہ نام نہیں بتاتے، خاندانِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک شخص کہتے ہیں۔ وہ راوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام لیتا ہے، حالانکہ اس کے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کم از کم ایک راوی اور چاہئے، اس لئے یہ روایت حجت کے قابل ہی نہیں۔

الصحابۃ عدول

اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تمام تر عدول، ثقہ اور مامون تھے، تا آنکہ کسی خاص شخص کی نسبت کوئی بات عدالت و ثقاہت کے خلاف ثابت نہ ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خانہ جنگیوں میں اہل مصر و عراق اور اہل شام ایک دوسرے کے حامی اور طرف دار صحابہ رضی اللہ عنہم کو لعن وطعن کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو حکم الٰہی کے خلاف سمجھا اور اس پر قرآن مجید سے استدلال کیا، فرمایا:

---

[1] خفاجی علی الشفاء: جلد ۲ ص ۳۰۴۔ [2] زرقانی: جلد ۶ ص ۵۔

((یَا ابْنَ اُخْتِیْ اُمِرُوْا اَنْ یَسْتَغْفِرُوْا لِاَصْحَابِ النَّبِیِّ علیہ السلام فَسَبُّوْا)) [1]

"اے بھانجے! حکم دیا گیا تھا کہ رسول کے اصحاب کے لئے رحمت کی دعا کریں تو یہ لوگ گالی دیتے ہیں۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حکم قرآن مجید کی اس آیت سے مستنبط کیا، جو مہاجرین وانصار کی تعریف کے سلسلہ میں ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾ [۵۹/الحشر:۱۰]

"اور ان (صحابہ) کے بعد جو نسل آئے، وہ کہے کہ خداوندا ہم کو معاف کر اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے ساتھ کینہ نہ پیدا کر، اے ہمارے پروردگار تو مہربان اور رحیم ہے۔"

ترتیب خلافت

مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں ان سے فرمایا کہ "ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے باپ اور اپنے بھائی کو بلوا بھیجو تاکہ میں لکھ دوں، مجھے ڈر ہے کہ کوئی آرزومند (خلافت) یہ کہے کہ میں مستحق ہوں، حالانکہ اللہ اور مسلمان ابوبکر کے سوا کسی اور کو نہیں چاہتے۔" اسی کتاب میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک عزیز شاگرد ابن ابی ملیکہ نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی کو خلیفہ بناتے تو کس کو بناتے؟ فرمایا: "ابوبکر رضی اللہ عنہ کو" پوچھا: ان کے بعد؟ جواب دیا: "عمر رضی اللہ عنہ کو" سوال کیا پھر؟ کہا "ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو" اس کے بعد چپ ہو گئیں۔ [2]

عذاب قبر

قرآن مجید میں قبر کے ساتھ عذاب کا ذکر نہیں، البتہ برزخ (یعنی موت کے بعد اور قیامت سے پہلے) عذاب کا ذکر ضرور ہے، لیکن اس سے قبر میں عذاب ہونے کی طرف بتصریح ذہن منتقل نہیں ہوتا۔ چنانچہ معتزلہ اس کے اب تک منکر ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم: آخر کتاب التفسیر۔ [2] صحیح مسلم: فضائل ابی بکر۔

اسلام میں اس مسئلہ کی تحقیق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی ذات سے ہوئی۔ دو یہودی عورتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئیں۔ باتوں باتوں میں انہوں نے کہا: اللہ آپ کو عذاب قبر سے بچائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے یہ بالکل نئی آواز تھی، سن کر چونک پڑیں، انکار کیا کہ قبر میں عذاب نہ ہوگا، پھر تسکین نہ ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو دریافت کیا۔ فرمایا: سچ ہے، [1] پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی دعاؤں کو غور سے سنا، تو دیکھا کہ عذاب قبر سے بھی پناہ مانگتے تھے، پہلے ان کی گویا ادھر توجہ نہیں ہوئی تھی۔

سماع موتیٰ

مُردے سنتے ہیں یا نہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال اس میں مختلف ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سماع کے قائل ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی منکر ہیں۔ ان کا انکار صرف قیاس و عقل پر مبنی نہیں بلکہ وہ اپنے اس دعویٰ پر آیت ذیل سے ثبوت پیش کرتی ہیں: [2]

① ﴿ اِنَّکَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰی ﴾ [۲۷/ النمل: ۸۰]

''اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! تو مُردوں کو اپنی بات نہیں سُنا سکتا۔''

② ﴿ وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴾ [۳۵/ فاطر: ۲۲]

''اور نہ ان کو سُنا سکتا ہے جو قبروں میں ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ مُردے موت کے بعد سماعت سے محروم ہیں۔ اِلّا یہ کہ بعض خاص حالات میں ان کو کوئی خاص آواز سنا دی جائے۔

علم اسرار الدین

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شریعت کے سارے احکام مصلحتوں پر مبنی ہیں، لیکن ان مصلحتوں پر بندوں کا مطلع ہونا ضروری نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے ان مصلحتوں کا بیان بھی فرمادیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے احکام کے بہت سے مصالح خود بتائے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام دیئے ان کی مصلحتیں کبھی خود ظاہر فرمادی ہیں اور کبھی کسی نے پوچھا ہے تو بتادیا ہے۔ صحابہ میں جو لوگ شریعت کے راز داں تھے، وہ بھی ان نکتوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ حضرت شاہ

[1] صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر۔ [2] صحیح بخاری: غزوۂ بدر۔

ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے علم اسرار شریعت میں ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے نام سے جو کتاب تصنیف کی ہے۔ اس میں اس سوال کا جواب کہ جب سلف نے اسرار شریعت کے ساتھ اعتنا نہ کیا، تو تم کیونکر کر سکتے ہو۔ یہ جواب دیا ہے:

قُلْنَا لَا یَضُرُّ عَدَمُ تَدْوِیْنِ السَّلَفِ اِیَّاہُ بَعْدَمَا مَهَّدَ النَّبِیُّ ﷺ اُصُوْلَهٗ وَ فَرَّعَ فُرُوْعَهٗ وَ اقْتَفٰی اٰثَرَهٗ فُقَهَاءُ الصَّحَابَةِ کَاَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عُمَرَ وَ عَلِیٍّ وَ کَزَیْدٍ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ عَائِشَةَ وَ غَیْرِهِمْ بَحَثُوْا عَنْهُ وَ اَبْرَزُوْا وُجُوْهَا مِنْهُ.

''ہم کہتے ہیں کہ سلف کا اس علم کا مدون نہ کرنا ہمارے دعویٰ کو مضر نہیں جب کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اصول و فروع ممہد فرمائے اور فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ نے آپ کی اس میں تقلید کی ان امور کی تحقیق اور ان کے وجوہ ظاہر کیے۔'' [مقدمہ]

اگر مجھ پر ہیرو پرستی کا الزام نہ قائم کیا جائے تو شاہ صاحب کی فہرست میں آخر کے بجائے سب سے اول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام لکھ دوں، اس سے مقصود یہ نہیں کہ ان کو دو پہلے بزرگوں سے اسرار شریعت کی زیادہ واقفیت تھی، بلکہ یہ ہے کہ انہوں نے ان سربمہر خزانوں کو سب سے زیادہ وقف عام کیا۔ چنانچہ اس دعویٰ کی دلیل احادیث کے اوراق اور صفحات ہیں۔

اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عورتیں بے تکلف مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آتی تھیں اور جماعت کی نماز میں مردوں اور بچوں سے پیچھے ان کی صف ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی تاکیدی حکم تھا کہ ان کو آنے سے روکا نہ جائے، لیکن عہد نبوت کے انقضاء کے بعد مال و دولت کی فراوانی اور غیر قوموں کے اختلاط نے ان کی سادگی، بے تکلفی اور پاکیزہ نفسی کو باقی نہ رکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ حالت دیکھی تو فرمایا: ''اگر آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے اور عورتوں نے اب جو جدتیں پیدا کر لی ہیں، ان کو وہ دیکھتے تو ان کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے۔'' [1] یہ ایک جزئی واقعہ ہے، لیکن اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک شریعت کے احکام مصالح اور اسباب پر مبنی ہیں اور ان کے بدلنے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری: باب خروج النساء الی المساجد۔

ایک دفعہ ایک صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملنے آئے، اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی بھاوج کا دودھ پیا تھا، انہوں نے اجازت نہ دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو واقعہ عرض کیا، فرمایا تم کو اجازت دے دینی تھی، عرض کی اس کے بھائی نے مجھ کو دودھ نہیں پلایا، اس کے بھائی کی بیوی نے پلایا (یعنی بھاوج اور دیور میں کوئی نسبتی تعلق نہیں ہے، جو حرمت ثابت ہو) آپ نے فرمایا: نہیں وہ تمہارا اچھا ہوا۔ [1] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ احکام کے اندر مصالح عقلی کو بھی تلاش کرتی تھیں۔

اب ہم ذیل میں ان مسائل کو لکھتے ہیں، جن کے اسرار و حقائق احادیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ظاہر کیے ہیں۔ گو ہم نے اس کے لئے حدیث کی تمام کتابوں کا استقصاء کر لیا ہے، تاہم ممکن ہے کہ بہت سی باتیں رہ گئی ہوں۔ والکمال للہ وحدہ۔

قرآن مجید کی ترتیبِ نزول

مقام نزول کے لحاظ سے قرآن مجید کے دو حصے ہیں، مکی اور مدنی۔ یعنی ایک قرآن مجید کا وہ حصہ جو مکہ میں نازل ہوا، اور دوسرا جو ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوا یہ دونوں ٹکڑے معنوی خصوصیات کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ گو عام لوگوں کو اس کا مطلق احساس نہیں ہوتا۔ لیکن جو لوگ عربی زبان پر عبور رکھتے ہیں اور اس کے رموز سے واقف ہیں اور وہ صرف سورہ کے الفاظ کو سُن کر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ مکی سورہ ہے یا مدنی۔ ان دونوں میں جلی امتیازات حسب ذیل ہیں:

مکی سورتیں	مدنی سورتیں
زیادہ تر پُر جوش اور جذبات سے بھری ہوئی ہیں۔	ٹھوس اور عمیق ہیں۔
الفاظ پُر عظمت اور شاندار ہوتے ہیں۔	قانونی الفاظ ہوتے ہیں۔
زیادہ تر نصائح، مواعظ، توحید، ذکر، قیامت اور آیاتِ حشر ونشر پر مشتمل ہیں۔	احکام اور قوانین پر مشتمل ہیں۔
ان میں اکثر قافیوں کا لحاظ رکھا گیا ہے اور قافیے بھی چھوٹے۔	عموماً قافیوں کا لحاظ کم ہے اور اگر کہیں ہے تو بڑے بڑے قافیے۔
ان میں یہود و نصاریٰ سے مناظرہ نہیں، سیدھی	یہود و نصاریٰ سے بکثرت مناظرے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم: باب الرضاعۃ۔

مکی سورتیں	مدنی سورتیں
سیدھی باتیں ہیں۔	
ان میں اعمال وعبادات کا مطالبہ کم تر ہے،	زیادہ تر ان میں اعمال وعبادات کا مطالبہ ہے۔
عقائد کی بحث ہے۔	
جہاد کا ذکر نہیں بلکہ صرف دعوت وتبلیغ اور نرمی کلام کا	دعوت وتبلیغ کے ساتھ جہاد کا حکم ہوتا ہے۔

اس فرق وامتیاز کے اکتشاف پر یورپ کے علمائے مستشرقین کو بڑا ناز ہے، لیکن انہیں خبر نہیں کہ رازدار ومحرم نبوت رضی اللہ عنہا آج سے ۱۳۳۵ برس پہلے اس سرّ مکتوم کو علی الاعلان فاش کر چکی تھی۔ صحیح بخاری میں ہے:

اِنَّمَا نَزَلَ اَوَّلَ مَانَزَلَ مِنْهُ سُوْرَةٌ مِّنَ الْمُفَصَّلِ فِيْهَا ذِكْرُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَتّٰى اِذَا ثَابَ النَّاسُ اِلَى الْاِسْلَامِ ثُمَّ نَزَلَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ وَلَوْنَزَلَ اَوَّلَ شَیْءٌ لَا تَشْرَبُوْا الْخَمْرَ لَقَالُوْا لَانَدَعُ الْخَمْرَ اَبَدًا وَ لَوْ نَزَلَ لَا تَزْنُوْا لَقَالُوْا لَانَدَعُ الزِّنَا اَبَدًا لَقَدْ نَزَلَ بِمَكَّةَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاِنِّیْ لَجَارِيَةٌ اَلْعَبُ ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ﴾ [القمر:۴۶] وَ مَا نَزَلَتْ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَالنِّسَاءِ اِلَّا وَاَنَا عِنْدَهٗ. [1]

"قران کی جو سب سے پہلے سورہ نازل ہوئی وہ مفصل کی سورہ ہے جس میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے، یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو پھر حلال و حرام اترا، اگر پہلے ہی یہ اترتا کہ شراب مت پیو۔ لوگ کہتے کہ ہم شراب ہرگز نہیں چھوڑیں گے اور اگر یہ اترتا کہ زنا نہ کرو تو کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے۔ مکہ میں جب میں کھیلتی تھی، تو یہ اترا (ان کے وعدہ کا وقت قیامت ہے اور قیامت نہایت سخت اور تلخ چیز ہے) سورۂ بقرہ ونساء جب اتری تو میں آپ کی خدمت میں تھی۔"

مقصود یہ ہے کہ اسلام نے اپنا اصول یہ رکھا کہ آہستہ اور رفتہ رفتہ وہ اپنی تعلیم کا دائرہ وسیع کرتا ہے۔ اسلام ایک جاہل قوم میں آیا، پہلے خطیبانہ اور موثر طریقہ ادا سے ان کو جنت اور دوزخ کا ذکر سنایا گیا، جب لوگ اس سے متاثر ہوئے تو اسلام کے احکام، قوانین اور اوامر ونواہی

---

[1] بخاری: کتاب التفسیر، باب تالیف القرآن، رقم: ۴۹۹۳۔

نازل ہوئے۔ زنا اور شراب خوری وغیرہ عاداتِ بد کے ترک کا اگر پہلے دن مطالبہ کیا جاتا تو اس آواز کو کون سنتا؟ زبان اور طرزِ ادا کا فرق، معانی اور مطالب کے فرق کی بنا پر ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ایک موعظت ونصیحت کی کتاب کی اور قانونِ تعزیرات کی زبان ایک ہوسکتی ہے۔ سورۂ بقرہ اور نساء جس کی نسبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ مدینہ میں نازل ہوئیں، چونکہ مدینہ میں یہود ونصاریٰ تھے، اس لئے ان میں ان سے مناظرات ہیں اور چونکہ اسلام کی دعوت یہاں کام کر چکی تھی، اس لئے ان میں احکام نازل ہوئے اور احکام وقانون کی زبان کی بنا پر ان میں قافیے کم ہیں، اور سورۂ قمر کے نزول کو مکہ میں بتاتی ہیں، اس میں قیامت کا ذکر ہے کہ آغاز اسلام تھا، مثلاً مشرکین کی تردید ہے کہ وہاں انہی سے سابقہ تھا، چھوٹے چھوٹے قافیے ہیں کہ ان سے عبارت میں رقت اور تاثیر پیدا کرنا مقصود تھا۔ الغرض مکی اور مدنی سورتوں میں فرق، حالات کے اختلاف کی بنا پر ہے اور حالات کے اختلاف سے زبان تعبیر اور طرزِ ادا میں فرق ہے۔

مدینہ میں اسلام کی کامیابی کا سبب

یہ ایک ایسا تاریخی سوال ہے کہ جس کی نسبت یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ بیسویں صدی عیسوی سے پہلے تاریخ نے اتنی ترقی نہیں کی تھی کہ وہ اس قسم کے سوالات پیدا بھی کر سکتے۔ آج کل بڑے بڑے مصنفین اور اربابِ قلم جب ان عقدوں کو حل کرتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لئے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ آسمان کے تارے توڑ رہے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس کے سامنے یہ سب کچھ ہو رہا تھا اس کی نگاہ سے یہ نکتہ پوشیدہ نہ تھا۔ مخالفتوں کے ہجوم میں اسلام کی ترقی قدرتِ الٰہی کا ایک معجزہ ہے، لیکن ضروری نہیں کہ معجزہ اسبابِ عادی کے بغیر ہی ظہور پذیر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے فضل سے کسی شے کے ہونے کے مختلف اسباب کو ایک وقتِ مناسب میں مہیا اور مجتمع کر دینا بھی تو معجزہ ہے، جو دنیا میں ہر کام کو میسر نہیں آتا اور نہ اس عالمِ امکان میں کوئی تحریک کبھی ناکامیاب نہ ہوتی۔ حالانکہ ہزاروں تحریکیں ہیں جو عدم اسباب کی بنا پر سرسبز نہیں ہوتیں۔

اسلام کے ظہور سے پہلے مدینہ کے قبائل باہم خانہ جنگیوں میں مصروف تھے۔ ان لڑائیوں میں ان قبائل کے اکثر اربابِ ادّعا قتل ہو گئے اور یہی لوگ ہمیشہ ہر تحریک کے مانع ہوتے ہیں کہ اس سے اُن کی پوزیشن کو صدمہ پہنچتا ہے۔ انصار ان لڑائیوں سے اس قدر چور ہو گئے تھے کہ اسلام آیا تو سب نے اس کو رحمت سمجھا اور چونکہ اربابِ ادعا کا طبقہ مفقود ہو چکا

تھا اس لئے ان کی راہ میں کسی نے موانع پیدا نہیں کئے، اس طریقے سے خدائے پاک نے اسلام کی ترقی کے راستے مدینہ میں صاف کر دیئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((كَانَ يَوْمُ بُعَاثَ يَوْمًا قَدَّمَهُ اللهُ لِرَسُوْلِهِ فَقَدِمَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَ قَدِ افْتَرَقَ مَلَؤُهُمْ وَ قُتِلَتْ سَرَوَاتُهُمْ وَ جُرِّحُوْا قَدَّمَهُ اللهُ لِرَسُوْلِهِ فِيْ دُخُوْلِهِمْ فِي الْإِسْلَامِ.)) [1]

''جنگ بعاث وہ واقعہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے لئے پہلے سے پیدا کر دیا تھا، آنحضرت ﷺ مدینہ آئے تو ان کی جمعیت منتشر ہو گئی تھی اور ان کے سردار مارے جا چکے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لئے ان کے اسلام میں داخل ہونے کے لئے یہ واقعہ پہلے ہی سے مہیا کر دیا تھا۔''

جمعہ کے دن نہانا

جمعہ کے دن غسل واجب ہے، اس وجوب کا سبب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی سننا چاہیے:

((كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُوْنَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِيْ فَيَأْتُوْنَ فِي الْغُبَارِ يُصِيْبُهُمُ الْغُبَارُ وَالْعَرَقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُمُ الْعَرَقُ فَأَتٰى رَسُوْلَ اللهِ ﷺ إِنْسَانٌ مِنْهُمْ وَ هُوَ عِنْدِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَلَوْ تَطَهَّرْتُمْ لِيَوْمِكُمْ هٰذَا.)) [2]

''لوگ اپنے گھروں سے اور مدینہ کی باہر کی آبادی سے جمعہ کی نماز میں آ کر شریک ہوتے تھے، گرد و غبار میں اَٹے ہوتے تھے، پسینہ چلتا تھا۔ ان میں سے ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا، آپ میرے یہاں تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا: اس دن کے لئے تم نہا لیتے۔''

سفر میں دو رکعت نماز

وہ نمازیں جو چار رکعت ہیں قصر کی حالت میں صرف دو رکعتیں ادا کی جاتی ہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے دو سہولت کی خاطر ساقط کر دی گئی ہیں، لیکن اصل واقعہ سنو، فرماتی ہیں:

---

[1] بخاری: کتاب مناقب الانصار، باب القسامۃ فی الجاھلیۃ، رقم: ۳۸۴۶۔

[2] بخاری: کتاب الغسل۔

((فُرِضَتِ الصَّلٰوۃُ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ ھَاجَرَ النَّبِیُّ ﷺ فَفُرِضَتْ اَرْبَعًا وَتُرِکَتْ صَلٰوۃُ السَّفَرِ عَلَی الْاُوْلٰی.)) [بخاری: باب الہجرت]

''مکہ میں دو دو رکعتیں فرض تھیں، جب آپ نے ہجرت فرمائی تو چار فرض کی گئیں اور سفر کی نماز...... اپنی حالت پر چھوڑ دی گئی۔''

نمازِ صبح اور نمازِ عصر کی بعد نماز پڑھنے کی ممانعت

احادیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عصر کی اور صبح کی نماز پڑھ لینے کے بعد پھر کوئی نماز یعنی نفل وسنت بھی جائز نہیں، بظاہر اس ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ عبادت کا تو خدا نے ہر وقت حکم دیا ہے، یہ حیرت اور استعجاب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دور فرماتی ہیں:

((وَھَمَ عُمَرُ اِنَّمَا نَھٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَنِ الصَّلٰوۃِ اَنْ یُّتَحَرّٰی طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَ غُرُوْبَھَا.)) [مسند احمد: جلد ۶، ص ۱۲۴]

''عمر رضی اللہ عنہ کو وہم ہوا، آپ ﷺ نے نماز سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آفتاب کے طلوع یا غروب کے وقت کو تاک کر نماز پڑھے۔''

یعنی آفتاب پرستی کا شبہ نہ ہو، یا آفتاب پرستوں کے ساتھ وقتِ عبادت میں تشابہ کا گمان نہ ہو۔ اسی قسم کی روایتیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے بخاری میں مروی ہیں۔

بیٹھ کر نماز پڑھنا

آنحضرت ﷺ کی نسبت ثابت ہے کہ آپ نوافل بیٹھ کر بھی ادا فرماتے تھے۔ اسی لئے بعض لوگ کسی عذر کے بغیر بھی بیٹھ کر نفل پڑھنا مستحب سمجھتے تھے، حالانکہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے سے آدھا ہے۔ ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے؟ جواب دیا:

حِیْنَ حَطَمَہُ النَّاسُ.

''جب لوگوں نے آپ کو توڑ دیا۔'' (یعنی آپ کمزور ہو گئے)

دوسری روایت میں ہے:

((مَا رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقْرَءُ فِیْ شَیْءٍ مِّنْ صَلٰوۃِ اللَّیْلِ جَالِسًا قَطُّ حَتّٰی دَخَلَ فِی السِّنِّ.))

''میں نے کبھی آپ کو تہجد کی نماز بیٹھ کر پڑھتے نہیں دیکھا۔ لیکن ہاں! جب آپ کی عمر زیادہ ہوگئی۔''

یہ دونوں روایتیں ابوداوٗد، (باب صلوٰۃ القاعد) میں ہیں، مسلم میں بھی (باب صلوٰۃ اللیل) اسی قسم کی روایتیں ہیں، ایک روایت ہے:

((قَالَتْ لَمَّا بَدَّنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ ثَقُلَ كَانَ اَكْثَرُ صَلَاتِهٖ جَالِسًا.))

''جب آپ کا بدن بھاری ہوگیا تو آپ اکثر نفل بیٹھ کر پڑھنے لگے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے بحالتِ عذر نصف ثواب پر قناعت فرمائی ہے، اب جن کی نظر ثواب کی قلت وکثرت پر ہے، وہ تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو اچھا سمجھتے ہیں، لیکن جو محبت کے آشنا ہیں، وہ ثواب کی کثرت پر محبوب کی اتباع کو اہمیت دیتے ہیں، اس لئے گو ان کو ان نفلوں کے بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب کم ملے گا مگر ان کی تلافی اتباع محبت کے ثواب سے ان شاء اللہ تعالیٰ پوری ہو جائے گی۔

مغرب میں تین رکعتیں کیوں ہیں؟

ہجرت کے بعد نمازوں میں جب دو رکعتوں کے بجائے چار رکعتیں ہوگئیں، تو مغرب میں تین رکعتیں کیوں رہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا جواب دیتی ہیں:

((اِلَّا الْمَغْرِبَ فَاِنَّهَا وِتْرُ النَّهَارِ.)) [مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۴۱]

''مغرب کی رکعتوں میں اضافہ نہ ہوا کیونکہ وہ دن کی نمازِ وتر ہے۔''

جس طرح رات کی نمازوں میں تین رکعتیں وتر کی ہیں، اسی طرح یہ دن کی نمازوں میں وتر کی تین رکعتیں ہیں۔

صبح کی نماز دو ہی رکعت کیوں رہی؟

صبح کی نماز میں تو اطمینان زیادہ ہوتا ہے اس میں اور رکعتیں زیادہ ہونی چاہئیں، فرماتی ہیں:

وَصَلٰوةَ الْفَجْرِ لِطُوْلِ قِرَاْتِهِمَا. [مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۴۱]

''نماز فجر میں بھی رکعتوں کا اضافہ ہوا کیونکہ صبح کی دونوں رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھی جاتی ہیں۔''

صبح کی نماز میں مخصوص طور سے شریعت نے خشوع وخضوع کا لحاظ زیادہ رکھا ہے، بار بار کے

اٹھنے بیٹھنے سے اس میں فرق آتا ہے، اس لئے کمیت کے بجائے اس میں کیفیت کا اضافہ کر دیا گیا، یعنی رکعتوں کی تعداد تو وہی رہی، لیکن قرأۃ لمبی کر دی گئی۔

صوم عاشورہ کا سبب

روزِ عاشورہ یعنی دسویں محرم کو اہل جاہلیت روزہ رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاہلیت میں اس دن روزہ رکھتے تھے، اسلام آیا تو بھی یہ روزہ واجب رہا، [1] رمضان کے روزے فرض ہوئے تو اس روزہ کا وجوب منسوخ ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی قسم کی روایت احادیث میں مذکور ہیں، لیکن یہ وہ بیان نہیں کرتے کہ جاہلیت میں اس دن کیوں روزہ رکھا جاتا تھا، اس کا سبب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

كَانُوا يَصُومُونَ يَوْمَ عَاشُورَاءَ قَبْلَ اَنْ يُفْرَضَ رَمَضَانُ وَ كَانَ يَوْمٌ تُسْتَرُ فِيهِ الْكَعْبَةُ. [2]

---

[1] بخاری، مسلم ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت اس سے مختلف ہے وہ کہتے ہیں کہ جب آپ مدینہ آئے تو یہودیوں کو دیکھا کہ اس دن روزہ رکھتے ہیں، سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ چونکہ اس دن خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر فتح عطا کی تھی، اس کی یادگار میں یہود اس دن کا روزہ رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا، تو پھر میں اس روزہ رکھنے کا زیادہ مستحق ہوں، چنانچہ آپ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی رکھنے کا حکم دیا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی بخاری میں ایک اسی قسم کی روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث موطا، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی اور مسند احمد میں ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تائید میں ہے۔ معجم کبیر طبرانی میں حضرت زید رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے وہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی تائید میں ہے، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہود کی مخالفت کرنی چاہئے، وہ دس کو روزہ رکھتے ہیں ہم آئندہ نو کو بھی روزہ رکھیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پر تین اسباب سے ترجیح رکھتی ہے، روایات کی کثرت، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تائید اور قیاس کا اقتضاء یعنی اگر عاشورہ کے دن آپ یہود کی پیروی میں روزہ رکھتے تو پھر مخالفت کے اظہار کی کیا حاجت تھی، بہرحال دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ مکہ میں اہل جاہلیت اس دن روزہ رکھتے تھے، آپ بھی رکھتے ہوں گے اسی دن یہود بھی روزہ رکھتے تھے، اتفاقاً دونوں کی تاریخیں تھیں۔ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو یہود کو بھی روزہ سے پایا، آپ نے بھی حسب دستور روزہ رکھا، یہود کی تقلید منظور نہ تھی اس لئے مسلم اور ابوداؤد میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب آپ نے اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہود و نصاریٰ اس دن کی بڑی عزت و تعظیم کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا آئندہ سال نو تاریخ کو روزہ رکھیں گے لیکن آئندہ سال آپ زندہ نہ رہے۔ آخر ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے حالانکہ حدیث کی اکثر کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱ھ میں آپ نے صوم عاشورہ کا حکم دیا تھا نو تاریخ کو روزہ رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ دس کے ساتھ نو کو بھی روزہ رکھیں گے، یعنی نو اور دس دونوں تاریخوں میں۔ [2] مسند احمد: جلد ۶، ص ۲۴۴.

''رمضان کی فرضیت سے پہلے قریش عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتے تھے۔ اس روز کعبہ کو غلاف پہنایا جاتا تھا۔''

پورے رمضان میں آپ ﷺ نے تراویح کیوں نہ پڑھی؟

آپ رات کو جو نمازیں پڑھا کرتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی ان سے تحقیقی طور سے واقف نہ تھا۔ [1] وہ کہتی ہیں کہ آپ رمضان یا غیر رمضان میں کبھی تیرہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ رمضان میں آپ ﷺ نے ایک دن مسجد میں تراویح کی نماز پڑھی، آپ کو نماز پڑھتے دیکھ کر کچھ اور لوگ بھی شریک ہو گئے، دوسرے دن اور زیادہ مجمع ہوا، تیسرے دن بھی لوگ جمع ہوئے۔ چوتھے دن اتنا مجمع ہوا کہ مسجد میں جگہ نہ رہی، لیکن آپ باہر تشریف نہ لائے، لوگ انتظار کر کے مایوس ہو کر واپس چلے گئے، صبح کو آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا:

((اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ لٰكِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ فَتَعْجِزُوْا.)) [2]

''آج شب کو تمہاری حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی، لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر تراویح فرض نہ ہو جائے اور تم اس کی ادا سے قاصر رہو۔''

لیکن آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب کہ فرضیت کا گمان جاتا رہا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے مواظبت کے ساتھ اس کو ادا فرمایا، اب جن کی نظر اصل حدیث پر ہے، وہ اس کو مستحب ہی سمجھتے ہیں، لیکن جنہوں نے صحابہ کی پیروی کی، انہوں نے اس کو سنت موکدہ قرار دیا۔

حج کی حقیقت

ناواقف اعتراض کرتے ہیں کہ حج کے تمام ارکان مثلاً طواف کرنا، بعض مقامات پر دوڑنا، کہیں کھڑا ہونا، حج میں کہیں ٹھہرنا، کہیں کنکری پھینکنا، ایک بے سود عمل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((اِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَ رَمْيُ الْجِمَارِ لِاِقَامَةِ ذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.))

---

[1] صحیح مسلم: باب صلوۃ اللیل۔ [2] بخاری: کتاب الجمعہ، باب من قال فی الخطبۃ بعد الثناء اما بعد، رقم: ۹۲۴۔

''خانہ کعبہ، صفا اور مروہ کا طواف، کنکریاں پھینکنا تو صرف اللہ تعالیٰ کی یاد قائم کرنے کے لئے ہے۔''

یعنی اصل مقصود یہ اعمال نہیں ہیں، بلکہ یادالٰہی کے مقامات ہیں، اور قرآن سے اشارہ پایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ایک طرزِ عبادت تھا، حج جو یادگارِ ابراہیمی ہے۔ اس میں وہی پہلا طرز عبادت باقی رکھا گیا، جس کو ہر مستطیع مسلمان کو عمر بھر میں ایک دفعہ ادا کرنا ضروری ہے۔

وادی محصب میں قیام

مکہ معظمہ کے پاس محصب نام ایک وادی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام حج میں وہاں قیام فرمایا تھا، آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی یہاں قیام فرمایا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ محصب میں قیام کو بھی اعمال حج کے مسنونات میں سمجھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو سنت نہیں سمجھتی تھیں، اور یہاں قیام نہیں کرتی تھیں۔ فرماتی تھیں:

((اِنَّمَا نَزَلَهُ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِاَنَّهُ كَانَ مَنْزِلًا اَسْمَحَ لِخُرُوْجِهِ.))

''آپ نے یہاں صرف اس لئے پڑاؤ ڈالا تھا کہ یہاں سے نکلنے میں آسانی ہوتی تھی۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو رافع بھی اس مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہیں۔ [1]

قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے کی ممانعت

ایک دفعہ آپ نے حکم دیا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن واقد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اس حکم کو دائمی سمجھتے تھے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ یہ وقتی اور فوری حکم تھا، لیکن اس فوری حکم کی علت حقیقی ہم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی نے بتائی، ایک شخص نے پوچھا کہ کیا تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے کو آنحضرت رضی اللہ عنہ نے حرام کیا ہے؟ فرمایا:

---

[1] یہ چاروں روایتیں مسلم استحباب النزول بالمحصب میں ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت مسند احمد جلد ۶ ص ۱۹۰ میں موجود ہے۔

((لَا وَلٰکِنْ لَمْ یَکُنْ یُضَحِّیْ مِنْهُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ فَفَعَلَ ذٰلِکَ لِیُطْعِمَ مَنْ ضَحّٰی مَنْ لَمْ یُضَحِّ.)) [1]

''نہیں! اس زمانہ میں کم لوگ قربانی کر سکتے تھے۔ اس لئے آپ نے یہ حکم دیا تا کہ جو قربانی کریں وہ ان کو کھلائیں جنھوں نے قربانی نہیں کی ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہی حدیث امام مسلم نے جزئی صورت میں بیان کی ہے یعنی یہ کہ ایک سال مدینہ کے آس پاس کے دیہاتوں میں قحط پڑا۔ اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا اور دوسرے سال جب قحط نہیں رہا، منسوخ فرما دیا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔ [2]

تعمیر کعبہ اور بعض اعمال حج

کعبہ کی ایک طرف کی دیوار کے بعد کچھ جگہ چھوڑی ہوئی ہے، اس کو حطیم کہتے ہیں۔ طواف میں حطیم بھی اندر داخل کر لیتے ہیں، ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جو حصہ کعبہ کے اندر داخل نہیں، اس کو طواف میں کیوں شامل کرتے ہیں، ممکن ہے کہ اور صحابہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس راز کی عقدہ کشائی چاہی ہو، لیکن کتب حدیث کی موجودہ خاموش مجالسِ درس میں اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا اور کسی کی زبان گویا نظر نہیں آتی۔ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دیواریں بھی خانہ کعبہ میں داخل ہیں؟ ارشاد ہوا ''ہاں!'' عرض کی کہ پھر بناتے وقت لوگوں نے ان کو اندر کیوں نہیں کر لیا؟ فرمایا: تمہاری قوم کے پاس سرمایہ نہ تھا، اس لئے اتنا کم کر دیا۔ پھر عرض کی کہ اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں رکھا فرمایا: یہ اس لئے کہ تا کہ وہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں اور جس کو چاہیں روک دیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت صحیح ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسی لئے ادھر کے دونوں رکنوں کو بوسہ نہیں دیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ خانہ کعبہ اپنے اصلی اساس پر قائم نہیں ہے تو شریعت ابراہیمی کے مجدد کی حیثیت سے آپ کا فرض تھا کہ اس کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کریں۔ یہ شبہ نہ تھا، جو جانشین ابراہیم سے پوشیدہ ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عائشہ! تیری قوم اگر کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا کر

---

[1] مسند احمد: جلد ۶، ص ۱۰۲۔

[2] یہ دونوں حدیثیں مع حدیث ما قبل متعلق قربانی کے مسلم کتاب الذبائح دیکھیے۔

اساس ابراہیمی پر تعمیر کراتا۔'' 1 یعنی چونکہ عام اہل عرب ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ اس سے بھڑک جائیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مصلحت کی بنا پر اگر کسی شرعی کام کی تعمیل میں تاخیر کی جائے تو قابلِ ملامت نہیں، بشرطیکہ شریعت نے اس کام کی فوری تعمیل کا علی الاعلان مطالبہ نہ کیا ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اسی روایت کے مطابق آپ کے بھانجے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنی خلافت کے زمانہ میں کعبہ کو ڈھا کر اصل ابراہیمی بنیاد پر قائم کیا۔ عبدالملک نے جب حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد مکہ معظمہ پر قبضہ کرلیا تو یہ سمجھ کر کہ یہ فعل ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے اجتہاد سے کیا تھا، ڈھا کر پھر قدیم ہیئت پر اس کو بنوا دیا۔ لیکن جب اس کو ثقات کی روایات سے یہ معلوم ہوا کہ ام المومنین کی روایت کے مطابق اس کی تعمیر ہوئی تھی تو اپنی اس حرکت پر اس کو سخت ندامت ہوئی۔ 2

سوار ہو کر طواف کرنا

حجۃ الوداع میں سواری پر بیٹھ کر آپ نے طواف کیا تھا، اس سے لوگوں کو شبہ ہوا کہ سواری پر بیٹھ کر طواف کرنا سنت ہے۔ چنانچہ بعض مجتہدین کا یہ مسلک ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص سبب سے ایسا کیا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے تین صاحبوں نے اس کی تین وجہیں بتائی ہیں۔ 3 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آپ بیمار تھے، اس لئے سوار ہو کر طواف کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایسا اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا کہ لوگ آپ کو دیکھ سکیں اور آپ سے پوچھ سکیں، کیونکہ ہجوم کے سبب سے آپ لوگوں کو نظر نہ آتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ نے اس سبب سے ایسا کیا تھا کہ لوگوں کی بے انتہا بھیڑ تھی اور ہر شخص گویا اپنے کو آپ کے پاس پہنچانا چاہتا تھا، کش مکش تھی اور آپ اس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ لوگوں کو زبردستی ہٹایا جائے، اس لئے آپ سوار ہو گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو وجہ بتائی ہے، اس کے تسلیم کرنے میں اس لئے تردد ہے

---

1 یہ روایتیں حدیث کی اکثر کتابوں میں ہیں، لیکن میں نے خصوصیت کے ساتھ اس موقع پر مسلم باب نقض الکعبہ پیش نظر رکھی ہے۔ 2 مسلم: باب نقض الکعبہ ومسند احمد: جلد ۶ ص ۲۵۷، ۲۵۳۔

3 صحیح مسلم: کتاب الحج میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایتیں ہیں اور ابوداؤد میں ابن عباس کی حدیث ہے۔

کہ اگر آپ واقعاً بیمار ہوتے، تو ایسا نہ تھا جو صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوتا بلکہ اس عام مجمع میں اس کا اعلان ہو جاتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کے سبب کو اپنی اپنی فہم کے مطابق سمجھ کر ان صاحبوں نے بیان کیا ہے۔

ہجرت

آج کل ہجرت کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ کوئی اپنا گھر چھوڑ کر مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ میں جا کر آباد ہو جائے۔ خواہ وہ جہاں پہلے آباد تھا وہ کیسے ہی آرام اور امن وامان کا ملک ہو۔ عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ جو ائمہ تابعین میں شمار کیے جاتے ہیں، ایک دفعہ ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور سوال کیا کہ ہجرت کی کیا حقیقت ہے؟ فرمایا:

((لَاهِجْرَةَ الْيَوْمَ، كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ يَفِرُّ اَحَدُهُمْ بِدِيْنِهٖ اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ مَخَافَةَ اَنْ يُّفْتَنَ عَلَيْهِ فَاَمَّا الْيَوْمَ فَقَدْ اَظْهَرَ اللّٰهُ الْاِسْلَامَ وَالْيَوْمَ يَعْبُدُ رَبَّهٗ حَيْثُ يَشَاءُ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ.)) [1]

"اب ہجرت نہیں ہے، ہجرت جب تھی جب مسلمان اپنے مذہب کو لے کر اللہ اور اس کے رسول کے پاس ڈر سے دوڑا آتا تھا کہ اس کو تبدیل مذہب کے سبب سے ستایا نہ جائے۔ اب اللہ نے اسلام کو غالب کر دیا، اب مسلمان جہاں چاہے اپنے اللہ کو پوج سکتا ہے، ہاں جہاد اور نیت کا ثواب باقی ہے۔"

اس نکتہ کے واضح ہو جانے کے بعد یہ راز کھل جاتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ کیوں کہا کرتے تھے ((لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ)) [2] فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں کیونکہ اس کے بعد تمام ملک میں امن وامان قائم ہو گیا تھا۔ تاہم اگر کوئی جواز الٰہی یا جواز نبوی کی نیت سے ترک وطن کر کے وہاں آباد ہو تو نیت کا ثواب ملے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ میں دفن ہونا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وصال ہوا تو صحابہ میں اختلاف ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پیغمبر جہاں مرتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں، اس لئے آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں جہاں آپ نے وفات پائی تھی، دفن کیا گیا۔ ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ہو، تاہم یہ ایک تاریخی مسئلہ ہے اور ثبوت کا محتاج، اس کا اصلی سبب حضرت

---

[1] بخاری، کتاب مناقب الانصار باب ھجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم رقم: ۳۹۰۰۔ [2] اس حدیث کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فتح مکہ ہو جانے کے بعد مکہ سے ہجرت کی ضرورت نہیں رہی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ لَمْ یَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ ، لَوْ لَا ذٰلِکَ اَبْرَزَ قَبْرَهٗ غَیْرَ اَنَّهٗ خَشِیَ اَنْ یُّتَّخَذَ مَسْجِدًا.)) [1]

''آپ نے مرض الموت میں فرمایا۔ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں) اگر یہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھلے میدان میں ہوتی لیکن چونکہ اس کا خوف تھا کہ وہ بھی سجدہ گاہ نہ بن جائے (اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ کے اندر دفن ہوئے)۔''

اسی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ مبارک کو دیواروں اور سقف (مکان کی چھت) کے اندر محفوظ رکھا جانا اب بھی کیوں ضروری ہے۔

طب، تاریخ وادب وخطابات وشاعری

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگردوں کا بیان ہے کہ تاریخ، ادب، خطابت اور شاعری میں ان کو اچھی دستگاہ حاصل تھی اور طب میں بھی ان کو کسی قدر دخل تھا، ہشام بن عروہ کی روایت ہے: [2]

((مَارَاَیْتُ اَحَدًا مِّنَ النَّاسِ اَعْلَمَ بِالْقُرْآنِ وَلَا بِفَرِیْضَةٍ وَلَا بِحَلَالٍ وَّ لَا حَرَامٍ وَّلَا بِشِعْرٍ وَّلَا بِحَدِیْثِ الْعَرَبِ وَالنَّسَبِ مِنْ عَائِشَةَ.))

''میں نے قرآن، فرائض، حلال وحرام (یعنی فقہ) شاعری، عرب کی تاریخ ونسب کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ واقف کار کسی کو نہ پایا۔''

طب

عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو طب کا ماہر نہیں پایا۔''

یہ ظاہر ہے کہ عرب میں فن طب کا باقاعدہ رواج نہ تھا، عرب کا سب سے بڑا طبیب اس زمانہ میں حارث ابن کلدہ تھا اور ملک میں چھوٹے چھوٹے طبیب ومعالج تھے۔ ان کا فن طب وہی تھا جو جاہل قوموں میں رائج ہوتا ہے، کچھ جڑی بوٹیوں کے خواص معلوم ہوں گے، کچھ بیماریوں کی مجرب دوائیں معلوم ہوں

[1] صحیح بخاری: کتاب الجنائز، رقم: ۱۳۹۰۔ مسند احمد: جلد ۶ ص ۱۲۱۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ذہبی، ترجمہ عائشہ رضی اللہ عنہا۔

گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک شخص نے پوچھا کہ آپ شعر کہتی ہیں تو میں نے مانا کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، کہہ سکتی ہیں، لیکن آپ کو طب سے یہ واقفیت کیسے ہوئی؟ فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر عمر میں بیمار رہا کرتے تھے، اطبائے عرب آیا کرتے تھے، جو وہ بتاتے تھے میں یاد کر لیتی تھی۔ [1]

ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طبی واقفیت ویسی ہی ہوگی جیسے پہلے خاندان کی بڑی بوڑھیاں بچوں کا علاج کرتی تھیں اور کچھ اور بیماریوں کے مجرب نسخے یاد رکھتی تھیں۔ مسلمان عورتیں عموماً لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں، [2] خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی جنگ احد میں مصروفِ خدمت تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہدِ مبارک میں خاتونانِ اسلام کو حسبِ ضرورت اس فن سے واقفیت تھی۔

تاریخ

عرب کے حالات، جاہلیت کے رسوم اور قبائل کے باہمی انساب کی واقفیت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ [3] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی بیٹی تھیں، اس لئے ان فنون کی واقفیت اُن کا خاندانی ورثہ تھا، [4] عروہ کہتے ہیں: مَا رَأَیْتُ اَحَدًا مِنَ النَّاسِ اَعْلَمَ...... بِحَدِیْثِ الْعَرَبِ وَالنَّسَبِ مِنْ عَائِشَةَ، [5] ”میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو عرب کی تاریخ ونسب کا ماہر نہ پایا۔“

عرب جاہلیت کے رسوم اور معاشرتی حالات کے متعلق بعض نہایت قیمتی معلومات حدیث کی کتابوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی زبانی منقول ہیں، مثلاً عرب میں شادی کے کتنے طریقے جاری تھے، [6] طلاق کی صورت کیا ہوتی تھی۔ [7] شادیوں میں کیا گایا جاتا تھا۔ [8] ان کے روزہ کا دن کون تھا، [9] قریش حج میں کہاں اترتے تھے۔ [10] میت کو دیکھ کر کیا کہا جاتا تھا۔ [11]

محدثین کی محفل میں انصار کی جنگ بعاث کا تذکرہ ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی زبانی سنا۔ [12]

---

[1] مستدرک حاکم ومسند احمد جلد ۶، ص ۶۷۔ [2] ابوداؤد کتاب الجہاد۔

[3] اصابہ اور استیعاب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کا تذکرہ پڑھو نیز مسند ابن حنبل جلد ۶، ص ۶۷۔

[4] مسند احمد: جلد ۶۔ [5] تذکرۃ الحفاظ ذہبی ترجمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

[6] صحیح بخاری: کتاب النکاح۔ [7] ترمذی: کتاب الطلاق۔

[8] معجم صغیر طبرانی، باب الحاء۔ [9] مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۴۴۔

[10] صحیح بخاری: تفسیر ثم افیضوا۔ [11] بخاری: باب ایام الجاہلیہ۔

[12] صحیح بخاری: جلد اول، ذکر ایام جاہلیت۔

انصار کی بعض مذہبی رسوم مثلاً یہ کہ وہ جاہلیت میں مشلل کے بت پوجتے تھے، انہی سے ہم کو معلوم ہوئے، 1 اسلام کے بعض اہم تاریخی واقعات مثلاً آپ کے آغاز وحی اور ابتدائے نبوت کے مفصل حالات 2 ہجرت کے تفصیلی واقعات 3 خود اپنے واقعہ افک کی من وعن مفصل کیفیت 4 کو انہی کی زبان سے لوگوں نے سُنا۔ صحاح میں احادیث دو تین سطروں سے زیادہ کی نہیں ہوتی، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ واقعات احادیث کے دو دو تین تین صفحوں میں مسلسل بیان ہوئے ہیں۔ قرآن کیونکر اور کس ترتیب سے نازل ہوا۔ 5 نماز کی کیا کیا صورت اسلام میں پیدا ہوئی، انہی نے بتایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کی شروع سے آخیر تک مفصل کیفیت صرف انہی کی زبان سے سُن کر دنیا نے جانا، 6 آپ کے کفن میں کتنے کپڑے تھے اور کس قسم کے تھے، انہی نے بتایا۔

[صحاح ابواب الجنائز]

خیر یہ تو گھر کے اندر کی باتیں تھیں، میدان جنگ کے حالات بھی انہوں نے ہم کو سنائے ہیں۔ غزوۂ بدر کے بعض واقعات 7 جنگ اُحد کی کیفیت 8 غزوہ خندق کے کچھ حالات 9 غزوۂ بنی قریظہ کے بعض جزئیات 10 غزوہ ذات الرقاع میں نماز خوف کی کیفیت 11 فتح مکہ میں عورتوں کی بیعت حجۃ الوداع کے واقعات کے ضروری اجزاء 12 انہی سے ہاتھ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے متعلق صحیح و مفصل معلومات انہی نے بہم پہنچائیں، مثلاً قصہ بدءِ وحی، واقعہ ہجرت، واقعہ وصال کے علاوہ آپ کی عبادت شبانہ، 13 آپ کے خانگی مشاغل، 14 آپ کے ذاتی اخلاق 15 کا صحیح نقشہ انہی نے ہم کو کھینچ کر دکھایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے سخت دن کون سا گزرا انہی نے ہم کو بتایا۔ 16 آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ازواج مطہرات

---

1 صحیح بخاری: کتاب الحج۔
2 صحیح بخاری: بدالوحی۔
3 صحیح بخاری: باب الہجرۃ۔
4 صحیح بخاری: حدیث الافک۔
5 صحیح بخاری: باب تالیف القرآن......
6 صحیح بخاری: باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
7 مسند احمد: جلد ۶، ص ۲۷۲ و ۱۵۰۔
8 مسند احمد جلد نمبر ۶۔
9 مسند احمد: جلد ۶ ص ۱۴۱۔
10 صحیح بخاری: ذکر قریظہ۔
11 مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۷۵۔
12 صحیح بخاری: وغیرہ کتاب الحج۔
13 صحیح بخاری، مسلم وابوداؤد وغیرہ باب قیام اللیل۔
14 مسند احمد: جلد ۶، ص ۱۸۲ و صحیح بخاری: باب کیف یکون الرجل فی اہلہ۔
15 صحیح بخاری وابوداؤد: کتاب الادب۔
16 صحیح بخاری: باب اشد مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

کا دعویٰ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ملال خاطر اور پھر بیعت کے تمام مفصل واقعات بروایت صحیح انہی سے ہم کو معلوم ہوئے ❶

تاریخِ اسلام کے متعلق ان کے معلومات تو ذاتی مشاہدات پر مبنی تھے لیکن عرب جاہلیت کے حالات انہوں نے کس سے سنے، ایک حدیث کی سند پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیض ان کو اپنے پدر بزرگوار سے پہنچا تھا، ان کے ایک شاگرد اُن سے کہتے ہیں:

((لَا اَعْجَبُ مِنْ علمِکَ...... اَیَّامُ الْعَرَبِ اَقُوْلُ اِبْنَۃُ اَبِیْ بَکْرٍ.))

''آپ کے تاریخ عرب کے متعلق معلومات پر مجھ کو تعجب نہیں، میں کہتا ہوں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔''

ادب

ادب سے مراد عام گفتگو کی خوبی اور نثر کی انشاء پردازی ہے۔ بہت سی روایتیں اس باب میں متفق ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہایت شیریں کلام اور فصیح اللسان تھیں۔ ان کے ایک شاگرد موسیٰ بن طلحہ کی روایت ہے کہ:۔

((مَارَاَیْتُ اَفْصَحَ مِنْ عَائِشَۃَ.)) ❷

''حضرت عائشہ سے زیادہ فصیح اللسان میں نے نہیں دیکھا۔''

احنف بن قیس ایک .... لکھتے ہیں:

((مَاسَمِعْتُ الْکَلَامَ مِنْ فَمِ مَخْلُوْقٍ اَفْخَمَ وَلَا اَحْسَنَ مِنْ عَائِشَۃَ.))

''کسی مخلوق کے منہ کی بات حسن بیان اور متانت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے منہ کی بات سے عمدہ اور بہتر نہیں سنی۔'' ❸

گو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہزاروں حدیثیں مروی ہیں تاہم یہ محدثین میں مسلم ہے کہ احادیث بالفاظہا (آپ کی ادائیگی پر) بہت کم محفوظ ہیں، بااین ہمہ پوری حدیث میں ایک فقرہ بھی اگر ان کی زبان کا محفوظ رہ گیا ہے تو اس نے پوری حدیث میں جان ڈال دی ہے، حدیث بدء وحی میں فرماتی ہیں: ابتداءً آپ کو رویائے صادقہ ہوتا تھا، اس موقع پر فرماتی ہیں: ((فَمَا رَاٰی رُؤْیَا اِلَّا جَاءَتْ

❶ صحیح بخاری: وفات النبی و کتاب الفرائض و غزوہ خیبر و صحیح مسلم باب قول صلی اللہ علیہ وسلم، مَا تَرَکْنَا فَھُوَ صَدَقَۃٌ. مسند احمد: جلد ۶، ص ۶۷ و مستدرک حاکم۔ ❷ مستدرک حاکم، ترمذی: مناقب۔ ❸ مستدرک حاکم۔

مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ)) ''آپ جو خواب دیکھتے تھے، وہ سپیدۂ صبح کی طرح نمودار ہوتا تھا۔'' آپ پر جب وحی کی کیفیت طاری ہوتی تھی تو پیشانی عرق آلود ہو جاتی تھی، اس کو اس طرح ادا کرتی ہیں: مثل الجمان، ''پیشانی پر موتی ڈھلکتے تھے۔'' جب لوگوں نے معاذ اللہ ان پر تہمت رکھی ہے، تو اس کرب اور بے چینی میں راتوں کو نیند نہیں آتی تھی، اس مفہوم کو اس طرح ادا فرماتی ہیں: ((وَلَا اَكْتَحِلُ بِنَوْمٍ)) [1]

''میں نے سرمۂ خواب نہیں لگایا۔''

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی ام زرع کا جو اخلاقی قصہ مذکور ہے، اس کی عبارت کا ایک ایک فقرہ بلکہ ایک ایک لفظ عرب کی زبان اور ان کی تشبیہات و استعارات کا خالص نمونہ ہے۔ اہل ادب نے صرف ایک صفحہ کی عبارت کی شرحیں لکھی ہیں اور اس پر حواشی چڑھائے ہیں۔ تعلیم کے عنوان میں ابھی آئے گا کہ وہ اپنے شاگردوں کی زبان اور طرزِ ادا اور صحتِ تلفظ کی نگرانی کرتی تھیں۔

خطابت

خطابت یا قوتِ تحریر عربوں کی آزاد طبیعتوں کا فطری جوہر ہے، مردوں سے گزر کر یہ ملکہ عورتوں تک میں موجود تھا۔ اسلام کے ابتدائی قرنوں میں جب مسلمانوں میں عربیت کی روح زندہ تھی ان میں بڑی بڑی پرزور مقررہ اور خطیبہ گزری ہیں۔ احمد بن ابی طاہر المتوفی ۲۰۴ھ نے بلاغات النساء کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، جس میں اس زمانے کی مسلمان عورتوں کی تقریریں اور خطبے قلم بند کئے ہیں، اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تقریریں بھی ہیں۔ طبری میں اُن کی وہ تقریریں ہیں جو جنگِ جمل کے میدانوں میں انہوں نے کی تھیں، ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں ان کی ایک تقریر نقل کی ہے۔

احنف بن قیس تابعی بصری جنہوں نے غالباً بصرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تقریریں سنی ہوں گی، کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اس وقت تک کے تمام خلفا کی تقریریں سنی ہیں، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے جو بات نکلتی تھی، اس میں جو خوبی اور بلندی ہوتی تھی وہ کسی کے کلام میں نہیں ہوتی تھی۔ [2] میری رائے میں احنف کا یہ بیان مبالغہ سے خالی نہیں، اس میں خارجی تاثرات کو بھی دخل ہے، ایک عورت کی تقریر اور وہ بھی میدان جنگ میں یقیناً مؤثر ہوئی ہوگی۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ وہ بڑی فصیح البیان مقررہ تھیں۔

---

[1] بخاری: کتاب الشہادات، رقم: ۲۶۶۱۔ [2] مستدرک ذکر عائشہ رضی اللہ عنہا و امام احمد فی کتاب الزہد۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ بلیغ، زیادہ فصیح اور زیادہ تیز فہم کوئی خطیب نہیں دیکھا۔ موسیٰ بن طلحہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ فصیح البیان میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ [1]

ایک مقرر کے لئے حسن گفتار اور فصاحت لسانی کے ساتھ آواز میں بلندی، لہجہ میں رفعت اور جلالت ہونی ضرور ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آواز اسی قسم کی تھی، طبری میں ہے:

فَتَكَلَّمَتْ عَائِشَةُ وَ كَانَتْ جُهُورِيَّةً يَعْلُوْ صَوْتُهَا كَثْرَةً كَأَنَّهُ صَوْتُ امْرَأَةٍ جَلِيْلَةٍ. [صفحہ ۳۱۱۹، یورپ]

"پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تقریر کی، وہ بلند آواز تھیں، ان کی آواز اکثر لوگوں پر غالب آجاتی تھی گویا کہ وہ ایک صاحب جلال خاتون کی آواز تھی۔"

جنگ جمل کے تذکرہ میں ہم نے ان کی چند تقریریں نقل کی ہیں، گو ترجمہ سے اصل شان ظاہر نہیں ہو سکتی، تاہم ان سے جوش بیان اور زورِ کلام کا اندازہ ہوگا۔

شاعری

اسلام سے پہلے عرب کی علمی کائنات جو کچھ تھی، وہ شاعری تھی۔ ایک عرب شاعر جب اپنی زبان کے جوہر دکھاتا تھا تو کہیں آگ لگا دیتا تھا اور کہیں آبِ حیات برسا دیتا تھا۔ یہ وصف صرف مردوں کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ عورتیں بھی اس میں داخل تھیں۔ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد بھی سو برس تک جب تک مسلمانوں میں عربیت کا جوہر باقی رہا، سینکڑوں عورتیں شعر وسخن میں وہ کمال رکھتی تھیں کہ اب تک ان کا کلام عرب کی شاعری کی زینت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی عہد میں پیدا ہوئی تھیں۔ ان کے پدر بزرگوار عرب میں شعر وسخن کے جوہری تھے، [2] اس لئے یہ فن آغوش پدر ہی میں انہوں نے سیکھا۔ ان کے شاگرد کہا کرتے تھے، کہ ہم کو آپ کی شاعری پر تعجب نہیں، اس لئے کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ [3] امام بخاری نے "ادب المفرد" میں عروہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کعب بن مالک کا پورا قصیدہ یاد تھا،

---

[1] زرقانی بر مواہب جلد ۳، ص ۲۶۷ بحوالہ طبرانی، دوسری روایت برجال الصحیح مروی ہے۔

[2] مسند احمد: جلد ۶، ص ۶۷، مستدرک حاکم، ذکر عائشہ رضی اللہ عنہا، استیعاب واصابہ ذکر حسان بن ثابت۔

[3] مسند احمد: ومستدرک۔ بحوالۂ سابق۔

ایک قصیدہ میں کم و بیش چالیس شعر تھے۔ 1 ایک صاحب نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: آنحضرت ﷺ کبھی کسی موقع پر شعر پڑھتے تھے؟ بولیں: ''عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بعض اشعار پڑھتے تھے۔'' 2 مثلاً:

وَيَأْتِيكَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ 3

''جس کو زادِ راہ دے کر تم نے نہیں بھیجا وہ خبریں لے کر آئے گا۔''

ابوکبیر ہذلی ایک جاہلی شاعر تھے، اس نے اپنے سوتیلے بیٹے تابط شرآ کی تعریف میں کچھ اشعار کہے تھے، ان میں سے دو شعر یہ ہیں:

وَ مُبَرَّءٍ مِنْ كُلِّ غُبَّرِ حَيْضَةٍ وَ فَسَادِ مُرْضِعَةٍ وَدَاءٍ مُغْيَلِ

''وہ اپنی ماں کے تمام عوارضِ شکم سے اور دودھ پلانے والی دایہ کی تمام بیماریوں سے پاک ہے۔''

وَ إِذَا نَظَرْتَ إِلَى أَسِرَّةِ وَجْهِهِ بَرَقَتْ كَبَرْقِ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ

''اور جب تم اس کے چہرہ کی لکیروں کو دیکھو تو وہ برستے بادل کی چمکتی ہوئی بجلیوں کی طرح چمکتی ہوئی نظر آئیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ دونوں شعر حضور انور ﷺ کے سامنے پڑھ کر عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ! ان دونوں شعروں کے زیادہ مستحق تو آپ ہیں'' آپ ﷺ یہ سُن کر مسرور ہوئے۔ 4

احادیث کی کتابوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی بہت سے اشعار مروی ہیں، ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کا وطن سے باہر انتقال ہوا تھا، لاش مکہ معظمہ لا کر دفن کی گئی جب مکہ معظمہ آنے کا اتفاق ہوا، بھائی کی قبر پر آئیں، اس وقت ایک جاہلی شاعر کے یہ شعر ان کی زبان پر تھے۔ 5

وَ كُنَّا كَنَدْمَانَيْ جُذَيْمَةَ حِقْبَةً مِنَ الدَّهْرِ حَتَّى قِيلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا

''ہم مدت تک بادشاہ جذیمہ کے دونوں مصاحبوں کی طرح ایک ساتھ رہے یہاں تک کہ لوگ کہنے لگے اب ہرگز یہ علیحدہ نہ ہوں گے۔''

---

1 ادب المفرد امام بخاری: باب الشعر حسن کحسن الکلام 2 ایضاً۔

3 سبعہ معلقہ میں یہ مصرع طرفہ کے قصیدہ میں داخل ہے۔

4 حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج السالکین میں یہ واقعہ اور یہ شعر نقل کیے ہیں، ص ۲۷۷ مصر۔

5 ترمذی: کتاب الجنائز، باب فی زیارۃ القبور، رقم: ۱۰۵۵۔

فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَاَنِّیْ وَ مَالِكًا   لِطُوْلِ اِجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَیْلَةً مَعًا

''جب ہم علیحدہ ہو گئے تو گویا میں نے اور مالک نے طول اجتماع کے باوجود ایک شب بھی ساتھ بسر نہیں کی۔''

مہاجرین کو مدینہ کی آب و ہوا ابتداءً راس نہ آئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ آ کر بیمار پڑ گئے، اس غربت اور بیماری میں وطن کی یاد ان کو بے چین کر دیتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ دونوں صاحب حسرت سے وطن کی یاد میں شعر پڑھتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب زور سے بخار چڑھتا، کہتے: (1)

كُلُّ امْرِءٍ مُصَبَّحٌ فِیْ اَهْلِهٖ   وَالْمَوْتُ اَدْنٰی مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ

''ہر شخص اپنے اہل وعیال میں مرتا ہے اور موت اس سے اس کے جوتے کے تسمے سے زیادہ نزدیک ہے۔''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جب ذرا سکون ہوتا، چلا کر یہ شعر پڑھتے:

اَلَا لَیْتَ شِعْرِیْ هَلْ اَبِیْتَنَّ لَیْلَةً   بِوَادٍ وَ حَوْلِیْ اِذْخِرٌ وَ جَلِیْلُ

''کاش معلوم ہوتا کہ میں کوئی شب اب مکہ کی وادی میں بسر کروں گا اور میرے اردگرد اذخر اور جلیل کی گھاسیں ہوں گی۔''

وَهَلْ اَرِدَنْ یَوْمًا مِیَاهَ مُجَنَّةٍ   وَ هَلْ یَبْدُوَنْ لِیْ شَامَةٌ وَطَفِیْلُ

''یا مجنہ کے چشمہ پر میرا بھی گزر ہوگا، اور کیا شامہ اور طفیل کی پہاڑیاں اب مجھے کبھی نظر آئیں گی۔''

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ سے خیریت پوچھی، تو انہوں نے یہ شعر پڑھا: (2)

اِنِّیْ وَجَدْتُ الْمَوْتَ قَبْلَ ذَوْقِهٖ   اِنَّ الْجَبَانَ حَتْفُهٗ مِنْ فَوْقِهٖ

''میں نے موت کو اس کا مزہ چکھنے سے پہلے پا لیا، نامرد کی موت اس کے اوپر سے آتی ہے۔''

غزوۂ بدر میں قریش کے بڑے بڑے صنادید مارے گئے تھے، شعرائے قریش نے ان کا پُر درد مرثیہ لکھا تھا، چند شعر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی محفوظ رہ گئے ہیں: (3)

---

(1) صحیح بخاری: کتاب مناقب الانصار باب هجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (2) مسند احمد: جلد ۶، ص ۶۵۔
(3) صحیح بخاری: کتاب المناقب الانصار باب هجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم رقم: ۳۹۲۱۔

وَ مَاذَا بِالْقَلِيبِ بَدْرٍ مِّنَ الْقَيْنَاتِ وَالشُّرْبِ الْكِرَامِ

بدر کے کنوئیں میں کیا کیا ناچنے والیاں اور شریف مے خوار پڑے ہیں

تَحِيِّيْنَا السَّلَامَةَ اُمُّ بَكْرٍ فَهَلْ لِيْ بَعْدَ قَوْمِيْ مِنْ سَلَامٍ

''اے بکر کی ماں سلامتی کی مبارک باد اور کیا میرے لئے میری قوم کی موت کے بعد کوئی سلامتی ہو۔''

يُحَدِّثُنَا الرَّسُوْلُ بِاَنْ سَنَحْيَا وَ كَيْفَ حَيَاةُ اَصْدَاءٍ وَحَامٍ [1]

''رسول ہم سے کہتا ہے کہ ہم زندہ کئے جائیں گے، صدی اور حام کی زندگی کیونکر ہوسکتی ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میرے پاس ایک سیاہ رنگ کی عورت آیا کرتی تھی اور اکثر یہ پڑھا کرتی تھی:

وَ يَوْمُ الْوِشَاحِ مِنْ تَعَاجِيْبِ رَبِّنَا اَلَا اِنَّهٗ مِنْ بَلْدَةِ الْكُفْرِ اَنْجَانِيْ [2]

''ہار والا دن ہمارے خدا کے تعجبات میں سے تھا لیکن شکر ہے کہ اس نے کفر کی آبادی سے نجات دی۔''

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق میں جو رجز پڑھتے تھے، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یاد تھا:

لَيْتَ قَلِيْلًا يُدْرِكُ الْهَيْجَا جَمَلْ مَا اَحْسَنُ الْمَوْتِ اِذَا حَانَ الْاَجَلْ [3]

''کاش کہ تھوڑی دیر میں اونٹ لڑائی کو پالیتا، موت کتنی پیاری ہے جب موت کا وقت آ گیا۔''

انصار کی عورتیں شادیوں میں یہ اشعار گاتی تھیں:

واھدیٰ لھا اکبشا تبحج فی المربد

وزوجک فی النادی ویعلم ما فی غد [4]

مشرکین قریش نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں قصائد کہے تو مسلمان شعراء نے ان کا کیونکر جواب لکھا۔ یہ ہم کو صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سے معلوم ہوا۔

ام المؤمنین بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ قریش کی ہجو لکھو کہ یہ حملہ تیر کی زد سے بھی

---

[1] عربوں کا خیال تھا کہ مرنے کے بعد روح چڑیا بن کر اڑ جاتی ہے اور آواز دیتی ہے۔

[2] صحیح بخاری: کتاب مناقب الانصار، باب ایام الجاہلیۃ رقم: ۳۸۳۵۔

[3] مسند احمد: جلد ۶، ص ۱۴۱۔ [4] معجم صغیر طبرانی باب الحاء۔

زیادہ ان پر کارگر ہوگا۔ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ شاعر تھے، ان کو یہ پیغام بھیجا، انہوں نے چند شعر کہے لیکن آپ کو پسند نہ آئے۔ اس کے بعد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ جواب لکھیں اور آخر میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی باری آئی، وہ حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آخر اس شیر کی ضرورت پیش آئی، پھر گزارش کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ذاتِ پاک کی قسم! جس نے آپ کو رسول برحق بنایا، میں ان کو اس طرح اُدھیڑ دوں گا جس طرح لوگ چمڑے کو ادھیڑتے ہیں۔ فرمایا: ابھی عجلت سے کام نہ لو، ابوبکر تمام قریش کے نسب ناموں سے زیادہ واقف ہیں، میری بھی اس سے قرابت ہے، میرے رشتہ کو ان سے اچھی طرح سمجھ لو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس وہ جاکر رشتوں کے پیچ و خم کو سمجھ آئے اور آکر عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں سمجھ آیا، اس ذات پاک کی قسم! جس نے آپ کو رسول برحق بنایا، میں آپ کو اُن سے اس طرح کھینچ لوں گا جس طرح آٹے کے خمیر سے لوگ بال کھینچ لیتے ہیں۔ اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے وہ قصیدہ کہا، جس کا ایک شعر ہے:

وَاِنَّ سَنَامَ الْمَجْدِ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ　　بَنُوْبِنْتِ مَخْزُوْمٍ وَ وَالِدُکَ الْعَبْدُ

"آلِ ہاشم کی بزرگی کا کوہان، مخزوم کے نواسے ہیں اور تیرا باپ غلام تھا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ: "حسان! جب تک تم اللہ اور رسول کی مدافعت کرتے رہو، روح القدس کی امداد تمہارے ساتھ رہے۔" اور یہ بھی روایت کرتی ہیں کہ میں نے آپ کو یہ کہتے سنا ہے کہ "حسان نے ان کا جواب دے کر غم سے آزاد کیا۔" اس کے بعد ام المومنین رضی اللہ عنہا نے قصیدہ کے یہ شعر سنائے:

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَاَجَبْتُ عَنْهُ　　وَعِنْدَاللهِ فِیْ ذَاکَ الْجَزَاءُ

"تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی تو میں نے اس کا جواب دیا، خدا کے پاس میرے اس کام کی جزا ہے۔"

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا بَرًّا حَنِیْفًا　　رَسُوْلَ اللهِ شِیْمَتُهُ الْوَفَاءُ

تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی جو نیک دیندار　　خدا کا پیغمبر ہے اور اس کی خصلت وفاداری ہے

فَاِنَّ اَبِیْ وَ وَالِدَهٗ وَ عِرْضِیْ　　لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْکُمْ وِقَاءُ

میرے باپ دادا اور میری عزت و آبرو　　محمد کی عزت تم سے بچانے کے لئے سپر ہے

ثَکِلْتُ بُنَیَّتِیْ اِنْ لَّمْ تَرَوْهَا　　تُثِیْرُالنَّقْعَ مِنْ کَنَفَیْ کَدَاءٍ

''میں اپنی اولاد کو روؤں اگر تم اسلام کے لشکر کو نہ دیکھو، کداء کے دونوں کناروں سے گرد اڑاتے۔''

يُبَارِيْنَ الْاَعِنَّةَ مُصْعِدَاتٍ عَلٰى اَكْتَافِهَا الْاَسَلُ الظِّمَاءُ

''اونٹنیاں جو مہاروں میں ناز کرتی بلند زمین پر چڑھتی جاتی ہیں، ان کے بازوؤں پر پیاسے نیزے رکھے ہیں۔''

تَظَلُّ جِيَادُنَا مُتَمَطِّرَاتٍ تُلَطِّمُهُنَّ بِالْخُمُرِ النِّسَاءُ

''ہمارے گھوڑے برستے بادل کی طرح رواں ہیں اور بیویاں اپنی اوڑھنیوں سے ان کے منہ سے گرد و غبار جھاڑتی ہیں۔''

فَاِنْ اَعْرَضْتُمُوا عَنَّا اِعْتَمَرْنَا وَكَانَ الْفَتْحُ وَانْكَشَفَ الْغِطَاءُ

''اگر اے قریش تم نے انکار کیا تو ہم عمرہ ادا کریں گے اور فتح ہوگی اور پردہ کھل جائے گا۔''

وَاِلَّا فَاصْبِرُوْا لِضِرَابِ يَوْمٍ يَعِزُّ اللّٰهُ فِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ

ورنہ اس دن کی حملہ کے لئے صبر کرو جس میں خدا جس کو چاہے گا عزت دے گا

وَقَالَ اللّٰهُ قَدْ يَسَّرْتُ جُنْدًا هُمُ الْاَنْصَارُ عُرْضَتُهَا اللِّقَاءُ

''اللہ نے کہہ دیا ہے کہ میں نے اس لشکر کو آسان کر دیا ہے جو انصاری ہیں اور جن کی پیشی میدانِ جنگ کی ملاقات ہے۔''

لَنَا فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مِّنْ مَّعَدٍّ سِبَابٌ اَوْ قِتَالٌ اَوْ هِجَاءٌ

ہم لوگوں کو ہر روز معد کے قبیلوں سے گالی گفتہ کرنا ہے یا لڑنا ہے یا ہجو کرنا ہے

فَمَنْ يَّهْجُوْ رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْكُمْ وَيَمْدَحُهٗ وَيَنْصُرُهٗ سَوَاءٌ

تم میں سے جو رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرے یا مدح کرے اور مدد دے، برابر ہے۔

وَجِبْرِيْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِيْنَا وَرُوْحُ الْقُدُسِ لَيْسَ لَهٗ كِفَاءٌ [1]

جبریل اللہ کا ہمارے درمیان پیغمبر ہے اور پاکیزگی کی روح جس کی کوئی نظیر نہیں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب مدینہ کی بدامنی کا حال ان کو معلوم ہوا تو ان

[1] یہ واقعات اور اشعار صحیح مسلم مناقب حسان میں مذکور ہیں۔ حدیث رقم: ۶۳۹۵۔

کی زبان پر یہ شعر تھا: ❶

وَ لَوْ اَنَّ قَوْمِیْ طَاوَ عَتْنِیْ سُرَاتُهُمْ   لَا نُقَذْ تُهُمْ مِنَ الْخِبَالِ اَوِ الْخَبْلِ

اگر میری قوم کے سردار میرا کہا مانتے تو میں ان کو اس فریب اور بربادی سے نکال لاتی

سرسبز اور آباد راستوں کو چھوڑ کر جب بصرہ پہنچیں، تو یہ دو شعر پڑھے: ❷

دَعِیْ بِلَادَ جُمُوْعِ الظُّلْمِ اِذْ صَلَحت   فِیْهَا الْمِیَاه وَ سِیْرِیْ سَیْرَ مَذْعُوْر

اہل ظلم کی آبادیوں کو چھوڑ دے کہ ان کے   تالاب اچھے ہیں اور خوف زدہ کی چال چل

تخیری النیت فارعی ثم ظاهرة   و بطن و ادمن الضماد ممطور

اس گھاس کو پسند کر پھر وہاں دھوپ میں چر، ضماد کے سرسبز میدان میں

جنگ جمل میں بعض بہادروں نے جو رجز پڑھے تھے، وہ ان کو یاد تھے، ایک دفعہ ان کو پڑھ کر بہت روئی تھیں۔ وہ رجز کے شعر یہ تھے: ❸

یَا اُمَّنَا یَا خَیْرَ اُمٍّ نَعْلَمْ   اَمَا تَرَیْنَ کَمْ شُجَاعٍ یُکْلَمْ

''اے ہماری ماں! اے ہماری سب سے اچھی ماں! جس کو ہم جانتے ہیں آپ نہیں دیکھتیں کہ اتنے بہادر زخمی ہوئے۔''

تُخْتَلٰی هَا مَتُهٗ وَ الْمُعْصَمُ ❹

اور سر اور ہاتھ گھاس کی طرح کاٹے گئے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ذوق شاعری اور سخن فہمی کو دیکھ کر شعراء ان کو اپنا کلام ان کو سناتے تھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جو انصار میں شاعری کے مسلم الثبوت استاد تھے، گو واقعۂ افک میں شرکت کے باعث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان سے ملول خاطر ہونا چاہیے تھا، تاہم وہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اشعار سناتے تھے۔ ❺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی تعریف کرتی تھیں اور ان کے مناقب بیان فرماتی تھیں۔ ❻ ان کے علاوہ وہ دربار نبوت کے دوسرے شاعر حضرت کعب

---

❶ طبری، ص ۳۰۹۹ طبع بریلی۔ ❷ ایضاً ص ۳۱۰۵ طبع بریلی۔

❸ طبری ۳۲۰۱ طبع بریلی۔ ❹ ایضاً۔

❺ صحیح بخاری: مناقب حسان رضی اللہ عنہ۔ ❻ صحیح بخاری: مناقب حسان رضی اللہ عنہ۔

بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے نام بھی اس سلسلہ میں لیتی تھیں۔ [1]

حدیث میں آیا ہے کہ کسی کا پیٹ اگر پیپ سے بھر جائے تو اس سے بہتر ہے کہ اشعار سے بھرے۔ [2] یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن چونکہ اس سے شاعری کی مذمت ثابت ہوتی ہے، اس لئے بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث محفوظ نہیں رہی۔ آپ نے فرمایا ہے کہ کسی کا پیٹ اگر پیپ سے بھر جائے تو اس سے بہتر ہے کہ ان اشعار سے بھرا ہو جو میری ہجو میں کہے گئے ہیں۔ [3] اس حدیث کا راوی کلبی ہے جو مشہور کذاب اور دروغ گو ہے، چونکہ اس کو یہ معلوم تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صحابہ پر استدراک کیا ہے اور نیز ان کو شاعری سے بھی ذوق تھا۔ اس لئے اس حدیث کے لئے اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہتر نام نہیں مل سکتا تھا، لیکن محدثین نے تصریح کی ہے کہ حدیث موضوع ہے۔ [4]

اصل یہ ہے کہ شاعری فی ذاتہٖ نہ خیر ہے نہ شر، وہ کلام کی ایک قسم ہے۔ کلام کا حسن و قبح وزن شعری پر نہیں، بلکہ ان مضامین اور مطالب پر موقوف ہے جو اس میں ادا کئے گئے ہوں۔ اگر مضمون تقویٰ اور ثقاہت کے خلاف نہیں تو شعر میں بھی برائی نہیں ورنہ وہ اخلاق کے چہرہ کا داغ اور انسان کی زبان کا عیب ہے۔ یہ سب کچھ شاعری ہی پر موقوف نہیں بلکہ نثر کا بھی یہی حال ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ادب المفرد میں شاعری کے حسن و قبح کے متعلق بعینہٖ یہی فیصلہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے، فرماتی ہیں:

اَلشِّعْرُ مِنْهُ حَسَنٌ وَ مِنْهُ قَبِيْحٌ خُذْ بِالْحَسَنِ وَدَعِ الْقَبَائِحَ.

''بعض اشعار اچھے ہوتے ہیں اور بعض برے ہوتے ہیں، اچھے لے لو اور برے چھوڑ دو۔''

اسی بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''بڑا گنہگار وہ شاعر ہے جو تمام قبیلہ کی ہجو کرے۔'' [5] یعنی صرف ایک دو شخص کی برائی کے سبب سے قبیلہ کے قبیلہ کو برا کہہ دینا ایک اخلاقی لغزش اور شاعری کا بے جا استعمال ہے۔

---

[1] ایضاً۔ [2] ادب المفرد امام بخاری: باب الشعر۔

[3] عین الاصابہ سیوطی بحوالہ ابو عروبہ و ابو منصور بغدادی، ص ۲۰۔ [4] موضوعات شوکانی: ص ۱۰۴۔

[5] یہ تینوں حدیثیں ادب المفرد، امام بخاری باب الشعر میں ہیں، ابو یعلی کی مسند عائشہ رضی اللہ عنہا میں بھی دوسری حدیث مروی ہے۔

تعلیم، افتاء اور ارشاد

تعلیم

علم کی ایک خدمت یہ بھی ہے کہ اس کو دوسروں تک پہنچایا جائے، اور اس سے تزکیۂ نفوس اور اصلاح امت کا کام لیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ "فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" جو حاضر ہو وہ غائب تک پہنچائے۔ کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ فرض ادا کیا؟ ہم نے اس کا جواب تعلیم، افتاء اور ارشاد کے تین بابوں میں دیا ہے۔

علم کی اشاعت اور تعلیم کو جو مردوں کی مخصوص صفت قرار دیتے ہوں وہ آ کر دیکھیں کہ حرمِ نبوت کی یہ شمعِ مبارک اس بزم میں بھی کس طرح جلوہ افروزہ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام اسلامی ملکوں میں علم کی اشاعت اور اسلام کی دعوت کے لئے پھیل گئے تھے۔ مکہ معظمہ، طائف، بحرین، یمن، دمشق، مصر، کوفہ، بصرہ وغیرہ بڑے بڑے مرکزی شہروں میں ان مقدس معلمین کی ایک ایک مختصر جماعت قیام پذیر تھی۔ خلافت اور حکومت کا سیاسی مرکز ۲۷ برس کے بعد مدینہ منورہ سے کوفہ اور پھر دمشق کو منتقل ہوگیا، تاہم مدینہ منورہ کی روحانی عظمت اور علمی مرکزیت ان انقلابات سے بھی مٹ نہ سکی۔ مدینہ پاک میں اس وقت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مستقل درس گاہیں قائم تھیں، لیکن درسگاہ اعظم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ گوشہ تھا جو حجرۂ نبوی کے قریب اور زوجۂ رسول کے مسکن کے پاس تھا۔

لڑکے، عورتیں اور جن مردوں کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پردہ نہ تھا، وہ حجرہ کے اندر آ کر مجلس میں بیٹھتے تھے دیگر حضرات حجرہ کے سامنے مسجد نبوی میں بیٹھتے۔ دروازہ پر پردہ پڑا رہتا، پردہ کی اوٹ میں وہ خود بیٹھ جاتیں۔ [1] لوگ سوالات کرتے، یہ جوابات دیتیں، کبھی کوئی سلسلۂ بحث چھڑ جاتا اور استاد شاگرد اس خاص موضوع پر گفتگو کرتے۔ [2] کبھی خود کسی مسئلہ کو چھیڑ کر بیان کرتیں اور لوگ خاموشی کے ساتھ سنتے۔ اپنے شاگردوں کی زبان، طرزِ ادا اور صحت تلفظ کی بھی سخت نگرانی کرتی تھیں۔ ایک دفعہ قاسم اور ابن ابی عتیق کہ دونوں بھتیجے تھے، مگر دو ماؤں سے تھے، خدمت بابرکت میں پہنچے۔ قاسم کی

---

[1] مسند احمد: جلد ۶، ص ۷۲ و ابن سعد جز ثانی قسم ثانی، ص ۲۹۔ [2] مسند احمد: جلد ۶، ص ۷۵۔

زبان صاف نہ تھی، اعراب میں غلطیاں کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو ٹوکا اور فرمایا تم ایسی زبان کیوں نہیں بولتے، جیسی میرا یہ برادر زادہ بولتا ہے۔ ہاں! سمجھ گئی، اس کو اس کی ماں نے اور تم کو تمہارے ماں نے تعلیم دی ہے۔ قاسم کی ماں کنیز تھی۔ [صحیح مسلم: کتاب الصلوۃ، باب الاخبثین]

ان عارضی طالب علموں کے علاوہ جو کبھی کبھی حلقۂ درس میں شریک ہوتے تھے، وہ خاندانوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کو، اور شہر کے یتیم بچوں کو اپنے آغوشِ تربیت میں لیتی تھیں اور ان کی تعلیم و تربیت کرتی تھیں، کبھی ایسا بھی ہوا کہ غیر لڑکوں کو جو گو بڑے ہو چکے ہوں، اپنی بہنوں اور بھانجیوں سے دودھ پلواتی تھیں اور خود ان کی رضاعی خالہ یا نانی بن کر ان کو اندر آنے کی اجازت دیتی تھیں۔ [1] جن کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی، یعنی محرم نہ تھے، وہ افسوس کرتے تھے کہ ہم کو حصولِ علم کا اچھی طرح موقع نہیں ملتا۔ قبیصہ کہتے تھے کہ عروہ مجھ سے علم میں اس لئے آگے بڑھ گئے کہ وہ اندر جاتے تھے۔ [2] امام نخعی جو عراق کے متفق علیہ امام تھے، وہ لڑکپن [3] میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، ان کے دوسرے معاصرین کو اس پر رشک تھا۔ [4]

معمول تھا کہ ہر سال حج کو جائیں، اسلام کا وسیع دائرہ سال میں ایک دفعہ سمٹ کر ایک نقطہ پر جمع ہو جاتا تھا، کوہِ حرا اور ثبیر کے درمیان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیمہ نصب ہوتا۔ [5] تشنگانِ علم جوق در جوق دور دراز ممالک سے آ کر حلقۂ درس میں شریک ہوتے [6] مسائل پیش کرتے تھے، اپنے شبہات کا ازالہ چاہتے۔ لوگ بعض مسائل کو پوچھتے جھجکتے تو وہ ڈھارس بندھاتیں۔ ایک صاحب ایک بات پوچھنا چاہتے تھے لیکن شرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جو تم اپنی ماں سے پوچھ سکتے تھے، مجھ سے بھی پوچھ سکتے ہو۔ [7] یہی واقعہ ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ گزرا، ان کو بھی یہی جواب دیا، [8] میں تو تمہاری ماں ہوں اور حقیقۃً وہ اپنے شاگردوں کو ماں ہی بن کر تعلیم دیتی تھیں۔ عروہ، قاسم، ابوسلمہ، مسروق، عمرہ اور صفیہ کی تعلیم و تربیت انہوں نے اسی مادرانہ شفقت کے ساتھ کی

---

[1] صحیح مسلم: باب رضاعۃ الکبیر و مسند ابن حنبل: جلد ۶ ص ۲۷۱، اس مسئلہ میں جیسا کہ پہلے اوپر گزر چکا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متفرد تھیں۔ [2] تہذیب ابن حجر: ترجمہ عائشہ رضی اللہ عنہا [3] تذکرۂ ذہبی: ترجمہ ابراہیم نخعی۔

[4] مسند احمد: جلد ۶، ص ۲۷۱۔ [5] ابن سعد: جزء مدنیین، ص ۲۱۸ میں جائے قیام کوہ ثبیر اور حراء کے بیچ میں بتایا گیا ہے اور صحیح بخاری جلد اول ص ۲۱۹ میں وادیٔ ثبیر کے جوف میں جگہ بتائی گئی ہے۔

[6] ابن سعد جزء اہل مدینہ ص ۲۱۸ و مسند احمد: جلد ۶ ص ۴۰، و بخاری جلد ص ۲۱۹۔

[7] مسند احمد: جلد ۶، ص ۹۰۔ [8] مؤطا امام مالک: باب الغسل۔

تھی، بلکہ ایسے بچوں کو متبنیٰ کر لیتی تھیں، اور ان کے مصارف کی بھی خود ذمہ دار ہو جاتی تھیں۔ وہ اپنے بعض شاگردوں کے ساتھ وہ برتاؤ کرتی تھیں کہ ان کے عزیزوں کو رشک آتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جو اُن کے چہیتے بھانجے تھے، وہ اپنی خالہ کے ایک شاگرد اسود سے کہتے ہیں کہ ''ام المومنین تم سے جو راز کی باتیں کہتی تھیں، مجھے بھی بتاؤ۔'' [1] اُن کے شاگرد بھی ویسی ہی ان کی عزت کرتے تھے۔ عمرہ انصاریہ تھیں، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہ خالہ کہتی تھیں، [2] مسروق بن اجدع تابعی کو انہوں نے تبنّٰی کر لیا تھا، [3] وہ ان کا نام اس طرح لیتے تھے: اَلصِّدِّيقَةُ بِنْتُ الصِّدِّيقِ حَبِيبَةُ حَبِيبِ اللهِ الْمُبَرَّاةُ مِنَ السَّمَاءِ.

مستفیدین اور تلامذہ کی تعداد کم نہ تھی۔ مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سب سے زیادہ حدیثیں ہیں، ان حدیثوں کو جن لوگوں نے ان سے روایت کیا ہے۔ جہاں تک گن سکا ہوں ان کی تعداد تقریباً ۲۰۰ تک پہنچتی ہے۔ ان میں مرد و عورت، صحابی و تابعی، غلام و آزاد، عزیز و بیگانہ، ہر صنف کے اشخاص داخل ہیں۔ ابو داؤد طیالسی المتوفی ۲۰۴ھ جو امام بخاری سے مقدم تھے۔ انہوں نے اپنی مسند میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک ایک شاگرد کی روایتیں الگ الگ اس کے نام سے لکھی ہیں لیکن یہ مسند مختصر ہے، اس لئے حدیثیں بھی کم ہیں۔ ابن سعد نے طبقۂ اہل مدینہ میں ان کے شاگردوں کو گنایا ہے اور ان کے حالات لکھے ہیں۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب التہذیب میں عزیزوں، غلاموں، صحابیوں اور تابعیوں کی الگ الگ فہرست دی ہے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں حسب ذیل اشخاص ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت عمرو بن العاص، حضرت زید بن خالد جہنی، ربیعہ بن عمرو الجرشی، سائب بن یزید، حارث بن عبداللہ وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ غلاموں میں ابو یونس، ذکوان، ابو عمرو اور ابن فرخ کا نام تو تہذیب ہی میں ہے۔ ان کے علاوہ ابو مدلہ مولیٰ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ترمذی میں ہے۔ [4] اور ابو لبابہ مروان کا ابن سعد میں ہے، [5] ابو یحییٰ [6] اور ابو یوسف کا نام مسند میں ہے۔ [7] ان غلاموں میں ذکوان اور ابو یونس زیادہ مشہور ہیں۔

---

[1] مسند ابو داؤد طیالسی: ص ۱۹۷۔ [2] تذکرۂ ذہبی: ترجمہ مسروق۔
[3] تذکرۂ ذہبی و تہذیب ابن حجر: ترجمہ مسروق۔ [4] ترمذی: باب ای کلام احب الی اللہ، ص ۵۹۷۔
[5] طبقات ابن سعد: جزء اہل مدینہ ذکر موالی۔ [6] مسند احمد: جلد ۶، ص ۲۵۸۔ [7] ایضاً، ص ۶۷۔

مسند میں عبداللہ بن یزید رضیع عائشہ رضی اللہ عنہا [1] کا ذکر ہے۔ رجال کی کتابوں میں بھی اسی قدر مذکور ہے، ان بزرگ کا زیادہ حال معلوم نہیں۔

عزیزوں میں ام کلثوم بنت ابی بکر ان کی بہن، عوف بن حارث رضاعی بھائی، قاسم بن محمد اور عبداللہ بن محمد دونوں بھتیجے، حفصہ بنت عبدالرحمٰن اور اسماء بنت عبدالرحمٰن دونوں بھتیجیاں اور عبداللہ بن عتیق بن محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر ان کے بھائی کے پرپوتے، عبداللہ بن زبیر، قاسم بن زبیر دونوں بھانجے، عائشہ بنت طلحہ ان کی بھانجی، اور عباد بن حبیب اور عباد حمزہ بھانجے کے پوتے، ان کے علاوہ اور بہت سے اعزہ واقارب کے لڑکے ان کی آغوشِ تربیت کے پروردہ تھے، ابن سعد میں ان کی تفصیل ہے۔

تابعین میں سے اس عہد کے تمام علمائے حدیث ان کے خوشہ چیں ہیں ڈیڑھ دوسو نام ہم نے مسانید سے چھانٹے ہیں۔ سب کی تفصیل کے لئے کئی صفحوں کی ضرورت ہوگی، اس لئے قلم انداز کرتے ہیں۔ ان میں صرف عورتوں کے نام لکھتے ہیں کہ ان پردہ نشینوں کو اس پردۂ حرم کے علاوہ کہیں اور بیٹھنے کا موقع نہ ملے گا۔

ا

اسماء بنت عبدالرحمٰن

ب

بریرہ مولاۃ عائشہ رضی اللہ عنہا، بنانہ بنت یزید بنانہ مولاۃ عبدالرحمٰن، بہینہ۔

ت

تبالہ بنت یزید البشمیہ

ج

جسرۃ

ح

حفصہ بنت عبدالرحمٰن

خ

خیرہ حسن بصری کی ماں

ذ

ذفرہ

ر

رمیثہ

ز

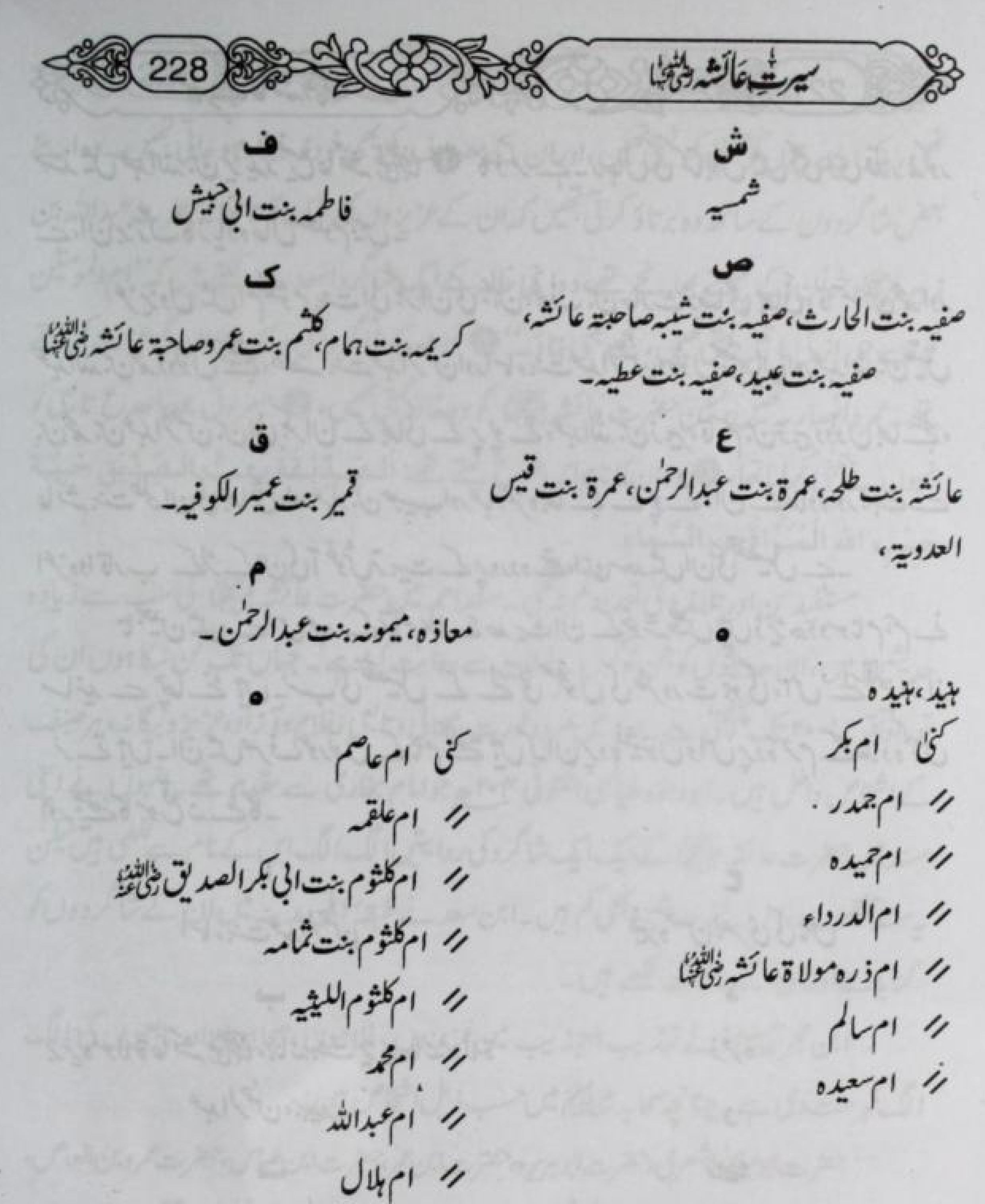
زینب بنت ابی سلمہ، زینب بنت محمد، زینب بنت نصر

س

سائبہ، سلمٰی البکریہ، سمیۃ البصریہ

---

[1] ایضاً ص۳۲، ان کے نام کے ساتھ ہمیشہ رضیع عائشہ رضی اللہ عنہا لکھا جاتا ہے۔ رضیع عائشہ رضی اللہ عنہا کے معنی ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پلایا ہوا بچہ، اس مقصود یہی ہوگا کہ ان کے حکم سے ان کی بہن یا بھانجی نے دودھ پلایا ہوگا، مگر اس کی تصریح مجھے نہیں ملی۔



ش

شمسیہ

ص

صفیہ بنت الحارث، صفیہ بنت شیبہ صاحبۃ عائشہ، صفیہ بنت عبید، صفیہ بنت عطیہ۔

ع

عائشہ بنت طلحہ، عمرۃ بنت عبدالرحمٰن، عمرۃ بنت قیس العدویہ،

ہ

ہنید، ہنیدہ

کنی ام بکر
// ام جمدر
// ام حمیدہ
// ام الدرداء
// ام ذرہ مولاۃ عائشہ رضی اللہ عنہا
// ام سالم
// ام سعیدہ

ف

فاطمہ بنت ابی حبیش

ک

کریمہ بنت ہمام، کلثم بنت عمرو صاحبۃ عائشہ رضی اللہ عنہا

ق

قمیر بنت عمیر الکوفیہ۔

م

معاذہ، میمونہ بنت عبدالرحمٰن۔

ہ

کنی ام عاصم
// ام علقمہ
// ام کلثوم بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ
// ام کلثوم بنت ثمامہ
// ام کلثوم اللیثیہ
// ام محمد
// ام عبداللہ
// ام ہلال

ان تمام مستفیدین اور مسترشدین میں وہ ارباب کمال جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے آغوشِ تربیت میں پل کر جوان ہوئے اور حلقہ محدثین میں وہ اسی حیثیت سے ممتاز ہیں کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خزانہ علم کے کلید بردار سمجھے جاتے ہیں۔ حسب ذیل ہیں:

عروہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے، حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے فرزند، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے۔ خالہ کے بڑے پیارے تھے، انہی کی گود میں پرورش پائی، مدینہ میں فضل وکمال کے تاجدار تھے۔ امام زہری وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔ فن سیرت میں امام سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مرویات اور فقہ وفتاویٰ کا عالم ان سے بڑا اور کوئی نہ تھا۔ ۹۴ھ میں وفات پائی۔

قاسم بن محمد، محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پوتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے۔ یہ بھی اپنی پھوپھی ہی کے آغوشِ تربیت میں پلے تھے، بچپن سے مذہبی تعلیم پائی تھی۔ بڑے، ہو کر مدینہ کے امام الفقہ ہوئے، مدینہ میں فقہائے سبعہ کی جو مجلس تھی، اس کے ایک رکن یہ بھی تھے۔ روایت حدیث میں سخت محتاط تھے، ایک ایک حرف کی احتیاط کرتے تھے ۱۰۸ھ میں انتقال ہوا۔

ابو سلمہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے، کم سنی ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی پرورش کی، یہ عروہ کے ہمسر سمجھے جاتے تھے۔ مدینہ کی بارگاہ علمی کے ایک مسند نشین یہ بھی ہیں۔ بڑے بڑے محدثین نے ان سے روایتیں کی ہیں۔ ۹۴ھ میں وفات پائی۔

مسروق کوفی تھے، لیکن باہمی خانہ جنگیوں میں شریک نہ ہوئے۔ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو متبنیٰ کیا تھا۔ ابن سعد میں ہے کہ ایک دفعہ وہ ملنے آئے تو ام المومنین نے ان کے لئے شربت بنوایا۔ فرمایا کہ میرے بیٹے کیلئے شربت بناؤ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو انہوں نے کہا کہ اگر بعض باتوں کا خیال نہ ہوتا تو میں ام المومنین کے لئے ماتم کی مجلس برپا کرتا۔ ابن حنبل نے مسند میں اور بخاری نے جامع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کی اکثر روایتیں لکھی ہیں۔ فقہائے عراق میں شمار ہوتے تھے، بڑے زاہد اور عبادت گزار تھے۔ کوفہ میں قضا کی خدمت انجام دیتے تھے لیکن معاوضہ نہیں لیتے تھے ۶۳ھ میں وفات پائی۔

عورتوں میں سب سے پہلے عمرہ بنت عبدالرحمٰن کا نام لینا چاہئے۔ یہ مشہور صحابی اسعد بن زارہ انصاری کی پوتی تھیں۔ عورتوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعلیم و تربیت کی سب سے بہتر مثال ہیں۔ محدثین ان کا نام عظمت سے لیتے تھے۔ ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جس کو صاحبِ تہذیب نے نقل کیا ہے:

عمرة احد الثقات العلماء بعائشة الاثبات فيها.

''عمرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثوں کی ثقہ اور مستند جاننے والوں میں ایک تھیں۔''

اسی کتاب میں ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

كَانَتْ مِنْ اَعْلَمِ النَّاسِ بِحَدِيْثِ عَائِشَةَ.

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثوں کو سب سے بہتر جانتی تھیں۔''

سفیانؒ کہتے ہیں:

اَثْبَتُ حَدِيْثِ عَائِشَةَ حَدِيْثُ عُمْرَةَ وَالْقَاسِمِ وَ عُرْوَةَ.

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مستندترین حدیث وہ ہے جو عمرہ، قاسم اور عروہ کی حدیث ہے۔''

ام المومنین ان سے بڑی محبت کرتی تھیں، اسی کا اثر تھا کہ لوگ بھی ان کی خاطرداری کرتے تھے۔ (1) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق وہ ام المومنین کی میر منشی تھیں، لوگ انہی کے توسط سے تحفے اور خطوط حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجتے تھے۔ (2) ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم قاضی مدینہ جن کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کی جمع وتحریر کا حکم دیا تھا وہ انہی کے بھتیجے تھے اور اسی بنا پر اس خدمت کے لئے ان کا انتخاب ہوا تھا، چنانچہ اس فرمان کا ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ ''عمرہ کی تمام حدیثیں لکھ کر بارگاہِ خلافت میں بھیجی جائیں۔'' (3) پھوپھی اپنے قاضی بھتیجے کی اجتہادی غلطیوں کی اصلاح کرتی تھیں۔ (4) امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے جب تحصیل حدیث شروع کی تو ایک محدث نے کہا اگر تم کو علم کی حرص ہے تو میں تم کو اس کا خزانہ بتاؤں، عمرہ کے پاس جاؤ، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آغوش پروردہ ہیں۔ زہری کہتے ہیں کہ جب میں ان کے پاس پہنچا تو ان کو اتھاہ سمندر پایا۔ (5)

صفیہ بنت شیبہ مشہور تابعہ تھیں، شیبہ جو خانہ کعبہ کے کلید بردار تھے، ان کی صاحبزادی تھیں۔ تمام حدیث کی کتابوں میں ان سے روایتیں ہیں۔ ان کا ذکر احادیث میں ((صفیہ بنت شیبہ، صاحبتہ عائشہ)) رضی اللہ عنہا یعنی شیبہ کی لڑکی صفیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخصوص شاگرد، یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحبت یافتہ، (6) لوگ ان سے مسائل اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثیں پوچھنے آتے تھے۔ ابو داود (باب الطلاق علی الغلط) میں ہے:

خَرَجْتُ مَعَ عَدِيِّ بْنِ عَدِيِّ الْكِنْدِيِّ حَتّٰى قَدِمْنَا مَكَّةَ فَبَعَثَنِيْ اِلٰى صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ وَ كَانَتْ حَفِظَتْ مِنْ عَائِشَةَ.

''عدی کندی کے ساتھ میں حج کو نکلا۔ جب ہم مکہ پہنچے تو مجھ کو صفیہ بنت شیبہ کی خدمت

---

(1) کتاب ادب المفرد بخاری: باب المراسلۃ الی النساء۔ (2) ایضاً۔
(3) تہذیب ابن حجر، ترجمہ عمرۃ۔ (4) موطا امام مالک، مالاقطع فیہ۔
(5) تذکرہ ذہبی، جلد اول، ص ۹۹ (6) مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۷۶ وابن سعد جز نساء۔

میں اس نے بھیجا، صفیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیثیں یاد کر رکھی تھیں۔''

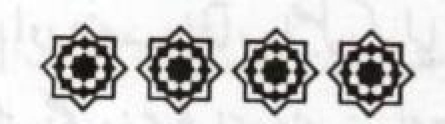
کلثم بنت عمرو القرشیہ، رجال کی کتابوں میں ان کے نام کے ساتھ بھی صاحبتہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا لقب لکھا جاتا ہے، بعض حدیثیں ان سے بھی مروی ہیں۔

عائشہ بنت طلحہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نواسی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھانجی تھیں، خالہ کی گود میں پلی تھیں۔ ابن معین ان کی نسبت کہتے ہیں: ثقة حجة.
عجلی کے الفاظ ہیں: مَدَنِيَّةٌ تَابِعِيَّةٌ ثِقَةٌ. ابوزرعہ دمشقی کا قول ہے:

حَدَّثَ عَنْهَا النَّاسُ لِفَضْلِهَا وَ اَدَبِهَا.

''لوگوں نے ان کی بزرگی اور ان کا ادب دیکھ کر ان سے حدیث روایت کی۔''

معاذہ بنت عبداللہ العدویہ، بصرہ وطن تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تلمذ تھا، احادیث میں ام المومنین کی حدیثیں ان کی زبانی بھی کثرت سے مروی ہیں۔ بڑی عبادت گزار تھیں، شوہر کی وفات کے بعد بستر پر کبھی نہ سوئیں۔ ایک دفعہ بیمار پڑیں، طبیب نے نبید تجویز کی۔ دوا جب تیار ہوئی، نبید کا پیالہ ہاتھ میں لیا اور دعا کی کہ خداوند تو جانتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیذ سے منع فرمایا ہے۔ پیالہ اسی وقت ہاتھ سے گر پڑا اور وہ اچھی ہوگئیں۔ [1]



[1] اس فصل کے تمام حالات کتب رجال خصوصاً ابن سعد اور تہذیب ابن حجر سے ماخوذ ہیں۔

افتاء

عنواناتِ سابقہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضل و کمال کے جو دلائل و شواہد گزرے ہیں ان سے قیاس ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی زندگی کے بقیہ چالیس برس کس مرجعیت عام اور مقتدایانہ حیثیت سے بسر کیے ہوں گے، لیکن ہمارے پاس خوش قسمتی سے ایسی تحریری شہادتوں کا ذخیرہ بھی موجود ہے جس سے یہ قیاس یقین اور قطعیت کے درجہ تک پہنچاتا ہے۔ خلفائے اسلام، علمائے صحابہ رضی اللہ عنہم، عامہ مسلمانان بلا و مشکلات کی حالت میں اسی آستانہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ محدثین نے کثرت و قلت فتاویٰ کی بنا پر علمائے صحابہ کے تین طبقات قرار دیئے ہیں۔ طبقہ اول جس کے فتاوے اگر مستقلاً علیحدہ علیحدہ جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے۔ طبقۂ دوم میں وہ اشخاص ہیں جن کے الگ الگ فتاویٰ ایک ایک رسالہ کے بقدر ہیں۔ تیسرے طبقہ کا مجموعۂ فتاویٰ ایک رسالہ کے برابر ہے۔ طبقۂ اول میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور آخر ازوجہ رسول، جگر گوشہ صدیق رضی اللہ عنہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا! ان کے فتاویٰ اس کثرت سے احادیث میں مذکور ہیں کہ اگر ایک جگہ جمع کیے جائیں تو ایک مستقل دفتر تیار ہو جائے۔ [1]

خلفائے اسلام

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی اپنے پدر بزرگوار کی زندگی ہی میں مرجعیت عام اور منصب افتاء حاصل کر لیا تھا، اور آخر زمانہ تک بقیہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانوں میں بھی وہ ہمیشہ اس منصب پر ممتاز رہیں، حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہ جو صحابہ کے بعد مدینہ کے سات مشہور تابعیوں میں شمار ہوتے تھے، فرماتے ہیں:

كَانَتْ عَائِشَةُ قَدِ اسْتَقَلَّتْ بِالْفَتْوٰى فِيْ خِلَافَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَ هَلُمَّ جَرًّا اِلٰى اَنْ مَاتَتْ رَحِمَهَا اللهُ. [2]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ہی میں مستقل طور سے افتاء کا منصب حاصل کر چکی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے

---

[1] اعلام الموقعین ابن قیم: مقدمہ۔ [2] ابن سعد ۲، قسم ۲ ص ۱۲۶۔

بعد آخری زندگی تک وہ برابر فتوے دیتی رہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہ مجتہد اسلام تھے، اس مشکوٰۃِ نبوت سے بے نیاز نہ تھے۔

كَانَتْ عَائِشَةُ تُفْتِي فِي عَهْدِ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ بَعْدَهُ يُرْسِلَانِ إِلَيْهَا فَيَسْأَلَانِهَا عَنِ السُّنَنِ. [1]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتی تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان سے حدیثیں پوچھوا بھیجتے تھے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مخصوص صحابۂ کبار رضی اللہ عنہم کے علاوہ اور لوگوں کو افتاء کی اجازت نہ تھی، اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم اور واقفیت پر کس درجہ اعتماد تھا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق میں حکومت کرتے تھے لیکن ضرورت پڑتی تو قاصد شام سے چل کر باب عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے کھڑے ہوکر سلطانِ وقت کے لئے مسائل دریافت کرتا، [2] مواعظ و نصائح کا ذخیرہ چاہتا۔ [3]

اکابر صحابہ

مدینہ طیبہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا مرکز تھا، خلافت شیخین تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کاشانۂ اسلام کے اساطین علم وفتویٰ تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان میں سے اکثر نے وفات پائی۔ ان کے بعد نوجوان صحابہ رضی اللہ عنہم کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے جس کے سرعسکر حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، ابوسعید خدری، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن زبیر، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس صغرسنی اور کم عمری کے باوجود جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے۔ اول ہی دور سے اکابر صحابہ کی زندگی ہی میں افتاء کا منصب حاصل کرچکی تھیں، بڑے بڑے صحابۂ کبار معضلاتِ امور میں ان کی

---

[1] ابن سعد: جز۲، قسم۲ص ۱۲۶۔ [2] مسند احمد: جلد۶ ص ۸۷۔

[3] جامع ترمذی: باب ماجاء فی حفظ اللسان۔

طرف رجوع کرتے تھے۔ جامع ترمذی میں ہے:

مَا اَشْكَلَ عَلَيْنَا اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ حَدِيْثٌ قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ اِلَّاوَجَدْنَا عِنْدَهَا عِلْمًا.

''ہم اصحاب محمد ﷺ کو کبھی کوئی مشکل مسئلہ پیش نہیں آیا، لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس کا علم موجود پایا۔''

ابن سعد میں ہے:

يَسْئَلُهَا الْاَكَابِرُ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ.

''اُن سے بڑے بڑے صحابہ آ کر مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔''

مسروق تابعی رحمۃ اللہ علیہ قسم کھا کر کہتے تھے:

لَقَدْ رَاَيْتُ مَشْيَخَةَ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ يَسْأَلُوْنَهَا عَنِ الْفَرَائِضِ.

[ابن سعد وحاکم]

''ہم نے شیوخ صحابہ کو ان سے فرائض کے مسائل پوچھتے دیکھا ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ جو فقہ واجتہاد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے برابر تھے، وہ بھی بعض مسائل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھ کر تسلی کر لیتے تھے۔ [1] حضرت ابو موسیٰ اشعری علمائے صحابہ میں داخل ہیں، وہ بھی اس آستانہ سے بے نیاز نہ تھے۔ [2]

عامہ ممالک اسلامیہ

مدینہ ممالکِ اسلامیہ کا قلب تھا، لوگ زیارت وتبرک کے لئے ہر طرف سے ادھر کا رخ کرتے تھے۔ یہاں آتے تو زوجۂ رسول اللہ ﷺ کے آستانہ پر ضرور حاضر ہوتے۔ دور دراز ممالک کے لوگ آداب ورسوم سے ناواقف ہوتے، وہ پہلے حضوری کے آداب ورسوم سیکھتے، قاعدہ سے سلام کرتے، [3] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان سے عزت وتعظیم سے پیش آتیں، [4] بیچ میں پردہ حائل ہوتا، [5] لوگ مختلف مسائل اور شکوک وشبہات پیش کرتے، جواب سن کر تسلی پاتے، کسی سوال وپرسش میں اگر سائل کو شرم آتی تو ((اِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْيِ مِنَ الْحَقِّ)) کے مطابق اس کی ڈھارس بندھاتیں۔

---

[1] صحیح بخاری: وتر وجنازہ، ونسائی: باب لبس الحریر۔ [2] موطا امام مالک: باب الغسل۔
[3] مسند احمد: جلد ۶، ص ۱۲۶۔ [4] ایضاً ص ۲۱۹۔ [5] ایضاً ص ۲۱۹ وصحیح بخاری باب طواف النساء۔

فرماتیں میں تمہاری ماں ہوں، ماؤں سے کیا پردہ ہے۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سالانہ حج کبھی ناغہ نہیں ہوتا تھا، موسم حج میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ میں [2] جو کوہ ثبیر کے دامن میں نصب ہوتا تھا، سائلوں اور مستفتیوں کا ہجوم ہوتا، [3] کبھی خانہ کعبہ میں زمزم کی چھت کے نیچے بیٹھ جاتیں اور تشنگانِ علم کا سامنے پرا جم جاتا۔ [4] لوگ ہر قسم کے مسائل پوچھتے، اور وہ قرآن وحدیث سے سب کے جواب دیتیں۔

جن مسائل میں صحابہ میں اختلاف پیش آتا، لوگ فیصلہ کے لئے انہی کی عدالت میں رجوع کرتے۔ ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی مجھے ایک مسئلہ میں اصحابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختلاف بہت شاق گزرا، آپ کی رائے کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا جواب دیا۔ حضرت ابوموسیٰ کو اس جواب سے تسلی ہوگئی، اور کہا کہ آپ کے بعد اب کسی سے اس مسئلہ کو نہ پوچھوں گا۔ [5] حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فتویٰ دیتے تھے کہ اگر اتفاقاً کسی نے وتر تہجد کے خیال سے نہیں پڑھی اور صبح ہوگئی تو وتر کا وقت نہیں رہتا، لوگوں کو تسکین نہ ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح ہو جاتی تھی تب بھی وتر ادا فرما لیتے تھے۔ [6]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہ دونوں اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ ان میں افطار کے وقت کی نسبت اختلاف تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ افطار کرتے تھے اور پھر فوراً ہی نماز مغرب کو کھڑے ہو جاتے تھے، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ دونوں میں تاخیر فرماتے تھے۔ لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فتویٰ چاہا، دریافت کیا کہ ان میں تعجیل کون صاحب کرتے ہیں؟ لوگوں نے کہا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہی تھی۔ [7]

اگر کوئی شخص حج کے لئے نہ جائے اور اپنی قربانی کا جانور یہیں سے کعبہ مکرمہ کو روانہ کر دے، اس صورت میں اس شخص کی کیا حالت سمجھی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فتویٰ دیتے تھے

---

[1] مسند احمد جلد ۶ ص ۷۵، ۲۶۵۔

[2] صحیح بخاری: باب طواف النساء۔

[3] مسند جلد ۶ ص ۲۲۵، و ۲۶۱ و ۲۵۹، و ۲۱۹ و ۹۵ و ۴۰۔

[4] صحیح بخاری: باب طواف النساء و مسند جلد ۶ ص ۹۵۔ [5] موطا امام مالک: باب الغسل۔

[6] مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۴۲۔ [7] ایضاً ص ۴۸ و سنن نسائی: باب السجود۔

کہ وہ بحالت حج سمجھا جائے گا اور حاجی پر جو پابندیاں عائد ہوتی ہیں، وہ اس پر بھی عائد ہوں گی، زیاد ابن ابیہ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حجاز کا والی تھا۔ اس نے استفتاء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ صحیح نہیں، میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کی بدھیاں اپنے ہاتھ سے بٹی ہیں اور میرا باپ اس قربانی کو لے کر کعبہ گیا، لیکن جو چیزیں اللہ نے حلال کی ہیں ان میں سے کسی چیز سے بھی آپ نے اس اثنا میں احتراز نہیں فرمایا۔ 1

بیہقی میں ہے کہ امام زہری نے کہا کہ اس مسئلہ میں سب سے پہلے جس نے کشفِ حقیقت کیا ہے وہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ لوگوں کو جب ان کا یہ فتویٰ معلوم ہوا تو سب نے اس کی تقلید کی اور اس دن سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس فتوے پر عمل متروک ہوگیا۔ 2

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فتویٰ دیتے تھے کہ رمضان میں صبح ہو جائے اور انسان کو غسل کی ضرورت ہو تو اس کا روزہ اس دن کا درست نہ ہوگا۔ ایک صاحب نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور اس کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے جا کر فتویٰ پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس کے خلاف تھا۔ مروان ان دنوں امیر مدینہ تھا۔ اس نے مستفتی کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ اس نے جا کر ٹوکا اور ام المومنین کا فتویٰ بیان کیا۔ انہوں نے سُنا تو اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا۔ 3

حالتِ احرام میں موزہ پہننا درست نہیں۔ اگر کسی کے پاس جوتا نہ ہو تو موزہ کا بالائی حصہ کاٹ دینا چاہیے کہ جوتا ہو جائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فتوی دیتے تھے کہ عورتیں موزے کاٹ لیں، لیکن ایک تابعیہ نے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فتویٰ اس کے خلاف نقل کیا تو انہوں نے اپنا قول واپس لے لیا۔ 4

ایک مجلس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ دونوں بزرگ تشریف فرما تھے۔ مسئلہ یہ پیش ہوا کہ اگر کوئی حاملہ عورت بیوہ ہوگئی اور چند روز کے بعد اس کو وضع حمل ہوا تو اس کی عدت کا زمانہ کس قدر ہوگا۔ قرآن مجید میں دونوں کے الگ الگ احکام مذکور ہیں۔ بیوگی کے لئے چار مہینے دس دن اور حاملہ کے لئے تا زمانہ وضع حمل۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ان دونوں میں سے جو سب سے زیادہ مدت ہوگی، وہ زمانہ عدت ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ وضع حمل تک عدت کا زمانہ ہے۔ دونوں میں فیصلہ نہ ہوا تو لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا) کے پاس آدمی بھیجا، انہوں

---

1 صحیح بخاری ومسلم: کتاب الحج۔ 2 عین الاصابہ سیوطی بحوالہ سنن بیہقی۔
3 صحیح مسلم: کتاب الصیام 4 عین الاصابہ سیوطی بحوالہ شافعی وبیہقی وابوداؤد وابن خزیمہ۔

نے وضع حمل تک بتایا، اور دلیل میں سبیعہ کا واقعہ پیش کیا۔ جن کی بیوگی کے تیسرے ہی دن ولادت ہوئی اور اسی وقت ان کو دوسرے نکاح کی اجازت مل گئی۔ [1] یہ فیصلہ اس قدر مدلل تھا کہ اسی پر جمہور کا عمل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں اس مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ جنازہ کے پیچھے چلنے میں ثواب ہے یا نہیں۔ دوسرے صاحب ثواب کے مدعی تھے اور پہلے صاحب منکر تھے۔ فیصلہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چاہا گیا، آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی۔ [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فتاویٰ میں گو ہر قسم کے جوابات ہیں لیکن زیادہ تر زنانہ مسائل، زن وشو کے تعلقات، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات، آپ کے شبانہ عبادات اور ذاتی اخلاق کے متعلق ہیں اور بقول ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ وحافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اگر ان کے فتاویٰ کو یکجا کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔

عراق [3]، شام [4] اور مصر [5] سے زن ومرد فتویٰ لے لے کر آتے اور جواب سے تشفی پاتے۔ تلامذہ جو خدمت میں رہتے تھے، لوگ اپنی غرض مندی سے ان سے تقرب حاصل کرتے تھے۔ عائشہ بنت طلحہ جو اکثر خدمت گزاری کی عزت حاصل کرتی تھیں، کہتی ہیں:

كَانَ النَّاسُ يَأْتُوْنَهَا مِنْ كُلِّ مِصْرٍ فَكَانَ الشُّيُوْخُ يَنْتَابُوْنِيْ لِمَكَانِيْ مِنْهَا وَ كَانَ الشَّبَابُ يَتَأَخَّوْنِيْ فَيُهْدُوْنَ اِلَيَّ وَ يَكْتُبُوْنَ اِلَيَّ مِنَ الْاَمْصَارِ فَاَقُوْلُ لِعَائِشَةَ يَاخَالَةُ هٰذَا كِتَابُ فُلَانٍ وَّ هَدِيَّتُهُ فَتَقُوْلُ لِيْ عَائِشَةُ اَيْ بُنَيَّةِ فَاَجِيْبِيْهِ وَ اَثِيْبِيْهِ. [6]

"لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہر شہر سے آتے تھے، مُسن آدمی میرے ان کے تعلقات کی بنا پر مجھ سے ملنے آتے تھے۔ جوان آدمی مجھ سے برادرانہ وخواہرانہ رشتے قائم کر لیتے تھے۔ مجھ کو لوگ تحفے بھیجا کرتے تھے اور شہر شہر سے خط لکھتے تھے۔ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کرتی: خالہ جان! یہ فلاں شخص کا خط اور تحفہ آیا ہے، فرماتیں اس کا جواب لکھ دو اور معاوضہ میں تم بھی کچھ بھیجو!"

لیکن بایں ہمہ علم وفضل اگر ان کے سامنے کوئی ایسا استفتا پیش ہوتا، جس کے متعلق ان کو کوئی مستند واقفیت نہ ہوتی یا ان سے بہتر اس کا کوئی جواب دینے والا موجود ہوتا تو مستفتی کو اس کے

---

[1] طیالسی ومسند عائشہ وام سلمہ رضی اللہ عنہا۔ [2] صحیح بخاری: کتاب الجنائز۔ [3] مسند احمد: جلد ۶، ص ۹۳ و ۹۵۔
[4] ایضاً ص ۱۷۳۔ [5] مسند احمد: جلد ۶، ص ۲۵۸۔ [6] ادب المفرد امام بخاری: باب الکتابۃ الی النساء۔

پاس جانے کا حکم دیتیں۔ ایک دفعہ ایک شخص نے سفر میں موزوں پر مسح کرنے کے متعلق استفسار کیا، فرمایا: علی رضی اللہ عنہ سے جا کر پوچھو وہ اکثر سفروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں۔ 1 ایک دفعہ عصر کے بعد نماز پڑھنے کی بابت کسی نے سوال کیا، بولیں: ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے جا کر پوچھو 2 ایک بار کا واقعہ ہے کہ ایک سائل نے حریر پہننے کی نسبت پوچھا، جواب دیا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ۔

اِرشاد

کسی مذہب میں تجدید کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے۔ جب امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ داعی مذہب کی آواز ایک مدت کے بعد پست پڑ جاتی ہے، لیکن قرب عہد میں اس بات کی حاجت ہوتی ہے کہ اس آواز کو بار بار کی صدائے بازگشت سے خاموش نہ ہونے دیا جائے اور اسی کا نام ارشاد ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فریضہ ارشاد کو جس حد تک ادا کیا وہ دیگر صحابہ کی کوششوں سے کسی طرح کم نہیں ہے، وہ اپنے حجرہ میں، مجمع میں، موسم حج میں غرض کہیں بھی اس فرض سے غافل نہیں رہتی تھیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سازشوں کا جو جال پھیل رہا تھا، اس سے مذہب کا تار و پود اُدھڑ رہا تھا، اس کو دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دل دکھتا تھا۔ جنگ جمل کی شرکت بھی اسی دردِ دل کا نتیجہ تھا۔

مصر و عجم کی ریشہ دوانیوں سے لوگوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس قدر ناراضی پھیلنی شروع ہوئی کہ بعض لوگ ان پر لعنت بھیجنے لگے۔ مخارق بن شامہ بصرہ کے ایک رئیس تھے، انہوں نے اپنی بہن کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا کہ اس ابتلائے عام کی نسبت وہ اپنی رائے ظاہر کریں۔ فرمایا کہ میرے بیٹوں سے میری طرف سے سلام کے بعد کہہ دو کہ میں نے اسی حجرے کے اندر یہ منظر دیکھا ہے کہ جبریل وحی لاتے ہوتے، آپ تشریف فرما ہوتے، عثمان رضی اللہ عنہ پاس ہوتے۔ آپ انکے کاندھے پر ہاتھ مار کر کہتے: "ہاں! عثمان یہ لکھو۔" خدائے پاک یہ رتبہ فروتر لوگوں کو نہیں عطا کر سکتا۔ اس بنا پر جو عثمان رضی اللہ عنہ کو گالیاں دے اس پر خدا کی لعنت ہو۔ 3

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں اسی روایت کو اور الفاظ میں بیان کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے

---

1 مسند احمد: جلد ۶، ص ۱۵۵۔ 2 سنن نسائی: باب التشدید فی لبس الحریر۔
3 ادب المفرد امام بخاری: باب نقص شئ من الاسم۔

جواب دیا: جوان پر لعنت بھیجے اس پر خدا کی لعنت، میں نے دیکھا ہے کہ وحی آتی ہوتی اور آپ عثمان رضی اللہ عنہ کے بدن سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوتے، اپنی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے ان کے عقد میں دیں، کتابت وحی کی خدمت ان کے سپرد کی، خدا یہ رتبہ اور تقرب اس کو نہیں عطا کر سکتا تھا جو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک معزز نہ ہو۔ ❶

ابو سلمہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی صاحبزادے تھے۔ ایک زمین کی نسبت چند لوگوں کو ان سے نزاع تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو انہوں نے ابو سلمہ کو بلا کر سمجھایا کہ اے ابو سلمہ! اس زمین سے باز آؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بالشت بھر زمین کے لئے بھی اگر کوئی ظلم کرے گا تو ساتوں طبقے اس کے گلے میں ڈالے جائیں گے۔ ❷

مدینہ میں جب بچے پیدا ہوتے تو پہلے تبرکاً وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں لائے جاتے، وہ ان کو دعائیں دیتیں۔ ایک بچہ آیا تو اس کے سر تلے لوہے کا ایک استرا نظر آیا۔ پوچھا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: اس سے بھوت بھاگتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے استرا اٹھا کر پھینک دیا اور بولیں کہ: ''حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شگون سے منع کیا ہے، ایسا نہ کیا کرو۔'' ❸

مسلمانوں اور ایرانیوں میں اختلاطِ عہدِ فاروقی میں ہوا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زور وقوت کا یہ نتیجہ تھا کہ مسلمانوں میں عجمیت کے جراثیم سرایت نہ کر سکے۔ عہدِ عثمانی میں اس اختلاط نے عرب کی آب و ہوا کو مسموم کرنا شروع کر دیا۔ کبوتر بازی، شطرنج بازی، نرد بازی، یہ تمام لہو ولعب اور تضیع اوقات کے طریقے، اس زمانہ میں پھیلنے لگے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم چونکہ زندہ تھے، انہوں نے سخت دار و گیر شروع کر دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک گھر میں کرایہ دار رہتے تھے۔ ان کی نسبت معلوم ہوا کہ نرد کھیلتے ہیں۔ سخت برافروختہ ہوئیں اور کہلا بھیجا کہ اگر نرد کی گوٹیوں کو میرے گھر سے باہر نہ پھینک دو گے تو میں اپنے گھر سے نکلوا دوں گی۔ ❹

ابن ابی السائب تابعی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ کے واعظ تھے۔ واعظین گرمی مجلس کے لئے نہایت مسجع دعائیں بنا بنا کر پڑھا کرتے اور اپنے تقدس کے اظہار کے لئے موقع بے موقع ہر وقت وعظ کے لئے آمادہ رہتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے خطاب کر کے کہا: تم مجھ سے تین باتوں کا عہد کرو، ورنہ

---

❶ مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۶ و ۲۵۰۔ ❷ صحیح بخاری: باب اثم من ظلم شیاء من الارض۔ ❸ ادب المفرد: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، باب الطیرۃ من الجن۔ ❹ ادب المفرد: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، باب الادب واخراج اهل الباطل۔

میں بزورتم سے باز پرس کروں گی۔ عرض کی: یا ام المومنین! وہ کیا باتیں ہیں؟ فرمایا: ''دعاؤں میں عبارتیں مسجع نہ کرو، کہ آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ایسا نہیں کرتے تھے۔ ہفتہ میں صرف ایک دن وعظ کہا کرو، اگر یہ منظور نہ ہو تو دو دن اور اس سے بھی زیادہ چاہو تو تین دن۔ لوگوں کو اللہ کی کتاب سے اکتانہ دو، ایسا نہ کیا کرو کہ لوگ جہاں بیٹھے ہوں، آ کر بیٹھ جاؤ اور قطع کلام کر کے اپنے وعظ شروع کر دو، بلکہ جب ان کی خواہش ہو اور وہ درخواست کریں، تب کہو۔'' [1]

اسلام میں حکم ہے کہ مطلقہ عورتیں عدت کے دن اپنے شوہر ہی کے گھر میں گزاریں۔ اس حکم کے مخالف صرف ایک فاطمہ بنت قیس کی شہادت ہے کہ ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر دوسرے گھر میں جا کر رہیں۔ فاطمہ اس واقعہ کو بیان کر کے اجازتِ انتقالِ مکان پر استدلال کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عہد میں اسی واقعہ کی سند سے ایک معزز باپ نے اپنی مطلقہ بیٹی کو شوہر کے یہاں سے بلوالیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عام حکم اسلامی کی مخالفت پر سخت اعتراض کیا۔ مروان اس زمانہ میں مدینہ کا گورنر تھا، اس کو کہلا بھیجا کہ تم سرکاری حیثیت سے اس معاملہ میں دخل دو اور نفس مسئلہ کی نسبت فرمایا کہ اس واقعہ سے عام استدلال جائز نہیں۔ واقعہ یہ تھا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کا گھر شہر کے کنارے پر تھا اور رات کو جانوروں کا خوف رہتا تھا۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے اس کو اجازت دی تھی۔ [2]

عجم کے فتح ہونے کے بعد عرب شراب کی جدید اقسام اور اس کے نئے ناموں سے آشنا ہو گئے تھے۔ جن میں سے ایک ''باذق'' تھا، یعنی بادہ، عربی میں لغۃً ''خمر'' کا اطلاق شراب کی خاص قسموں پر ہوتا ہے۔ اس بنا پر لوگوں کو شبہ تھا کہ ان نئی شرابوں کا کیا حکم ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی مجلس میں بالاعلان کہہ دیا کہ شراب کے برتنوں میں چھوہارے تک نہ بھگوئے جائیں، پھر مخصوص عورتوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا: اگر تمہارے خُم کے پانی سے نشہ پیدا ہو تو وہ بھی حرام ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ہر منشی چیز کو منع فرمایا ہے۔ [3]

قدرۃً مردوں سے زیادہ آپ کی خدمت میں عورتیں حاضر ہوتیں۔ عام نسوانی مسائل کے ساتھ ان کے مردوں کے متعلق ہدایات دیتی تھیں کہ اپنے شوہروں کو آگاہ کر دیں۔ بصرہ سے کچھ عورتیں حاضر خدمت ہوئیں۔ ان کو ہدایت کی مجھے مردوں کو ٹوکتے ہوئے شرم آتی ہے۔

---

[1] مسند احمد: جلد ۶، ص ۲۱۷۔ [2] صحیح بخاری: باب قصہ فاطمہ بنت قیس۔ [3] سنن نسائی: کتاب الخمر۔

اپنے اپنے شوہروں کو مطلع کر دو کہ پانی سے طہارت کریں کیا کہ یہ مسنون ہے۔ 1

ایک دفعہ کوفہ کی چند بیبیاں حاضر خدمت ہوئیں، دریافت فرمایا: کہاں سے آئی ہو؟ عرض کیا کوفہ سے۔ اس نام سے ان کو کچھ تکدر ہوا، اس کے بعد ان میں سے ایک نے مسئلہ کی ایک صورت پیش کی۔ یہ صورت حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ مشہور صحابی کے ساتھ پیش آئی تھی۔ فرمایا: تم دونوں پر ارقامہ کیا، زید سے کہہ دینا کہ انہوں نے اپنے جہاد کا ثواب جو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں کیا تھا باطل کر دیا، لیکن یہ کہ وہ توبہ کر لیں۔ 2 ایک دفعہ شام کی عورتیں زیارت کو آئیں۔ وہاں حمام میں جا کر عورتیں برہنہ غسل کرتی تھیں۔ فرمایا کہ تم ہی وہ عورتیں ہو جو حماموں میں جاتی ہو، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو عورت اپنے گھر سے باہر اپنے کپڑے اتارتی ہے وہ اپنے میں اور اللہ میں پردہ دری کرتی ہے۔ 3

موسم حج میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی قیام گاہ لاکھوں مسلمان قلوب کا مرکز بن جاتی تھی۔ عورتیں چاروں طرف سے گھیر لیتیں، وہ امام کی صورت میں آگے آگے اور تمام عورتیں ان کے پیچھے پیچھے چلتیں، 4 اسی درمیان میں ارشاد و ہدایت کے فرائض بھی انجام پاتے جاتے۔ ایک دفعہ ایک عورت کو دیکھا، جس کی چادر میں صلیب کے نقش و نگار بنے تھے، دیکھنے کے ساتھ ڈانٹا کہ یہ چادر اتار دو آنحضرت ﷺ ایسے کپڑوں کو دیکھتے تو پھاڑ ڈالتے۔ 5

عورتوں کو ایسا زیور پہننا جس سے آواز پیدا ہو ممنوع ہے، نیز گھنٹے وغیرہ کی آواز منع ہے ایک دفعہ ایک لڑکی گھنگرو پہن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی۔ فرمایا یہ پہنا کر میرے پاس نہ لایا کرو، اس کے گھنگرو کاٹ ڈالو۔ ایک عورت نے اس کا سبب دریافت کیا، بولیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس گھر میں اور جس قافلہ میں گھنٹہ بجتا ہو، وہاں فرشتے نہیں آتے۔ 6

حفصہ بنت عبدالرحمٰن آپ کی بھتیجی تھیں، وہ ایک دن نہایت باریک دوپٹہ اوڑھ کر پھوپھی کے پاس آئیں، دیکھنے کے ساتھ ان کے دوپٹہ کو غصہ سے چاک کر ڈالا۔ پھر فرمایا: تم نہیں جانتیں کہ سورۂ نور میں اللہ نے کیا احکام نازل کئے ہیں، اس کے بعد دوسرا گاڑھے کپڑے کا دوپٹہ منگوا کر اوڑھایا۔ 7

---

1 مسند احمد: جلد ۶ ص ۹۳، ۹۴۔ 2 سنن بیہقی: کتاب البیوع۔ 3 مسند احمد: جلد ۶، ص ۱۷۳۔
4 مسند احمد: جلد ۶، ص ۲۲۵، موطا کتاب الحج، نیز دیکھو باب افتاء کا بیان۔ 5 ایضاً، ص ۲۲۵ و ۲۴۰۔
6 ایضاً ص ۲۴۲۔ 7 موطا امام مالک: کتاب اللباس۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مکاتب غلام آزاد کیا۔ رخصت کرتے وقت نصیحت کی کہ جاؤ اور جہاد الٰہی میں شریک ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان آدمی کے اندر خدا کی راہ میں گرد وغبار نہیں پہنچتا، لیکن خدا جہنم کی آگ اس پر حرام کر دیتا ہے۔ [1]

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر ان کے پاس آئے اور معمولی طرح سے جھٹ پٹ وضو کر کے چلے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً ٹوکا، عبدالرحمٰن وضو اچھی طرح کیا کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے کہتے ہوئے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو نہ بھیگیں گے، اس پر جہنم کی پھٹکار ہو۔ [2]

ایک دفعہ ایک گھر میں مہمان اتریں۔ دیکھا کہ صاحب خانہ کی دو لڑکیاں جواب جوان ہو چلی تھیں، بے چادر اوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں، تاکید کی کہ آئندہ کوئی لڑکی بے چادر اوڑھے نماز نہ پڑھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ہے۔ [3]

یہودیوں کا دستور تھا کہ کسی عورت کے بال چھوٹے ہوتے تو وہ مصنوعی بال جوڑ کر بڑے کر لیتی، ان کو دیکھ کر عرب عورتوں میں اس کا رواج ہو گیا تھا۔

ایک دفعہ ایک عورت نے آ کر عرض کی کہ میری ایک بیٹی دلہن بنی ہے۔ بیماری سے اس کے بال جھڑ گئے ہیں، کیا بال جوڑ دوں؟ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بال جوڑنے والیوں اور جوڑوانے والیوں پر لعنت بھیجی ہے۔ [4]

لوگ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید جس قدر جلدی پڑھ کر ختم کر لیں گے، اسی قدر زیادہ ثواب

---

[1] مسند احمد: جلد ۶ ص ۸۵۔ [2] مسند احمد: جلد ۶ ص ۲۸۵۔

[3] مسند احمد: جلد ۶ ص ۹۶۔

[4] مسند احمد: جلد ۶، ص ۱۱۱، یہ حدیث اور کتابوں میں بھی ہے اور صحیح ہے، مدت تک اس فعل کی ممانعت اور اس پر اس سخت وعید کی علت میری سمجھ میں نہیں آئی، اتفاق سے ایک دفعہ کسی رسالہ میں یورپ کا حال پڑھ رہا تھا کہ خوبصورت بالوں والی عورتیں جب مرتی ہیں تو زینت و آرائش کی کمپنیاں ان کے بال خرید لیتی ہیں اور ان کو دوسری لیڈیاں اپنے بالوں میں مصنوعی طور سے جوڑنے کے لئے خرید لیتی ہیں چونکہ یہ انتہائی دنایت اور خلاف انسانیت فعل ہے۔ اس لئے سزا اور لعنت ہے، عرب کے یہودیوں میں بھی اسی قسم کا دستور ہوگا۔ چونکہ یہ لوگ بے حد لالچی اور روپے کے حریص تھے، اس لئے عجب نہیں کہ ایسا کرتے ہوں ورنہ اپنی زندگی میں کسی عورت سے یہ توقع کیونکر ہو سکتی ہے کہ دوسروں کے حسن و جمال کے لئے اپنی بدصورتی و بد جمالی کو گوارا کرتی ہو اور اپنے بال کٹوا کر فروخت کے لئے دیتی ہو۔

ملے گا۔ ایک شخص نے آ کر پوچھا: اے ام المومنین! بعض لوگ ایک شب میں قرآن دو دو، تین تین بار پڑھ ڈالتے ہیں۔ فرمایا: ''ان کا پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں برابر ہے، آنحضرت ﷺ تمام تمام رات نماز میں کھڑے رہتے تھے، لیکن بقرہ، آل عمران اور نساء سے آگے نہیں بڑھتے تھے (گویا انہی تین سورتوں تک پہنچتے پہنچتے رات آخر ہو جاتی تھی) جب کسی بشارت کی آیت پر پہنچتے تو خدا سے دعا مانگتے اور جب کسی وعید کی آیت پر پہنچتے تو پناہ مانگتے۔ [1]

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بڑے پایہ کے صحابی تھے۔ حج کا قافلہ واپس آ رہا تھا، جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو ان کو معلوم ہوا کہ ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا ہے۔ منہ پر کپڑا رکھ کر رونے لگے۔ محبت کی خوبی سے کس کو انکار ہے مگر اس طرح منہ چھپا کر عین مجمع میں رونا، صبر وحلم کے نمونوں کے لئے مناسب نہ تھا۔ قافلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ انہوں نے حضرت اسید رضی اللہ عنہ سے خطاب کر کے کہا: آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔ آپ کو اسلام کی اولیت کا شرف حاصل ہے۔ آپ ایک عورت کے لئے روتے ہیں۔ [2]

کعبہ پر ہر سال ایک نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے اور پرانا اتار لیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ میں کعبہ کے متولی پرانے غلاف کو ادب کی بنا پر زمین میں اس لئے دفن کر دیتے تھے کہ اس کو کوئی ناپاک ہاتھ نہ لگنے پائے۔ شیبہ بن عثمان نے جو اس زمانہ میں کعبہ کے کلید بردار تھے، بیان کیا کہ ہم سارے غلاف کو اکٹھا کر کے ایک گہرا کنواں کھود کر اس میں دفن کر دیتے ہیں، تا کہ ناپاکی کی حالت میں لوگ اس کو نہ پہن لیں۔ شریعت کے نکتہ شناس نے سمجھ لیا کہ یہ تعظیم غیر شرعی ہے، جس کا خدا اور رسول نے حکم نہیں دیا، اور ممکن ہے کہ آئندہ اس سے کوئی سوء اعتقاد پیدا ہو۔ ام المومنین نے شیبہ سے فرمایا: یہ تو اچھی بات نہیں، تم برا کرتے ہو، جب وہ غلاف کعبہ پر سے اتر گیا، تو اگر کسی نے ناپاکی حالت میں اس کو پہن بھی لیا تو کوئی مضائقہ نہیں، تم کو چاہیے کہ اس کو بیچ ڈالا کرو اور اس کے جو دام آئیں وہ غریبوں اور مسافروں کو دے دیا کرو۔ [3] غالباً اسی کے بعد یہ پرانا غلاف مسلمانوں کے ہاتھ پھاڑ پھاڑ کر فروخت کر دیا جاتا ہے اور مشتاق مسلمان اس کو خرید کر گھروں میں لاتے ہیں اور تبرک حاصل کرتے ہیں۔ اس فیض کے لئے مسلمانوں کو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہی ممنون

---

[1] مسند احمد: جلد ۶، ص ۱۱۔ [2] مسند احمد: جلد ۴، ص ۳۵۲۔

[3] عین الاصابہ سیوطی بحوالہ سنن بیہقی۔

ہونا چاہیے۔ جن کی بدولت ان کے ہاتھ یہ دولت آئی۔

ایک دفعہ ایک صاحب (غالباً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) مسجد نبوی میں آئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے پاس بیٹھ کر جلدی جلدی اور ان کے سنانے کے لئے زور زور سے حدیثیں بیان کرنے لگے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نماز پڑھ رہی تھیں۔ فارغ ہوئیں تو وہ اٹھ کر جا چکے تھے۔ عروہ ملنے گئے تو ان سے کہا: کیسے تعجب کی بات ہے! فلاں صاحب حجرے کے پاس بیٹھ کر میرے سنانے کو جلدی جلدی حدیثیں بیان کرنے لگے۔ میں نماز میں تھی اور وہ اٹھ کر چلے گئے۔ اگر مجھ سے ملاقات ہوتی تو میں کہتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح جلدی جلدی باتیں نہیں کرتے تھے۔ [1] ام المومنین کا مقصد یہ تھا کہ جو لوگ حدیث نبوی کا شغل رکھتے ہیں، ان کے قول وعمل میں مطابقت چاہئے ورنہ حدیث بے اثر رہے گی۔

حج کے موسم میں منیٰ میں ایک خیمہ میں تھیں، لوگ ملاقات کو آرہے تھے۔ چند قریشی نوجوان ہنستے ہوئے آئے۔ ہنسنے کا سبب دریافت کیا، عرض کیا ایک خیمہ کی ڈوری میں پھنس کر ایسے گرے کہ ان کی آنکھ ہی چلی جاتی، یا گردن ٹوٹ جاتی۔ ہم لوگوں کو یہ دیکھ کر بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ فرمایا: ہنسنا نہ چاہئے، کسی مسلمان کو کانٹا چبھ جائے یا اس سے بھی معمولی مصیبت اس پر آئے تو اللہ اس کا درجہ بڑھاتا ہے اور اس کا گناہ معاف فرماتا ہے۔ [2]

☆......☆......☆

---

1. صحیح بخاری: صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
2. صحیح مسلم: باب ثواب المومن فیما یصیب۔

جنس نسوانی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے احسانات

اب ہم کتاب کے آخری باب پر پہنچ گئے ہیں، اور اب ہمارے اس علمی سفر کی یہ آخری منزل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک زندگی کے کارناموں کا خاتمۃ الباب وہ خدمات جلیلہ ہونی چاہئیں جو انہوں نے اپنی ہم جنس بہنوں کے لئے مختلف طریقوں سے انجام دیں۔

جنسِ نسوانی پر ان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے دنیا کو یہ بتا دیا کہ ایک مسلمان عورت پردہ میں رہ کر بھی علمی، مذہبی، اجتماعی اور سیاسی اور پند و موعظت اور اصلاح و ارشاد اور امت کی بھلائی کے کام بجا لا سکتی ہے۔ غرض اسلام نے عورتوں کو جو رتبہ بخشا ہے اور ان کی گزشتہ گری ہوئی حالت کو جتنا اونچا کیا ہے، ام المومنین رضی اللہ عنہا کی زندگی کی تاریخ اس کی عملی تفسیر ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اگر ایسے لوگ گزرے ہیں جو مسیح اسلام کے خطاب کے مستحق [1] اور عہد محمدی کے ہارون بننے کے سزاوار تھے [2] تو الحمد للہ کہ صحابیات میں بھی ایک ایسی ذات تھی جو مریمِ اسلام کی حیثیت رکھتی تھی۔ [3]

صحابیات اپنی عرض داشتیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک ام المومنین کی وساطت سے پہنچاتی تھیں اور ان سے جہاں تک بن پڑتا تھا ان کی حمایت کرتی تھیں۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ایک پارسا صحابی تھے اور راہبانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک دن ان کی بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں۔ دیکھا کہ وہ ہر قسم کی زنانہ زیب و آرائش سے خالی ہیں۔ سبب دریافت کیا۔ کیا کہہ سکتی تھیں، پردہ پردہ میں بولیں کہ میرے شوہر دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر نماز پڑھا کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے باتوں باتوں میں اس کا تذکرہ کیا۔ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور فرمایا کہ: ''عثمان! ہم کو رہبانیت کا حکم نہیں ہوا ہے، کیا میرا طرز زندگی پیروی کے لائق نہیں، میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں، اور اس کے احکام کی سب سے زیادہ نگہداشت کرتا ہوں، [4] یعنی پھر بھی بیویوں کے فریضہ کو ادا کرتا ہوں۔

---

[1] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مسیح اسلام تھے، استیعاب اور اصابہ میں ان کا حال دیکھو۔ [2] حدیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ نے فرمایا انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔

[3] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت ہے کہ عورتوں میں صرف چار کاملہ گزری ہیں، مریم......اور عائشہ کی بزرگی ایسی ہے جیسے کھانوں میں ثرید کی۔ [4] مسند احمد: جلد ۶، ص ۲۲۶۔

حولاء رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں، جو رات بھر سوتی نہ تھیں، برابر نمازیں پڑھا کرتی تھیں۔ اتفاق سے وہ ایک دفعہ سامنے سے گزریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ حولاء ہیں لوگ کہتے ہیں کہ یہ رات بھر نہیں سوتیں۔ آپ ﷺ نے تعجب سے فرمایا کہ رات بھر نہیں سوتیں؟ پھر فرمایا کام اتنا کرو جو نبھ سکے۔ [1]

ایک عورت کو چوری کے جرم میں سزا دی گئی تھی، اس کے بعد وہ تائب ہو کر نیک ہو گئی۔ شاید اور بیبیاں اس حالت میں بھی اس سے ملنا پسند نہ کرتی تھیں، لیکن وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتی تھی اور وہ اس سے ملتی تھیں۔ بلکہ ضرورت پڑتی تو وہ آنحضرت ﷺ تک بھی اس کی درخواست پہنچا دیتی تھیں۔ [2] ایک صحابیہ کو ان کے شوہر نے مارا جس سے بدن میں جا بجا نیل پڑ گئے۔ وہ سیدھی ام المومنین کے پاس آئیں اور اپنا بدن دکھایا۔ آنحضرت ﷺ جب تشریف لائے تو ام المومنین نے عرض کی:

مَا رَأَيْتُ مِثْلَ مَا يُلْقِي الْمُؤْمِنَاتِ لَجِلْدُهَا اَشَدُّ خَضْرَةً مِّنْ ثَوْبِهَا.

''مسلمان بیویاں جو تکلیف اٹھاتی ہیں، میں نے اس کی مثال نہیں دیکھی، اس بیچاری کا بدن اس کے کپڑے سے زیادہ سبز ہو رہا ہے۔''

ان کے شوہر کو معلوم ہوا کہ انکی بیوی بارگاہِ نبوت میں پہنچی ہے، وہ بھی دوڑے آئے اور اظہار سے فریقین کا قصور ثابت ہوا۔ [3]

عورتوں کو جو لوگ ذلیل سمجھتے تھے، ام المومنین ان سے سخت برہم ہوتی تھیں۔ کسی مسئلہ سے اگر ان کی ذلت اور حقارت کا پہلو نکلتا تھا تو وہ اس کو صاف کر دیتی تھیں۔ بعض صحابیوں نے روایت کی ہے کہ عورت، کتا اور گدھا اگر نماز میں نمازی کے سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا: ''اِنَّ الْمَرْأَةَ اِذًا دَابَّةُ سُوْءٍ'' ''تو عورت بھی ایک بدجانور ہے'' ''بِئْسَ مَا عَدَ لْتُمُوْنَا بِالْحِمَارِ وَالْكَلْبِ'' ''تم نے کیسا برا کیا کہ ہم کو گدھے اور کتے کے برابر کر دیا، آنحضرت ﷺ نماز پڑھا کرتے اور میں آگے لیٹی رہتی تھی۔ یہ طیالسی کی روایت ہے۔ [4] دوسری روایتوں میں ہے کہ فرمایا: آپ سجدہ کرنا چاہتے، میرے پاؤں دبا دیتے، میں سمیٹ لیتی۔ [5] بعض

---

[1] مسند احمد: جلد ۶، ص ۲۴۴۔

[2] صحیح بخاری: باب شہادۃ القاذف۔ [3] صحیح بخاری: باب الثیاب الخضر۔

[4] مسند طیالسی، ص ۲۰۵ طبع حیدرآباد۔ [5] ابوداود: باب المراۃ لاتقطع الصلوۃ۔

فقہا کے نزدیک عورت کے چھونے سے وضوٹوٹ جاتا ہے، لیکن ام المومنین کی یہ روایت ان کی اس خطائے اجتہادی کے پردہ کو چاک کر دیتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نحوست تین چیزوں میں ہے، گھوڑا، گھر اور عورت۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہت غصہ آیا۔ بولیں: قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اتارا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہرگز نہیں فرمایا۔ یہ البتہ فرمایا ہے کہ اہل جاہلیت ان سے نحوست کی فال لیتے تھے۔

بعض ایسے فقہی احکام جن میں صحابہ مختلف الرائے تھے، انہوں نے ہمیشہ وہ پہلو اختیار کیا جس میں عورتوں کے لئے سہولت اور آسانی ہوتی تھی کہ ان کی جنسی ضرورتوں کو وہی بہتر جانتی تھیں۔ اس پر کتاب وسنت سے استدلال کرتی تھیں۔ چنانچہ عموماً فقہا کا فیصلہ انہی کے حق میں رہا اور اکثر اسلامی ملکوں میں انہی کے فتووں پر عمل ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ تھا کہ عورتیں شرعی طہارت کے لئے اپنے جوڑے کھول کر نہایا کریں۔ حضرت عائشہ نے سنا تو فرمایا کہ وہ یہی فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ کہ عورتیں اپنے چونڈے منڈوا ڈالیں۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غسل کرتی تھی اور صرف تین دفعہ پانی ڈال لیتی تھی [1] اور ایک بال بھی نہیں کھولتی تھی۔ [2]

حج میں سر منڈوانا یا ترشوانا بھی حاجیوں کے لئے ضروری ہے۔ عورتوں کے لئے کسی قدر بال کٹوا دینا کافی ہے۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ فتویٰ دیتے تھے کہ ناپ کر چار انگل ترشوانا چاہیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کا فتویٰ معلوم ہوا تو فرمایا کہ تم کو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بات پہ تعجب نہیں ہوا کہ وہ محرم عورت کو چار انگل بال کٹوانے کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ کسی طرف کا ذرا سا بال لے لینا کافی ہے۔ [3]

احرام کی حالت میں مردوں کو موزے نہیں پہننا چاہئیں۔ اگر کسی مجبوری سے پہنیں تو ٹخنے سے کاٹ دیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ عورتوں کے لئے بھی یہی فتوے دے دیتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ مردوں کے لئے مخصوص ہے، عورتوں کو موزہ ٹخنے سے کاٹنا ضروری نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی ہے۔ یہ سُن کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے فتویٰ سے رجوع کیا۔ [4]

---

[1] صحیح مسلم: باب الغسل۔
[2] نسائی: باب الغسل۔
[3] عین الاصابہ سیوطی بحوالہ مناسک کبیر امام ابن حنبل۔
[4] ابوداؤد: باب مایلبس المحرم۔

احرام کی حالت میں خوشبو کا استعمال منع ہے کہ اس سے حاجی کی فطری ابراہیمی صورت میں فرق آتا ہے۔ اس سے بعض صحابہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ احرام کے وقت بھی خوشبو ملنا جائز نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم (ازواج) احرام کے وقت پیشانی پر خوشبو مل لیتی تھیں اور پسینہ سے وہ خوشبو ڈھل کر بعضوں کے چہروں پر آ جاتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھتے تھے اور منع نہیں فرماتے تھے۔ [1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ احرام میں چہرہ پر نقاب نہیں ڈالنا چاہئے (عرب میں مرد بھی گرمی اور تپش سے بچنے کے لئے چہرہ پر نقاب ڈالتے تھے) لیکن عورتوں کے لئے اس پر دائمی عمل مشکل تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہم لوگ جب آپ کے ساتھ حجۃ الوداع میں چلے، قافلے ہمارے سامنے سے گزرتے تھے، جب مقابل آ جاتے، ہم سر سے چادر ڈال لیتے، جب وہ نکل جاتے ہم منہ کھول دیتے۔ [2] چنانچہ قرن اول کی عورتوں کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے فتوے پر عمل تھا۔

ایک تابعیہ جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے ساتھ حج کیا تھا۔ بیان کرتی ہیں کہ ہم منہ چھپاتے تھے اور وہ منع نہیں کرتی تھیں۔ [3]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ ایک صحابی کے جواب میں آپ نے فرمایا: احرام کی حالت میں کرتہ، پاجامہ، عمامہ، ٹوپی اور موزہ نہ پہنا جائے اور نہ زعفران اور کوسم (ورس) سے رنگے ہوئے کپڑے پہنے جائیں۔ [4]

اس حدیث کی رو سے عورتوں کو بھی زعفران اور اس کے رنگے ہوئے کپڑوں کے پہننے سے بعضوں نے منع کیا ہے مگر ذرا تامل سے معلوم ہوگا کہ یہ پورا حکم مردوں سے متعلق ہے اور ایک مرد ہی کے سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود احرام کی حالت میں زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے پہنتی تھیں، بلکہ عورتوں کو بحالتِ احرام زیور پہننے اور سیاہ اور گلابی رنگ کے کپڑوں اور موزوں کے پہننے میں بھی ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں۔ [5]

---

[1] ابوداؤد: باب مایلبس المحرم۔ [2] ایضاً۔ [3] موطا امام مالک: باب تخمیر المحرم وجھہ۔
[4] صحیح بخاری: باب مایلبس المحرم من الثیاب۔
[5] صحیح بخاری: باب مایلبس المحرم من الثیاب والاردیۃ۔

سونے اور چاندی کے استعمالی زیور پر زکوٰۃ ہے یا نہیں، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ اور تابعین اور ائمہ کے نزدیک اس میں زکوٰۃ ہے، فقہائے احناف کا اسی پر عمل ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے، زیوروں کا تعلق زیادہ تر عورتوں سے ہے۔ اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے اس بارہ میں زیادہ معتبر ہو سکتی تھی، مگر ان کا طرزِ عمل بھی اس بارہ میں واضح نہیں، ایک طرف تو جیسا کہ موطا میں ہے، وہ اپنی یتیم بھتیجیوں کے زیوروں کی جن کی وہ متولیہ تھیں، زکوٰۃ نہیں دیتی تھیں۔ [1]

دوسری طرف ابوداؤد اور دارقطنی میں ایک حدیث ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں میں چاندی کے چھلے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ان کی زکوٰۃ دیتی ہوں؟ بولیں نہیں، فرمایا کہ آتشِ دوزخ سے بچو، [2] ظاہر ہے کہ اس تہدید کو سن کر نا ممکن ہے کہ وہ زیوروں میں زکوٰۃ نہ دیتی ہوں۔ چنانچہ سنن دارقطنی (باب زکوٰۃ الحلی) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جس زیور کی زکوٰۃ دی جائے اس کا پہننا جائز ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زیوروں میں

[1] ترمذی اور موطا امام مالک، باب زکوٰۃ الحلی۔

[2] اس روایت کا ایک راوی دارقطنی کی روایت میں محمد بن عطا ہے دارقطنی نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس میں محمد بن عطا مجہول راوی ہے، لیکن ابوداؤد میں تصریح ہے کہ یہ محمد بن عمرو بن عطا ہے جو مشہور راوی ہے اس لئے بہ تصریح علما دارقطنی کی یہ جرح صحیح نہیں۔ امام ترمذی کا بیان ہے کہ زیوروں کی زکوٰۃ کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت ثابت نہیں، الفاظ یہ ہیں لَا يَصِحُّ فِي هٰذَا عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم شَيْءٌ لیکن دارقطنی میں فاطمہ بنت قیس کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زیور میں زکوٰۃ ہے۔ ابن لہیعہ سے بذریعہ عمرو بن شعیب ایک روایت ہے کہ دو بیویاں جن کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے، آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ کیا تم ان کو زکوٰۃ دیتی ہو؟ انہوں نے عرض کی کہ نہیں، یا رسول اللہ، ارشاد ہوا، کہ کیا تم آگ کے کنگن پہننا پسند کرو گی، عرض کی نہیں یا رسول اللہ! فرمایا تو اس کی زکوٰۃ دیا کرو (ترمذی) امام ترمذی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ اس معنی کی اور بھی روایتیں ہیں، بہر حال اس باب میں صحابہ و تابعین کی روایتیں اور اقوال مختلف ہیں اور فریقین کے دلائل کتابوں میں مذکور ہیں۔ زیوروں میں وجوب زکوٰۃ کی بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں سونا اور چاندی کو کنز کرنے یعنی بغیر زکوٰۃ ادا کئے اپنی ملک میں رکھنے پر شدید وعید آتی ہے۔ ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ﴾ [۹/ التوبۃ: ۳۴] اور سنن ابی داؤد میں ام المومنین حضرت ام سلمہ سے یہ روایت ہے کہ وہ سونے کے کچھ زیور پہنے تھیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ کیا یہ بھی کنز ہے؟ ارشاد ہوا کہ یہ اگر زکوٰۃ کی مقدار کو پہنچ جائے اور اس کی زکوٰۃ دے دی جائے تو کنز نہیں۔ اس حدیث سے کنز کی تفسیر معلوم ہوگئی اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ جس زیور کی خواہ وہ استعمال ہی میں ہو زکوٰۃ نہ دی جائے وہ کنز کے حکم میں ہے اور اس پر قرآن پاک کی وعید شدید لازم ہے۔

زکوٰۃ کے وجوب کی قائل تھیں۔

مؤطا کی اس حدیث کا جس میں ذکر ہے کہ وہ اپنی یتیم بھتیجیوں کے زیوروں کی زکوٰۃ نہیں دیتی تھیں۔ یہ جواب ہوسکتا ہے کہ وہ نابالغ پر زکوٰۃ واجب نہیں جانتی تھیں، جیسا کہ بہت سے صحابہ اور فقہاء کا مسلک ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ وہ پھر اپنے نابالغ بھتیجوں کے مال کی زکوٰۃ جیسا کہ موطا میں مذکور ہے، کیوں دیتی تھیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نابالغ کے مال میں وجوب زکوٰۃ کی قائل نہ تھیں، بلکہ استحباب کی قائل تھیں۔ زیور چونکہ بعینہٖ رکھے تھے ان کو بیچ کر یا بدل کر تجارت میں نہیں لگایا تھا کہ اس میں اضافہ ہو اور لڑکیوں کے لئے بہر حال ان کی ضرورت تھی، اس لئے یتیم نابالغ لڑکیوں کے لیے انہیں یہی پہلو مناسب معلوم ہوا کہ ان کے زیور کر زکوۃ دے کر اس کو کم نہ کریں اور یتیم نابالغ بھتیجوں کے مال کو انہوں نے جیسا کہ موطا کے اسی مقام پر ہے، تجارت میں لگا دیا تھا۔ اس لئے اس میں ان کو زکوٰۃ ادا کر دینے کا پہلو زیادہ مناسب معلوم ہوا۔

کسی مقتول کے بدلہ میں اگر قاتل خون بہا ادا کرنا چاہتا ہے تو درجہ بدرجہ اسکے تمام وارثوں کو رضا مند کرنا چاہیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''وان کانت امراۃ'' [1] یعنی اگر وارثوں میں عورتیں ہوں تو ان کو راضی کرنا بھی ضروری ہے۔ صرف مردوں کی رضا مندی کافی نہیں ہے کیونکہ وراثت کا حق صرف مردوں کے لئے مخصوص نہیں ہے۔

عرب میں اسلام سے پہلے وراثت میں عورت کا حق نہ تھا۔ اسلام نے آ کر ان کو بھی ان کا حق دلایا۔ وراثت کے اکثر مسائل تو قرآن مجید ہی میں مذکور ہیں، اس میں لڑکیوں کے حصہ کی بھی تفصیل ہے۔ لیکن بعض ایسی صورتیں بھی پیش آئیں جن کے حل کرنے کے لئے کتاب وسنت سے فکر واستنباط کی ضرورت پیش آتی۔ ان موقعوں پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی جنسی بہنوں کا حق فراموش نہیں کیا۔ ایک صورت یہ ہے کہ اگر لڑکا وارث نہ ہو، صرف بیٹیاں، پوتیاں اور پوتے ہوں تو تقسیم کیونکر ہوگی؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پوتیوں کا حصہ نہیں دلاتے۔ صرف پوتوں کا حصہ دیتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، پوتیوں کا بھی حصہ لگاتی ہیں۔ [2]

عورتیں بارگاہِ نبوت میں مسائل دریافت کرنے کو آیا کرتی تھیں۔ بعض پردہ کے مسائل ہوتے تھے، جو کم فہم بیبیوں کی سمجھ میں نہ آتے اور آپ خود حیا سے اس کی تفصیل نہیں فرما سکتے تھے تو ایسے موقع پر ام المومنین ہی اپنی بہنوں کی امداد فرماتی تھیں اور اپنے پاس بلا کر آپ کا مطلب سمجھا دیتی

---

[1] ابوداؤد: کتاب الدیات، باب عفو النساء۔ [2] مسند دارمی: کتاب الفرائض۔

تھیں ❶ اوران کے سوالات آپ کی خدمت میں پیش کر کے ان کے جوابات ان کو بتاتی تھیں۔

عرب میں دامن کا اتنا بڑا رکھنا کہ زمین پر گھسیٹتا ہوا چلے، فخر اور عزت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص غرور سے اپنا دامن گھسیٹ کر چلے گا، خدا اس کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔ یہ سُن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ! عورتوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا: ایک بالشت نیچے لٹکائیں۔ بولیں کہ اتنے میں پنڈلیاں کھل جائیں گی۔ تو فرمایا: ''ایک ہاتھ۔'' ❷

اسلام میں نکاح کے جواز کے لئے لڑکیوں کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کنواری عورتوں سے اجازت لی جائے اور بیوہ سے اس کا حکم طلب کیا جائے۔ لیکن خدا نے عورتوں کو جو فطری حیا اور شرم عطا کی ہے اس کی بنا پر زبان سے رضامندی کا اظہار تقریباً محال ہے۔ ام المومنین اس مشکل سے آگاہ تھیں، عرض کی۔ فرمایا: ''کہ ان کی خاموشی ان کی رضامندی ہے۔ ❸

بعض اولیاء لڑکی کی رضامندی کے بغیر صرف اپنے اختیار سے نکاح کر دیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس قسم کا ایک واقعہ پیش آیا۔ عورتوں کی عدالت عالیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا حجرہ تھا۔ لڑکی اسی آستانہ پر حاضر ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرمانہ تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو بٹھالیا۔ جب آپ تشریف لائے تو صورتِ واقعہ عرض کی۔ آپ نے لڑکی کے باپ کو بلایا اور لڑکی کو اپنا مختار آپ بنایا۔ یہ سُن کر لڑکی نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے باپ نے جو کچھ کیا، میں اب اس کو جائز ٹھہراتی ہوں۔ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ عورتوں کو اپنے حقوق معلوم ہو جائیں۔ ❹

جس عورت کو اس کے شوہر نے ایک یا دو بار طلاق دی ہو، زمانہ عدت تک اس کا نفقہ اور سکونت مرد پر متفقاً فرض ہے۔ لیکن اگر تین طلاقیں دے دیں تو ایسی حالت میں اختلاف ہے کہ نفقہ یا

❶ صحیح بخاری: باب الاحکام التی تعرف بالدلائل۔

❷ مسند احمد: جلد ۶ ص ۷۵ و ۱۲۳، بعض حدیثوں میں یہ واقعہ حضرت ام سلمہ کی طرف منسوب ہے ممکن ہے کہ دونوں بیویوں نے اپنی اپنی جگہ پر عرض کیا ہو۔

❸ صحیح بخاری: کتاب النکاح۔

❹ نسائی: باب البکر یزوجہا ابوہا وہی کارہۃ ودار قطنی کتاب النکاح (من مراسیل ابن بریدہ)۔

مسکن مرد پر واجب ہوگا یا نہیں، بعض لوگ اس کے قائل ہیں کہ نفقہ اور سکونت کی ذمہ داری مرد پر عائد نہیں ہوگی۔ دلیل یہ پیش کی کہ قرآن میں جہاں اس مسئلہ کا ذکر ہے کہ شوہر کے گھر سے نہ نکلیں اور نہ شوہر ان کو گھر سے نکالیں۔ اس کے بعد یہ ہے: ﴿لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا﴾ ''شاید خدا اس کے بعد کوئی بات پیدا کردے۔'' یعنی مقصود یہ ہے کہ زمانہ عدت تک شوہر کے گھر سے مطلقہ کو دوسرے گھر میں اس لئے منتقل نہ ہونا چاہئے کہ شاید ایک گھر میں چند مہینے ساتھ رہنے سے اتفاقی کدورتیں مٹ کر اگلا سا اخلاص پیدا ہو جائے۔ لیکن جب تین طلاقیں پڑ گئیں تو اب رجعت ہو نہیں سکتی، اس لئے ایک گھر میں رہنے کی علت مفقود ہوگئی۔ اس لئے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا یہ حکم طلاق رجعی سے متعلق ہے، بائن سے نہیں۔ ❶

لیکن درحقیقت یہ استدلال کسی قدر غلط ہے، یہ کہنا صحیح ہے کہ زمانہ عدت میں مرد کے گھر میں رہنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ لیکن یہ صحیح نہیں کہ تمام تر سبب یہی ہے۔ اس حکم میں اور مصلحتیں یہ ہیں کہ جب اس کو پہلے شوہر نے طلاق دے دی اور یہ دریافت کرنے کے لئے آیا کہ اس کو اس سے حمل تو نہیں اس کو چند مہینے انتظار کرنا پڑے گا، اس لئے وہ دوسری شادی ابھی نہیں کر سکتی، چونکہ یہ نقصان اس کو شوہر اول کی وجہ سے پہنچا ہے، اس لئے زمانہ انتظار اس کے طعام وقیام کا ذمہ دار اسی کو ہونا پڑے گا، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فاطمہ کے استدلال کی نہایت سخت مخالفت کی، اور فرمایا کہ فاطمہ کے لئے خیر نہیں کہ اپنے واقعہ کو استدلال میں پیش کرے۔ اس کے پہلے شوہر کا گھر چونکہ غیر محفوظ تھا اس لئے آپ نے اس کو دوسرے گھر میں منتقل ہونے کی اجازت دی تھی۔ مروان کے زمانہ میں جب اسی قسم کا واقعہ پیش آیا، اور مروان نے فاطمہ کی اسی روایت سے استدلال کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو کہلا بھیجا کہ یہ تم نے ٹھیک نہیں کیا۔ فاطمہ کا واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں میاں بیوی میں بنتی نہ تھی، بعض اور روایتوں میں ہے کہ فاطمہ زبان کی تیز تھیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوسری جگہ منتقل کر دیا۔ ❷

شوہر کی وفات کے بعد عورت کو چار مہینے دس دن تک عدت میں بیٹھنا چاہئے اور گھر سے باہر نکل کر کسی دوسرے مقام پر نہیں جانا چاہئے، اس سے بعض فقہا نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اگر وہ شوہر کے ساتھ ہے، تو شوہر کی وفات جہاں ہو اور اگر ساتھ نہیں ہے تو جہاں اس کو خبر معلوم ہو، اس کو وہیں

---

❶ ابوداؤد: کتاب الطلاق۔ ❷ صحیح بخاری: ابوداؤد، موطا، کتاب الطلاق۔

ٹھہر کر عدت کے دن گزارنے چاہئیں، یعنی اس حالت میں سفر اس پر حرام ہے۔ اس دعوے کے ثبوت میں احادیث سے جس قدر دلائل وہ پیش کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ وطن اور گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہئے۔ [1] حالانکہ ثابت یہ کرنا چاہئے کہ باہر سے گھر بھی نہیں آنا چاہئے، اور مسافرت سے وطن میں بھی وہ منتقل نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اسی بنا پر ان کے استدلال کو تسلیم نہیں کیا، ان کی ایک بہن کا نام ام کلثوم تھا، اور وہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے بیاہی تھیں۔ جنگ جمل میں وہ اپنے شوہر کے ساتھ تھیں۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے وہاں شہادت پائی۔ عام خیال کے مطابق ان کو زمانۂ عدت وہیں بسر کرنا چاہئے تھا، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کو اپنے ساتھ مدینہ لے آئیں۔ راستہ میں مکہ معظمہ میں بھی ان کا قیام رہا، لوگوں میں اسکا چرچا پھیلا۔ ایوب ایک تابعی تھے انہوں نے جواب دیا کہ یہ گھر سے باہر نکلنا نہیں ہے بلکہ گھر کے اندر آنا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسافرت سے ان کو وطن میں منتقل کر دیا۔ [2] یہ جواب بالکل صحیح تھا۔ واقعات کی رُو سے غور کرنا چاہئے کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس مسئلہ کو واضح نہ کرتیں تو اس حالت میں بہت سی عورتوں کو کتنی مشکلات کا سامنا ہوتا۔

طلاق تمام مباح امور میں سب سے برا کام اور فساد معاشرت کا آخری چارۂ کار ہے۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو اس دائرہ کو محدود کرنا چاہئے۔ شوہر اگر بیوی کو مفارقت کا اختیار دے دے اور وہ اس اختیار کو واپس کر کے شوہر ہی کی زواجیت کو قبول کرے تو بعض صحابہ کا فتویٰ تھا کہ ایک طلاق پڑ جائے گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سختی سے اس فتویٰ کا انکار کیا اور دلیل میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ پیش کیا کہ آپ نے آیت تخییر کے بعد تمام بیویوں کو علیحدگی کا اختیار دے دیا لیکن کوئی علیحدہ نہیں ہوئی، تو کیا ہم لوگوں پر ایک طلاق پڑ گئی؟ اور پھر یہ اخلاق اور وفا شعاری کا خون نہیں ہے کہ ایسی شوہر پرست اور وفا شعار بیوی کو اپنے لائق تحسین ایثار کا جواب شریعت کی طرف سے ایک معاشرتی داغ کی صورت میں ملے، چنانچہ جمہور فقہاء اور محدثین کا عمل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اسی فتویٰ پر ہے۔

اسی طرح اگر زبردستی کوئی شخص کسی کو مجبور کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ ورنہ وہ قید یا قتل کر دیا جائے گا یا اس کو کوئی سزا دی جائے گی اور شوہر ڈر کر اس کی تعمیل کر دے۔ تو عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ طلاق شرعاً صحیح نہ ہوگی، [3] امام ابوحنیفہ کے سوا اور تمام فقہا اور محدثین نے اس اصول کو تسلیم

---

[1] ابوداؤد اور موطا وغیرہ میں فریعہ بنت مالک کی ایک حدیث ہے، اس کو استدلال میں پیش کرتے ہیں۔

[2] ابن سعد جزء نساء، ۳۳۹۔ [3] صحیح بخاری و مسلم وغیرہ حدیث طلاق فی اغلاق دیکھو۔

کرلیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر قانونِ اسلامی میں یہ دفعہ نہ ہوتی تو شرافت مآب خاتونوں کا ظالم اور جابر امرا اور سلاطین کے دستِ ستم سے محفوظ رہنا مشکل ہو جاتا۔

جاہلیت میں عورتوں کی نازک گردنیں رسوم وعوائد کی جن آہنی طوقوں سے گراں بار تھیں۔ ان میں ایک یہ بھی تھا کہ اس زمانہ میں نہ طلاق کی تعداد کی تعیین تھی اور نہ طلاق کے بعد زمانہ رجعت کی کوئی تحدید تھی۔ سنگدل شوہر عورت کو طلاق دے دیتا اور جب رجعت کا زمانہ ختم ہونے لگتا پھر زوجیت میں لے لیتا، پھر طلاق دے دیتا۔ اگر چاہتا تو عمر بھر عورت کو اس جال سے نکلنے نہ دیتا۔ اس طرح یہ مسکین دائمی رنج وکوفت میں گرفتار رہتی، اور کبھی اس کے پنجۂ ستم سے آزاد نہ ہوسکتی، لیکن مسلمان عورتوں پر ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے ان کو جاہلیت کی اس لعنت سے ہمیشہ آزاد کرادیا۔ زمانہ اسلام میں اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا۔ مظلوم بیوی چارہ گری کے لئے ام المؤمنین کے پاس دوڑی آئی، انہوں نے یہ مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ اس پر یہ آیت اتری: [1]

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ.﴾

[۲/البقرة:۲۲۹]

”وہ طلاق جس کے بعد رجعت جائز ہے، دوبار ہے۔ اس کے بعد یا بحسن اسلوب اس کو زوجیت میں رکھ لینا ہے یا بخیر وخوبی اس کو رخصت کردینا۔“

حج کا زمانہ اوائلِ تاریخ قمری میں واقع ہوتا ہے، اور یہ زمانہ اکثر عورتوں کی شرعی معذوری کا ہوتا ہے، کہ ایسی حالت میں اگر مناسکِ حج ان کے لئے تا طہارت ناجائز ہوجائیں تو میدانِ حج وعمرہ، میدانِ قیامت ہوجائے۔ یعنی ہزاروں کو انتظار میں پڑا رہنا پڑے اور پھر ان کے ساتھ ان کے اعزہ کو بھی رُکنا پڑے، یا حج کو ناتمام چھوڑ دینا پڑے اور یہ دونوں صورتیں عورتوں کے حق میں سخت ترین مصائب ہیں۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اس مشکل کا حل خود اپنے واقعہ سے فرمادیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میں فتویٰ پوچھا۔ فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا طواف کے سوا اور تمام مناسک ادا کئے جاسکتے ہیں، جو حاجی ادا کرتے ہیں اور اگر یوم النحر (۱۰ ذوالحجہ) کے قریب یہ واقع پیش آئے، تو آخری طواف ضروری ہے۔ اسی بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں کو لے کر حج کرتی تھیں، تو انہیں جن کے متعلق شبہ ہوتا تھا ان کو طواف آخری سے پہلے رخصت کردیتی تھیں، اور اگر طوافِ آخر کے بعد ایسا معاملہ پیش

---

[1] یہ مفصل واقعہ ترمذی کتاب الطلاق میں ہے۔

آ تا تو اسی حالت میں وہ بقیہ اعمال (نفر) ان سے ادا کراتیں۔ صحابہ میں سے حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان مسائل میں حضرت عائشہ سے اختلاف تھا۔ بعد میں حضرت زید اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے فتوؤں سے رجوع کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا فتویٰ قائم رکھا۔ بلکہ عملاً انہوں نے ایک عورت کو جب ایسا واقعہ پیش آیا، تو اس کو مکہ میں تا طہارت روک دیا۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے لوگوں نے اس مسئلہ کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو منیٰ کے میدان میں چھ ہزار عورتیں بیک وقت رکی پڑی رہیں، پھر عمل جمہور سے اس کی تائید کی۔ [1]

ان مسائل میں کون صاحب سند ہے، اس کا فیصلہ ہر شخص کر سکتا ہے۔



[1] دیکھو موطا زرقانی: باب افاضۃ الحائض۔

عالمِ نسوانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا درجہ

آپ صدیقہ کبریٰ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سیرت مبارک کا ایک ایک حرف پڑھ چکے۔ان کی مقدس زندگی کا ایک ایک واقعہ آپ کی نظر میں سے گزر چکا۔آپ دنیا کی سینکڑوں بڑی بڑی خواتین کے حالات سے واقف ہوں گے۔تاریخ نے آپ کے سامنے دنیا کی مشہور خواتین کی زندگیوں کے بے شمار مرقعے پیش کیے ہوں گے،لیکن کبھی آپ نے ان کا باہم مقابلہ بھی کیا۔

دنیا کی غیر مسلم مشہور عورتوں کی فہرست میں جو نام داخل ہیں۔اس میں زیادہ تر ایسی عورتیں ہیں جن سے اپنی سطحِ جنسی سے ذرا بلند کوئی ایک اتفاقی کارنامہ ظہور میں آ گیا۔وہی ان کی شہرت کا بال و پر بن گیا۔ایک عورت نے کسی پُر جوش مجمع میں کوئی تقریر کر دی،کسی تدبیر سے دشمنوں کی سازش کو توڑ دیا،یا اپنی قوتِ بازو سے کسی میدان کو مار لیا۔یہ فوری اسباب اس کی تاریخی بقا اور شہرت کا ذریعہ بن گئے۔غور سے دیکھئے کیا اس کا مقابلہ ایک مسلسل،با نظام اور مستمر العمل کارنامہ سے ہو سکتا ہے؟حسن و جمال کی غیر معمولی سحر کاری اور کسی محروم الولد خاندان شاہی کے تاجِ زرنگار نے بھی اکثر جنس نسوانی کے چہروں کو روشن کیا ہے۔لیکن دیکھ لیجئے،تاریخ نے ہمیشہ حسرت و ناکامی ہی پر اس منظر کا خاتمہ کیا ہے۔مصر و ایران اور روم کی تاریخی روداد بھی آپ کے سامنے ہے،اس سے ایک کامیاب مقدس اور پارسایانہ زندگی کا موازنہ کیا سوءِ ادب نہیں......!؟

ان عمومی حیثیتوں کو الگ کر کے مذہب،اخلاق اور تقدس کا پہلو سامنے لائیے تو معلوم ہو جائے گا کہ کائناتِ نسوانی کا ایک ستارہ بھی اس افق سے طلوع ہونے کے قابل نہیں،ہندوستان کی بعض معصوم صورت بیبیاں آگے بڑھ کر اپنا استحقاق پیش کریں گی،لیکن آپ پوچھ سکتے ہیں کہ عفیفو!طبیعت کی پاکیزگی اور شوہر پرستی کی مسلم دلیلوں کے علاوہ کوئی اور سند بھی اپنے پاس رکھتی ہو؟صدیقہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کے سوا دنیا کی کون خاتون ہے جس نے مذہب،اخلاق اور تقدس کے ساتھ مذہبی،علمی،سیاسی،معاشرتی،غرض گوناگوں فرائض انجام دیئے ہوں اور جس نے اپنی زندگی کے کارناموں سے خدا پرستی کے نمونوں سے اخلاق کی عملی مثالوں سے روحانیت کی پاک تعلیموں سے اور کسی دین و شریعت اور قانون کی تعلیم و تشریح سے دنیا کی تقریباً دس کروڑ [1] عورتوں کے لئے ایک کامل زندگی اور

[1] مسلمان عورتوں کی تخمینی تعداد۔

گراں بہا عملی نمونہ چھوڑا ہو اور جس نے اس عظیم الشان تعداد نسوانی کو اپنے مذہبی، اجتماعی اور علمی احسانات سے گرانبار کیا ہو۔

مسلمان عورتوں کی تاریخ میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور بنات طاہرات رضی اللہ عنہن کے سوا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا کس سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے؟ تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ اسلام میں حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں سب سے افضل ہیں۔ جمہور علما نے سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور تیسرے درجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام رکھا ہے۔ لیکن یہ ترتیب کسی نص شرعی یا حدیث صحیح سے ثابت نہیں، بلکہ علما نے اپنے اپنے قیاس واجتہاد اور ذوق سے یہ ترتیب قائم کی ہے۔ ان تینوں خواتین کے الگ الگ فضائل اور مناقب احادیث میں مروی ہیں، اسی بنا پر بعض علما نے اس باب میں توقف مناسب سمجھا ہے، علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے تمام علما کے برخلاف علانیہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہ صرف اہلبیت میں، نہ صرف عورتوں میں بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہیں۔ اس دعویٰ پر ان کے بہت سے دلائل ہیں جن کو شوق ہو وہ "الملل والنحل" میں فضل صحابہ رضی اللہ عنہم کی بحث کی طرف رجوع کرے۔ ہمارا اعتقاد اس بارہ میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ فضیلت سے مقصود اگر درجۂ اخروی ہے تو اس کا حال خدا ہی کو معلوم ہے لیکن دنیاوی حیثیت سے حقیقت یہ ہے کہ ان کے فضائل مختلف الجہات ہیں۔ اگر نسبی شرافت کا اعتبار ہے تو حضرت فاطمۂ زہرا رضی اللہ عنہا سب سے افضل ہیں۔ اگر ایمان کی سابقیت، اسلام کی ابتدائی مشکلات کے مقابلہ اور اس زمانہ میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت وتسکین خاطر کی حیثیت سے دیکھئے تو حضرت خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کی بزرگی سب پر مقدم ہے، لیکن اگر علمی کمالات، دینی خدمات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وارشادات کے نشر و اشاعت کی فضیلت کا پہلو سامنے ہو تو ان میں صدیقہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا۔ [1]

اگرچہ حضرت مریم علیہا السلام کی بزرگی کا ہم کو اسلام کے ذریعہ سے علم ہے لیکن انجیل کی روایات ان کو ایک ذرہ بھی ممتاز نہیں کر سکتیں، فرعون کی بیوی حضرت آسیہ علیہا السلام بھی اسلام میں فضیلت کی مستحق قرار دی گئی ہیں، لیکن تورات ان کے شرف کے اظہار سے خاموش ہے، اس بنا پر عقیدۃً ہم کو ان کی اجمالی

[1] زرقانی بر مواہب جلد ۳، ص ۲۶۹ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حال۔

فضیلت اور بڑائی سے انکار نہیں، لیکن واقعات اور تاریخ کی زبان سے اس کا جواب سکوتِ محض ہے۔

بہر حال وحی کی معصوم زبان نے جو فیصلہ کر دیا ہے۔ اس سے زیادہ سچا فیصلہ اور کیا ہو سکتا ہے:

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ ؓ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَ اٰسِيَةُ اِمْرَاَةُ فِرْعَوْنَ وَ فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ. [1]

''ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مردوں میں بہت سے کامل گزرے لیکن عورتوں میں مریم علیہا السلام بنت عمران اور آسیہ علیہا السلام زوجۂ فرعون کے سوا کوئی کامل پیدا نہ ہوئی اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو عورتوں پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح ثرید [2] کو کھانوں کے دوسرے اقسام پر۔''

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہِ الْاَطْھَارِ وَ اَصْحَابِہِ الْکِرَامِ وَ اَزْوَاجِہِ الْمُطَھَّرَاتِ.

دار المصنفین اعظم گڑھ

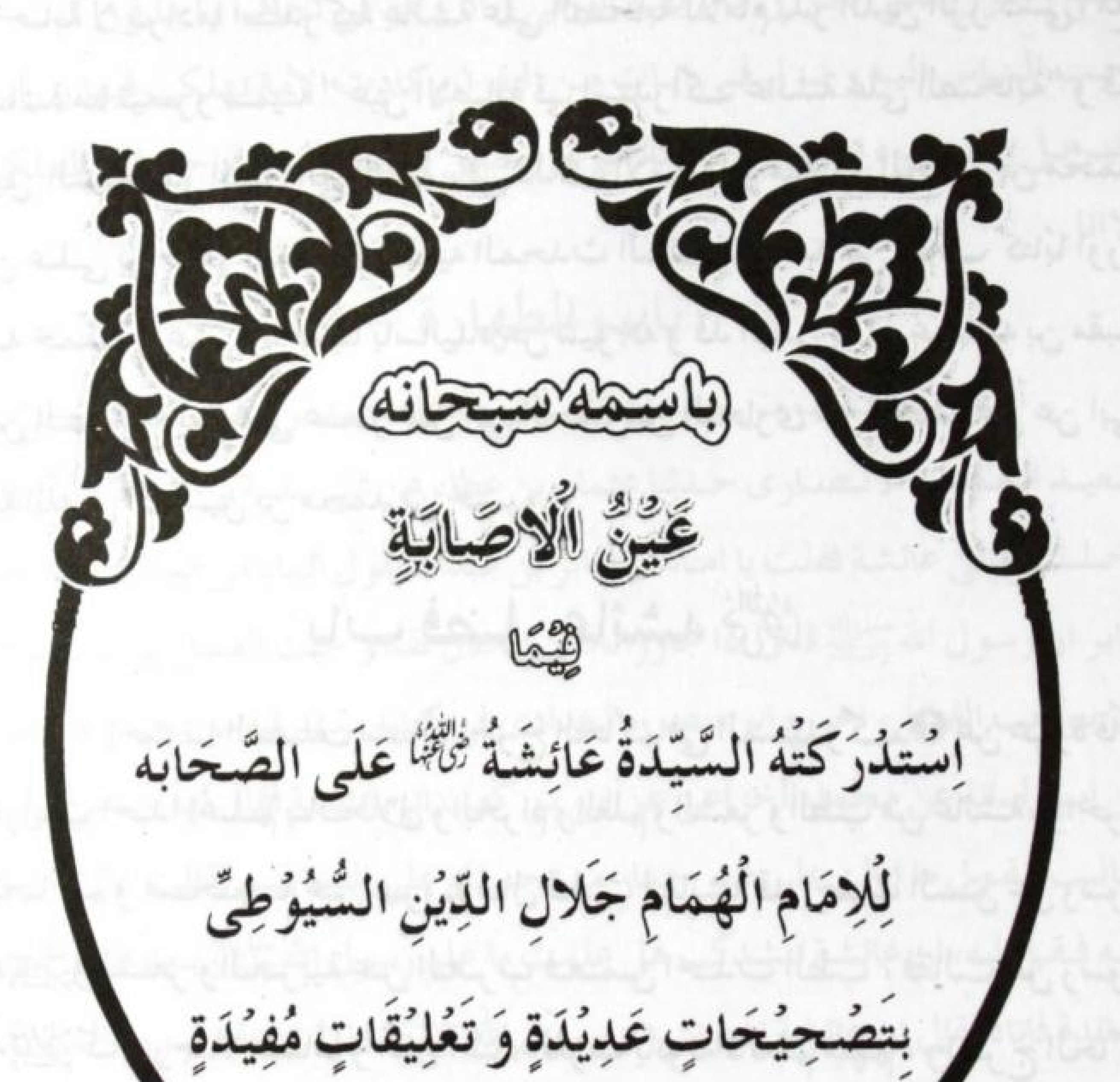
۵/ ذیعقد ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۴/ اگست ۱۹۱۷ء



---

[1] بخاری: کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، رقم: ۳۷۶۹۔

[2] ثرید ایک عربی کھانا ہے جو روٹی کو شوربے میں بھگو کر تیار کیا جاتا ہے، اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں عربوں میں بہت اعلیٰ غذا سمجھی جاتی تھی۔



باسمه سبحانه

عَيْنُ الْاِصَابَةِ

فِيْمَا

اِسْتَدْرَكَتْهُ السَّيِّدَةُ عَائِشَةُ رضي الله عنها عَلَى الصَّحابه

لِلْاِمَامِ الْهُمَامِ جَلَالِ الدِّيْنِ السُّيُوْطِيِّ

بِتَصْحِيْحَاتٍ عَدِيْدَةٍ وَ تَعْلِيْقَاتٍ مُفِيْدَةٍ

لِلسَّيِّدِ سُلَيْمَانَ النَّدْوِيِّ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ○

الحمد لله وسلام علٰى عباده الذين اصطفٰے ، هٰذا جزءٌ لَخَصْتُ فيه كتاب الاجابة لا يـرادما استدركته عائشة على الصحابة للامام بدر الدين الزركشى، مع زيادة ما تيسرو سميتُه " عين الاصابة فى استدراک عائشة على الصحابة" و قد سبق الشيخ بدر الدين الى التاليف فى ذٰلک الاستاذابو منصور الحسن بن محَّمد بـن علـى بن طاهر البغدادى الفقيه المحدث المشهور فعمد فى ذلک كتابًا اورد فيـه خمسة و عشرين حديثا باسانيده عن شيوخه و قد انبأنى به ابوعبدالله بن مقبل عن الـصلاح بـن ابـى عـمـر عـن ابى الحسن بن البخارى عن الخشوعى عن ابى عبدالله بن الحسين بن محمد بن خسرو.

باب فضل عائشه رضی اللہ عنہا

اخبرنا المصنف سماعًا اخرج الحاكم فى المستدرک (1) عن عروة قال مـارأيتُ احدا اعـلـم بـالحلال والحرام والعلم والشعر والطب من عائشة، واخرج الحـاكـم و صـحـحـه عـن عـروة قـال قـلـت لعائشة قد اخذت السنن عن رسول الله ﷺ والشعر والعربية عن العرب فعمن اخذت الطب ، فقالت عن رسول الله ﷺ كـان رجلا سقامًا و كان اطباء العرب يأتونه فاتعلم منهم ، واخرج الحاكم عن مسروق قـال والـلّٰـه لـقـدر أيت الـصـحـابة يسألون عائشة عن الفرائض (2) ، واخرج الحاكم عن عطاء قال كانت عائشة افقه الناس واعلم الناس واحسن الناس رأيا فى الـعـامة واخرج الـحاكم عن الزهرى قال لو جمع علم الناس كلهم ثم علم ازواج النبى ﷺ لكانت عائشة او سعهم علمًا، و اخرج الحاكم عن موسى بن طلحة قـال مـارأيـت احـدا افـصـح من عائشة و عن الاحنف قال سمعت خطبة ابى بكر و عـمـر و عثمان و على والخلفاء هلم جرا فما سمعت الكلام منفم مخلوق افخم و لا احسن منه مـن فـى عـائشة و اخـرج الحاكم و صححه عن عائشة قالت خلال لى

---

(1) والـطـبـرانى بسند صحيح كما فى زرقانى على المواهب صفحه۳/۲۲۷ (2) راجع ايضاً الطبقات لا بن سعد جلد ۲ ص ۱۲۶ .

تسع لم تکن لا حد من النساء قبلی الاماتی اللہ عزوجل مریم بنت عمران ، واللہ ما اقول ھذا انی افخر علیٰ احدٍ من صواحباتی، قیل و ما ھن قالت جاء الملک بصورتی الیٰ رسول اللہ ﷺ فتزوجنی و انا ابنة سبع سنین و اھدیت الیه و انا ابنة تسع و تزوّجنی بکرا و کان یأتیه الوحی و انا و ھو فی لحاف واحدةٍ و کنت من احب الناس الیه و نزل فی ایات من القران کادت الامة تھلک فیھا و رأیت جبریل و لم یره احد من نسائه غیری و قبض فی بیتی لم یره احد غیر الملک الّاانا.

باب الطھارۃ

روی یعقوب بن سفیان القسری حدثنا محمد بن مصفی حدثنا یحیٰ بن سعید القطان الانصاری حدثنا عثمان بن عطاء عن ابی سلمة بن عبدالرحمٰن قال دخلت علیٰ عائشة فقلت یا امتاه ان جابر بن عبداللہ یقول الماء من الماء فقالت اخطأ جابر ان رسول اللہ ﷺ قال اذا جاوز الختان الختان فقد و جبت الغسل ایوجب الرجم ولا یوجب الغسل، اخرج ابو منصور البغدادی فی کتابه بسند فیه من یحمل عن عبدة بن ابی لبانة عن محمد الخزاعی عن ابی بن کعب اتی عائشة فقال لھا ان علی بن ابی طالب یقول ما ابالی علی ظھر حمارٍ مستحب ام علی التساخین فقالت عائشة ارجع الیه فقل له، ان عائشة تنشدک ھل علمت ما علم رسول اللہ ﷺ بعد تنزیل سورة المائدة فاتاه فقال ان عائشة اخبرتنی ان رسول اللہ ﷺ لما نزلت علیه سورة المائدة لم یزد علی المسح علی التساخین فلما اخبره ذلک انتھی ، الی قول عائشة و عمل به علی التساخین [1] (الخاف)، قال ثعلب لاواحد لھا واخرج الدارقطنی [2] فی سننه من طریق ھشام بن عروة عن ابی عن عائشة انھا بلغھا

---

[1] التساخین الخفاف لا واحد لھا مثل المتاشیب، و قال ثعلب لیس للتساخین واحد من لفظھا کالنساء لاواحد لھا و قیل الواحد تسخان و تسخن و فی الحدیث انه ﷺ بعث سریةً فامر ھم ان یمسحوا علی المشاوز التساخین، المشاوذ العمائم والتساخین الخفاف قال ابن الاثیر و حمزة الاصبھانی فی کتاب الموازنة التسخان تعریب تشکن و ھوا اسم غطاء من اغطیة الراس ، کان العلماء والموابذة یا خذونه علی رء وسھم خاصة دون غیرھم، قال و جاء ذکر التساخین فی الحدیث فقال من تعاطی تفسیره ھوا لخفُ حیثُ لم یعرف فارسیة والتاء فیه زائدة (لسان العرب ا،لجزء ١٧، ص ٦٩ فصل السین حرف النون)"سخن" [2] سنن دارقطنی جلد ، ص ٥٠.

قول ابن عمر فی القبلة الوضوء فقالت کان رسول اللهﷺ یقبل و هو صائم ثم لا یتوضأ واخرج مسلم والنسائی عن عبید بن عمیر قال بلغ عائشة ان ابن عمر یأمر النساء اذا اغتسلن ان ینقضن رء وسهن قالت افلا یأمرهن ان یحلقن رء وسهن لقد کنت اغتسل انا و رسول اللهﷺ من اناء و احد ما ازید علی ان افرغ علی راسی ثلاث افراغات و لفظ النسائی و ما انقض لی شعرا ❶ واخرج ابو منصور البغدادی فی کتابه من طریق محمد بن عمرو بن یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب عن ابی هریرة انه قال من غسل میتا اغتسل و من حمله توضاء فبلغ ذلک عائشة فقالت او ینجس موتی المسلمین و ما علیٰ رجل لو حمل عودًا.

باب الصلوٰة

اخرج الطبرانی فی الاوسط من طریق محمد بن عمرو بن ابی سلمة عن ابی هریرة ان رسول اللهﷺ قال من لم یوتر فلا صلاة له فبلغ ذلک عائشة فقالت من سمع هٰذا من ابی القاسم ما بعد العهدوما نسینا انما قال ابو القاسمﷺ من جآء بصلوات الخمس یوم القیامة حافظا علیٰ و ضوئها و مواقیتها و رکوعها و سجودها لم ینتقص منه شیئاً کان له عندالله عهد الایعذبه و من جاء و قد انتقص منهن شیئا فلیس له عندالله عهد ان شاء رحمه و ان شاء عذبه واخرج ابو القاسم عبدالله بن محمد البغوی من طریق ابی القاسم بن محمد قال بلغ عائشة ان اباهریرة یقول ان المراة تقطع الصلوٰة فقالت کان رسول اللهﷺ یصلّی فتقع رجلی بین یدیه او بحذائه فیصر فها فاقبضها واصله فی الصحیح واخرج البیهقی فی سننه عن ابی نهیک ان ابا الدرداءؓ خطب فقال من ادرک الصبح فلا و تر له فذکر ذالک لعائشة فقالت کذب ابوالدرداء کان النبیﷺ یصبح فیوترو اخرج مسلم عن انس قال کان عمر یضرب الایدی علی الصلاة بعد العصر واخرج عن طاؤس ❷ عن عائشة قالت و هم عمر انما نهی رسول اللهﷺ ان یتحری طلوع الشمس و غروبها.

---

❶ مسلم باب افاضة الماء و نسائی باب ترک المرأة نقض راسها.

❷ اخرجه احمد فی مسند ۵ جلد ۶، ص ۴۳.

باب الجنائز

اخرج مسلم عن عباد بن عبداللّٰہ بن الزبیر ان عائشة امرت ان یمر بجنازة سعد بن ابی وقاص فی المسجد فتصلی علیه فانکر الناس ذلک علیها فقالت اسرع ما نسی النّاس، ما صلّی رسول اللّٰہ ﷺ علی سهل بن البیضاء الا فی المسجد واخرج الشیخان عن عبداللّٰہ بن ابی ملیکة قال توفیت ابنة ❶ لعثمان بن عفان فجئنا لنشهدها و حضرها ابن عمرو ابن عباس فقال عبداللّٰہ بن عمر لعمر و بن عثمان الاتنهی عن البکاء فان رسول اللہ ﷺ قال ان المیت لیعذب ببکاء اهله علیه، فقال ابن عباس قد کان عمر یقول بعض ذلک، فذکر ذٰلک لعائشة فقالت یرحم اللّٰہ عمر لا واللّٰہ ما حدث رسول ﷺ ❷ ان اللہ یعذب المؤمن ببکاء احد و لکن قال ان اللہ یزید الکافر عذابًا ببکاء اهله علیه قال و قالت عائشة حسبکم القراٰن ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی﴾ [٦/الانعام:١٦٤] قال ابن ملیکة فواللہ ما قال ابن عمر ❸ شیئاً، واخرج الشیخان عن عمرة ان عائشة ذکر لها ان عبداللہ بن عمر یقول ان المیت لیعذب ببکاء الحی، فقالت عائشة یغفر اللہ لا بی عبدالرحمٰن اما انه لم یکذب و لکنه نسی او اخطأ انما مر رسول اللہ ﷺ علی یهودیةٍ یبکی علیها اهلها فقال انهم یبکون علیها و انها لتعذب فی قبرها، واخرج ❹ مسلم عن عروة قال قیل لعائشة انهم یزعمون ان رسول اللہ ﷺ کفن فی بردحبرة قالت قدجاء واببرد حبرة و لم یکفنوه واخرج الطبرانی فی الاوسط عن موسیٰ بن طلحة قال بلغ عائشة ان ابن عمر یقول ان موت الفجائة تخفیف علی المؤمنین و سخطة علی الکافرین، واخرج البخاری عن ابن عمر قال وقف النبی ﷺ علی قلیب بدر فقال هل وجدتم ماوعدکم ربکم حقاثم انهم الاٰن یسمعون ما اقول فذکر ذلک لعائشة فقالت انما قال رسول اللہ ﷺ انهم لیعلمون الاٰن ما کنت اقول لهم حق واخرج

---

❶ اسمها ام ابان و توفیت بمکة کما عند مسلم. ❷ ولفظ البخاری ان اللہ لیعذب المومن ببکاء اهله علیه. ❸ کما عند البخاری و عند مسلم من شئ

❹ ایضاً فی مسند احمد ص ٦/١٤٣.

الدارقطنی من طریق مجاهد عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذا احب العبد لقاء الله احب الله لقائه واذا کره العبد لقاء الله کره الله لقائه فذکر ذالک لعائشة فقالت یرحمه الله حدثکم بآخر الحدیث و لم یحدثکم باوّله قالت عائشة قال رسول الله ﷺ اذا اراد الله بعبد خیرًا بعث الیه ملکاً فی عامه الّذی یموت فیه فیسدده و یبشره فاذا کان عند موته اتی ملک الموت فقعد عندراسه فقال ایتها النفس المطمئنة اخرجی علی مغفرة من الله و رضوان و یتهوع نفسه رجلان فتخرج فذالک حین یحب لقاء الله ویحب الله لقائه و اذا اراد بعبد شراً بعث الیه شیطاناً فی عامه الذی یموت فیه فاغراه فاذا کان عند موته اتاه ملک الموت فقعد عند راسه فقال ایتها النفس اخرجی الی سخط من الله و غضب فتفرق فی جسده فذالک حین یبغض لقاء الله و یبغض الله لقائه قال الدّار قطنی غریبٌ من حدیث مجاهد عن ابی هریرة و عائشة تفردبه عطاء بن السائب عنه ولا اعلم حداً حدث به عنه غیر محمد بن فضیل ، واخرج ابو داؤد وابن حبان والحاکم [1] وصححه عن ابی سعید الخدری انه لما حضره الموت دعابثیاب جدد فلبسها ثم قالت سمعت رسول الله ﷺ یقول ان المیت یبعث فی ثیابه الذی یموت فیها قال الزرکشی رأیت فی کتاب اصول الفقه لابی الحسن احمد بن القطان من قدماء اصحابنا من اصحاب ابن جریج فی الکلام علی الروایة بالمعنی ان اباسعیدؓ فهم من الحدیث ان النبی ﷺ اراد بالثیاب الکفن و ان عائشةؓ انکرت ذالک علیه و قالت یرحم الله ابا سعید انما ارادا النبی ﷺ عمله الذی مات علیه قد قال رسول الله ﷺ یحشر الناس حفاة عراة غرلا انتهی، واخرج ابو منصور البغدادی من طریق محمد بن عبید الطنافسی عن الاعمش عن خثیمة عن ابی عطیة قالدخلت انا و مسروق علی عائشة فقال مسروق قال عبدالله بن مسعود من احب لقاء الله احب الله لقاءہٗ و من کره لقاء الله کره الله لقائه فقالت عائشة یرحم الله ابا عبدالرحمٰن حدث باول الحدیث و لم تسألوه عن

[1] المستدرک للحاکم، ص ۱/۳۴۱.

اخرہٖ ان اللہ اذا اراد بعبدہٖ خیراً قیض لہ قبل موتہ بعام ملکا یوفقہ و یسددہ حتی یقول الناس مات فلان علیٰ خیر ما کان فاذا حضرو رایٰ ثوابہ من الجنۃ تھوع بنفسہٖ او قال تھوعت نفسہ فذالک حین احب لقاء اللہ و احب اللہ لقاء ہ و اذا اراد بعبد سوءً قیض لہ قبل موتہ بعام شیطاناً فافتنہ حتی یقول الناس مات فلان علی شرّما کان فاذا حضر رایٰ ماننزل علیہ من العذاب فبلغ نفسہ ذالک حین کرہ لقاء اللہ وکرہ اللہ لقاء ہٗ.

باب الصیام

اخرج احمد [1] عن یحیی بن عبدالرحمٰن عن ابن عمر عن النبی ﷺ الشھر تسع و عشرون فذکرو اذالک لعائشۃ فقالت یرحم اللہ ابا عبدالرحمٰن انما قال الشھر قد یکون تسعاً و عشرین و اخرج ابن ابی شیبۃ عن سعید بن عمران عبداللہ بن عمر حدّثھم ان النبی ﷺ قال انا امۃ امیۃ لانکتب و لا نحسب الشھر کذا و کذا و ضرب لثالثۃ و قبض الابھام فقالت عائشۃ یغفر اللہ لا بی عبدالرحمٰن انما ھجر النبی ﷺ نساء ہ شھرا فنزل لتسع و عشرین فقیل یا رسول اللہ انک آلیت شھرا فقال و ان الشھر یکون تسعاو عشرین، واخرج مسلم عن الملک بن ابی بکر بن عبدالرحمٰن عن ابی بکر بن عبدالرحمٰن قال سمعت ابا ھریرۃ یقص یقول فی قصصہ من ادرکہ الفجر جنبا فلا یصم قال فذکرت ذالک لعبد الرحمٰن بن الحارث فذکرہ لا بیہ فانکر ذالک فانطلق عبدالرحمٰن معہ حتیٰ دخلنا علیٰ عائشۃ وام سلمۃ فسألھا عبدالرحمٰن عن ذالک قال فکلتاھما قالت کان النبی ﷺ یصبح جنبًا من غیر حلم ثم یصوم فانطلقنا الی مروان فذکر ذالک لہ عبدالرحمٰن فقال مروان عزمت علیک الا ماذھبت الیٰ ابی ھریرۃ فرددت علیہ ما یقول قال فجئنا ابا ھریرۃ فذکر لہ عبدالرحمٰن فقال ابو ھریرہ اھما قالتا قال نعم قال ھما اعلم ثم رد ابو ھریرۃ ماکان یقول فی ذٰلک الی الفضل بن عباس قال سمعت ذالک من الفضل و لم اسمعہ من النبی ﷺ فرجع ابو ھریرۃ عما کانت یقول فی ذالک قال البزار فی مسندہٖ و لا نعلم روی ابو ھریرۃ عن

---

[1] فی مسند، ص ۲۴۳/۶.

الفضل بن العباس الاهذا الحديث الواحد.

باب الحج

اخرج البيهقى فى سننه ❶ عن سالم عن ابى عمر سمعت عمر يقول اذا رميتم و حلقتم فقد حَلَّ لكم كل شئى الاالنساء والطيب قال سالم و قالت عائشة كل شئُ الاالنساء انا طيبت ❷ رسول الله ﷺ لحله قال سالم و سُنته رسول الله! حق ان تتبع و اخرج البخارى و مسلم عن عمرة بنت عبدالرحمٰن ان زياد بن ابى سفيان كتب ❸ الٰى عائشة ان عبدالله قال من اهدى هد يا حرم عليه ما يحرم على الحاج حتى ينحر الهدى و قد بعث بهديى فاكتبى الى بامرک فقالت عمرة قالت عائشة ليس كما قال ابن عباس انا فتلت قلا ئد هدى رسول الله ﷺ بيدى ثم قلدها رسول الله ﷺ بيده ثم بعث بهامع ابى فلم يحرم عليه شئ احله الله له حتى نحر الهدى و اخرج البيهقى فى سننه ❹ عن الزهرى قال اوّل من كشف العمى عن الناس و بين لهم السنة فى ذالک عائشة فاخبرنى عروة و عمرة ان عائشة قالت انى كنت لا فتل قلا ئد هدى رسول الله ﷺ فيبعث بهديه مقلّدًا و هو مقيم بالمدينة ثم لا يجتنب شيئاً حتٰى ينحر هديه فلما بلغ الناس قول عائشة هذا اخذوابه وتركوا فتوى ابن عباس واخرج البخارى و مسلم والنسائى عن محمد بن المنتشر قال سألت ابن عمر عن الطيب عند الاحرام قال لان اطلى بالقارا حب الى من ان ينضح طيبا فذكرت ذالک لعائشة فقالت يرحم الله ابا عبدالرحمٰن قد كنت اطيب رسول الله ﷺ فيطوف فى نسائه ثم يصبح محرماً ينضح طيباو اخرج الشيخان عن مجاهد ان عروة سأل ابن عمر كم اعتمر رسول الله ﷺ فقال اربع عمر احدى هن فى رجب و كرهنا ان نرد عليه وسمعنا استنان عائشةؓ فى الحجرة فقال عروة الا تسمعين يا ام المؤمنين الى ما يقول ابو عبدالرحمٰن قالت و

❶ راجع النسختہ المطبوعة ٥، ص ١٣٥.

❷ واخرجه احمد فى مسنده بلفظ آخر ٦، ص ١٧٥.

❸ وهذا لفظ مسلم ❹ راجع النسخته المطبوعة ٥، ص ٢٣٤.

ما يقول قال يقول اعتمر رسول الله ﷺ اربع عمر احدى هن فى رجب فقالت يرحم الله ابا عبدالرحمٰن ما اعتمر رسول الله ﷺ الاوهى معه و ما اعتمر فى رجب قط و اخرج ابو داود والنسائى و ابن ماجة عن مجاهد قال سئل ابن عمر كم اعتمر رسول الله ﷺ فقال مرتين فقالت عائشة لقد علم ابن عمران رسول الله ﷺ قداعتمر ثلاثا سوى التى قرنها بحجة الوداع اخرج الشافعى والبيهقى عن سالم عن ابيه انه كان يفتى النساء اذا احرمن ان يقطعن الخفين حتى اخبرته صفية عن عائشة انها تفتى النساء اذا احرمن ان لا يقطعن فانتهى عنه واخرج ابو داؤد و ابن خزيمة عن سالم بن عبدالله بن عمر كان يصنع ذالك ثم حدثه صفية بنت ابى عبيد ان عائشة حدثتها ان رسول الله ﷺ قد كان رخص النساء فى الخفين فترك ذالك و اخرج الامام احمد فى كتاب المناسك الكبير عن مجاهد ان عائشة كانت تقول الاتعجبون من ابن الزبير يفتى المرأة المحرمة ان تاخذ من شعرها اربع اصابع و انها يكفيها من ذالك الطرف واخرج البيهى فى سننه عن ابى اسحق عن البراء قال اعتمر رسول الله ﷺ ثلاث عمر كلهن فى ذى القعدة فقالت عائشة لقد اعتمرا اربع عمر بعمرته التى حج معها و اخرج البيهقى فى سننه عن ابى علقمة قال دخل شيبة بن عثمان على عائشة فقال يا ام المومنين ان ثياب الكعبة تجمع علينا فتكثر فنعمد الى ابار فنحفر ها فنعمقها ثم ند فن ثياب الكعبة فيها كيلا يلبسها الجنب والحائض، فقالت عائشة ما احسنت و بئس ما صنعت ان ثياب الكعبة اذا نزعت منها لم يضرها ان يلبسها الجنب والحائض ولكن بعها واجعل ثمنها فى المساكين وابن السبيل.

باب البيع

اخرج عبدالرزاق فى المصنف والدارقطنى والبيهقى فى سننهما عن ابى اسحاق السبيعى عن امرأته انهاد خلت على عائشة فى نسوة فسألتها امرأة فقالت يا ام المومنين كانت لى جارية انى بعتها من زيد ابن ارقم بثمان مائة الى عطائه و انه اراد بيعها فابتعتها بستمائة درهم نقدًا فقالت عائشة بئسما شريت و بئسما اشتريت فا بلغى زيدا انه قد ابطل جهاده مع رسول الله ﷺ الا ان يتوب فقالت

المرأة لعائشة ارأیت ان لم اٰخذ منه الارأس مالی قالت فمن جاء ہٗ موعظة من ربه فانتهی فله ما سلف. 1

باب النکاح

اخرج الحاکم وصححه عن ابی ملیکة قال سألت عائشة عن متعة النساء فقالت بینی و بینکم کتاب اللہ و قرأت ھٰذہِ الایة ﴿وَالَّذِیۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ اِلَّا عَلٰٓی اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ۝ فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ﴾ [۲۳/مؤمنون :۵] مازوجه اللہ او مامِلکه فقدعدا 2 واخرج مسلم والا ربعة عن الشعبی قال دخلت علی فاطمة بنت قیس فسألتها عن قضاء رسول اللہ ﷺ علیها فقالت طلقها زوجها البتة فخاصمته الی النبی ﷺ فی السکنی والنفقة قالت فلم یَجعل لی سکنی و لا نفقة واخرج البخاری تعلیقاً و ابو داود عن عروة قالت لقد عابت عائشة اشدّا لعیب یعنی حدیث فاطمة و قالت انها کانت فی منزل و حش فخیف علی ناحیتها فلذلک قضی لها رسول اللہ ﷺ واخرج مسلم عن عروة قال تزوج ابن سعید بن العاص ابنة عبدالرحمٰن بن الحکم فطلقها فاخرجها من عنده فعاب ذالک علیهم عروة فقالو ان فاطمة قد خرجت قال عروة فاتیت عائشة فاخبر تها بذالک فقالت ما لفاطمة بنت قیس خیر فی ان تذکر هذا الحدیث.

باب جامع

اخرج البخاری من طریق القاسم عن عائشة قالت من زعم ان محمداً رای ربّه فقد اعظم ولکن رای جبریل فی صورته و خلقته سادًّا ما بین الافق، واخرج مسلم عن مسروق قال قلت لعائشة یا اماه هل رای محمد ربه فقالت لقد قفّ شعری مما قلت من حدثک بان محمدًا رای ربه فقد کذب ثم قرأت ﴿لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ وَ هُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ وَ هُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ﴾ [۶/انعام: ۱۰۳] ولکنه رای جبریل فی صورته

---

1 هذه روایة دارقطنی ۳، ص ۳۱۱ و اخرج البیهقی بالفاظ آخر ۵، ص ۳۳۱.

2 وفی القران ذٰلک فاولٰئک هم العٰدون فکانما فسرت عائشة ذٰلک بقولها.

مرتین واخرج البخاری عن ابی ملیکة قال قرأ ابن عباس ﴿حَتّٰی اِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْآ اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا﴾ [۱۲/یوسف:۱۱۰] خَفِيْفَةً 1 وتلا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ فلقيت عروة بن الزبير فذكرت له ذٰلک فقال قالت عائشة معاذ الله والله ما وعدالله رسوله من شیٔ قط الاعلم انه كائن قبل ان يموت ولكن لم تزل بلايا بالرسل حتّٰى خافوا ان يكون من معهم يكذبونهم فكانت تقرء ها قد كذّبوا مثقلة واخرج الطيالسی فی 2 مسنده عن مكحول قال قيل لعائشة ان ابا هريرة يقول قال رسول الله ﷺ الشوم فی ثلاثة فی الدار والمرأة والفرس فقالت عائشة لم يحفظ ابو هريرة انه دخل و رسول الله ﷺ يقول قاتل الله اليهود يقولون ان الشوم فی ثلاث فی الدار والمرأة والفرس فسمع آخر الحديث و لم يسمع اوّله، واخرج احمد 3 عن ابی حسان الاعرج ان رجلين دخلا علٰی عائشة ان ابا هريرة يحدث ان النبی ﷺ كان يقول انما الطيرة فی المرأة والدّابة والدار فقالت والذی انزل الفرقان علٰی ابی القاسم ما هكذٰ كان يقول ولكن كان يقول كان اهل الجاهلية يقولون الطيرة فی المرأة والدابة والدار ثم قرأت عائشة ﴿مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾[۵۷/الحديد:۲۲] اَلْاٰيَةَ واخرج البزار عن علقمة قال قيل لعائشة ان اباهريرة يروی عن النبی ﷺ ان امرأة عذبت فی هرة فقالت عائشة ان المرأة كانت كافرة قال و لا نعلم روی علقمة عن ابی هريرة الاّ هٰذا الحديث ، واخرج قاسم بن 4 ثابت السرقسطی فی غريب الحديث عن علقمة بن قيس قال كنا عند عائشةؓ و معنا ابو هريرة فقالت يا ابا هريرة انت الذی تحدث عن رسول الله ﷺ ان امرأة عذبت بالنار فی جرء هرة لا اطعمتها ولا سقتها ولاهی تركتها تاكل من خشائش الارض حتّٰی ماتت، قال ابو هريرة سمعت من رسول الله ﷺ قالت

---

1 فی تفسير سورة القبرة.

2 قرء ذٰلک ابن عباس تفسيرا لآية وليس من القران.

3 فی نسخة المطبوعة ص ۲۱۵.

4 مسند جلد ۶، ص ۱ . ۳۴۶ واخرج فی صفحة ۲۴۰ بلفظ آخر.

عائشة المؤمن اكرم عندالله من ان يعذبه فى جرء هرة امّا ان المرأة من ذلك كانت كافرة يا اباهريرة اذا حدثت عن رسول الله ﷺ فانظر كيف تحدث و اخرج البخارى و مسلم عن عروة عن عائشة قال ان ازواج النبى الله ﷺ حين توفى رسول الله ﷺ اردن ان يعثن عثمان بن عفان الى ابى بكر يسئلنه ميراثهن من رسول الله ﷺ فقالت عائشة لهن اليس قد قال رسول الله ﷺ لا نورث ما تركناه صدقة و اخرج ابو عروبة الحسين بن محمد الحرابى و ابو منصور البغدادى عن الكلبى عن ابى هريرة قال لان يمتلأ جوف احدكم قيحا و دما خيرله من ان يمتلأ شعرا فقالت عائشة لم يحفظ الحديث إنّما قال رسول الله ﷺ لان يمتلأ جوف احد كم قيحا و دما خيرله من ان يمتلئ شعرًا هُجيت (1) به و اخرج الحاكم و صححه والبهقى فى سننه عن عروة قال بلغ عائشة ان ابا هريرة يقول ان رسول الله ﷺ قال لان امتع بسوط فى سبيل الله احب الى من ان اعتق ولدالزنا و ان رسول الله ﷺ قال ولدالزنا اثر الثلاثة الميت يعذب ببكاءِ الحى فقالت عائشةؓ رحم الله ابا هريرة اساء سمعًا فاساء اجابة اما قوله لان امتع بسوط فى سبيل الله احب الىّ من ان اعتق ولد الزنا انها لمّا نزلت ﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَ مَآ اَدْرٰکَ مَالْعَقَبَةُ ۝ فَکُّ رَقَبَةٍ﴾ [٩٠/البلد: ١١،١٣] قيل يا رسول الله ﷺ ما عند ناما نعتق الا ان احد ناله جارية سوداء تخدمه وتسعى عليه فلوا مرنا هن فزنين فجئن بالا ولاد فاعتقنا (2) هم فقال رسول الله ﷺ لان امتع بسوط فى سبيل الله احب الى من ان امر بالزنائم اعتق الولد امّا قوله ولد الزنا شر الثلاثة فلم يكن الحديث على هذا انما كان رجل من المنافقين يوذى رسول الله ﷺ فقال من يعذرنى من فلان قيل يا رسول الله ﷺ مع ما به ولدزنا فقال هو شرا الثلاثة والله تعالىٰ يقول ولا تزروازرة وزرا خرىٰ و اما قوله ان الميت يعذب ببكاء الحى فلم يكن الحديث على هذا و لكن رسول الله ﷺ بدار رجل من اليهود قدمات واهله يبكون عليه و انه ليعذب (3) والله عزوجل يقول لا يكلف الله نفسا الا وسعها واخرج البخارى عن ابن عمران رسول الله ﷺ

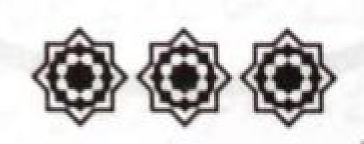
---

(1) ايضاً فى مسند الطيالسى فى مسند عائشة، ص ١٩٩.

(2) قال الشوكانى موضوعاته.

(3) المستدرک للحاكم كتاب التعق جلد ٦، ص ٢١٥.

قال ان بلا لا یؤذن بلیل فکلوا وا شربو حتّٰی یؤذن ابن ام مکتوم واخرج البیھقی عن ❶ عروۃ عن عائشۃ ؓ قالت قال رسول اللہ ﷺ ابن ام مکتوم رجل اعمی فان اذن فکلوا واشربوا حتّٰی یوذن بلال وکان بلال یُبصر الفجر وکانت عائشۃ تقول غلط ابن عمر، ھذا اٰخر ما اوردہ الزرکشی، وقدحذفت مما اوردہ اشیاءً لانھا لیست من باب الاستدراک و ھذہ زیادات لم یذکرھا، اخرج الائمۃ الستۃ الاباد اود عن ابی ھریرۃ قال اتی النبی ﷺ بلحم فرفع الیہ الزراع و کانت تعجبہ و اخرج الترمذی عن عائشۃ قالت ما کانت الزراع احب الٰی رسول اللہ ﷺ ولکن کان لا یجد اللحم الاغبا فکان یعجل الیہ لانہ اعجلھا نضجاً، و اخرج ابن ابی شیبۃ عن ابی رزین قال خرج ❷ الینا ابو ھریرۃ یضرب بیدہ علی جبھتہ ثم قال انکم تحدثون انی اکذب رسول اللہ ﷺ اشھد لسمعت رسول اللہ ﷺ اذا نقطع شسع احدکم فلا یمشی فی الاخری حتّٰی یصلحھا و قال ابن ابی شیبۃ حدثنا ابن عیینۃ عن عبدالرحمٰن بن القاسم عن ابیہ ❸ ان عائشۃ کانت تمشی فی خف واحد و تقول لا حتقن اباھریرۃ انتھیٰ واللہ اعلم نجز کتاب عین الاصابۃ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشۃ ﷺ علی الصحابۃ تالیف العلامۃ المحدث سیدنا و مولانا الجلال السیوطی تغمدہ اللہ بالرحمۃ والرضوان ونفعنا بہ و ببرکات علومہ و نفحاتہ و جلوٰتہ و رحمنا بہٖ.



---

❶ فلا نہ ثبت عن عائشۃ فی البخاری، ص ۱ /۸۷.

❷ فی جامع الترمذی باب ما جاء فی کراھیۃ المشی فی نعل واحدۃ، ص ۳۰۱،

❸ الترمذی ایضاً.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر پر تحقیقی نظر

تالیف

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اُن کے نکاح کے وقت کیا تھی؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جب نکاح ہوا ہے۔ اس وقت اسلامی روایات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً پچاس برس تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کا چھٹا سال تمام تھا یا ساتواں شروع تھا۔ نکاح کے تین برس بعد ان کی رخصتی ہوئی اس وقت ان کی عمر نو برس کی تھی۔

مخالفین اسلام کا اعتراض ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنی بڑی عمر میں اس قدر کم سن لڑکی سے نکاح کرنا نامناسب تھا۔ اس اعتراض کے جواب میں مسلمان جواب دینے والوں نے مختلف راہیں اختیار کیں۔ ایک نے کم سنی کی شادی کی نامناسبت ہی کا انکار کر دیا، دوسرے نے نکاح اور رخصتی کی تاریخوں کو تسلیم کرلیا، لیکن رخصتی کے اس عمر میں ہوجانے سے تعلقات زِن وشوئی کا بھی اسی زمانہ سے شروع ہوجانا ضروری نہیں قرار دیا بلکہ ان کے نویں سال کو صرف رخصتی کی عمر قرار دیا۔

لیکن تیسرے صاحب سب سے زیادہ تیز ثابت ہوئے انہوں نے آج کل کے جدید علم کلام کی پیروی میں سرے سے ان واقعات کی ان تاریخوں ہی سے انکار کر دیا، اوراس پر ایک بے جوڑ سا مضمون لکھ کر تمام اخباروں میں شائع کر دیا، اشتہار کی صورت میں تقسیم کیا اور لوگوں کے پاس بذریعہ ڈاک بھیجا، خود میرے پاس یہ کئی مرتبہ بھیجا گیا اور میں ہر دفعہ یہ سمجھ کر خاموش رہا کہ مضمون نگار کی نیت اچھی ہے لیکن دیکھتا ہوں کہ اس تسامح نے ایک طرف یہ نقصان پہنچایا کہ یہ جدید نظریہ مستند تاریخوں میں جگہ پانے کی کوشش کر رہا ہے۔ چنانچہ سیرت نبوی کے ترکی مترجم کے معاون اردو ظفر حسن صاحب نے قسطنطنیہ سے اس مضمون کا حوالہ دے کر لکھا کہ اگر یہ مضمون آپ کی تحقیق میں درست ہے تو سیرت کے ترکی ترجمہ میں داخل کر دیا جائے، اور دوسری طرف یہ آگے بڑھ کر ایک فقہی مسئلہ کے استدلال میں پیش کیا جارہا ہے۔ اس لئے اب ضروری ہے کہ اس غیر ذمہ دارانہ مضمون کی تردید کی جائے۔

اس مضمون کی بنیاد یہ ہے کہ مشکوٰۃ کے مصنف شیخ ولی الدین خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ کے راویوں کے حال میں ایک مختصر سا رسالہ "الاکمال فی اسماء الرجال" لکھا ہے، جو مشکوٰۃ کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر چھپ گیا ہے۔ صاحب مضمون کا بیان ہے کہ اس میں یہ لکھا ہے کہ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس برس بڑی تھیں، اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر ستائیس سال اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ان سے دس برس کم ۱۷ برس ہوگی اور نکاح کے وقت پندرہواں برس ختم یا سولہواں شروع ہوگا۔

اس واقعہ کی تنقید کے لئے ضروری ہے کہ پہلے خود اس رسالہ کی حیثیت معلوم کی جائے پھر اس کی روایت کی تحقیق کی جائے اور پھر مستند روایتوں سے اس کا موازنہ کیا جائے۔ سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ شیخ ولی الدین خطیب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مختصر رسالہ کوئی استناد کی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ سرسری طور پر صرف مشکوٰۃ کے طلبہ کی معمولی واقفیت کے لئے لکھا گیا ہے، خطیب آٹھویں صدی کے آدمی ہیں۔ ۷۳۷ھ کے بعد یعنی مشکوٰۃ کی تالیف کے بعد انہوں نے یہ رسالہ لکھا۔ ایک ایسے امرِ اہم کے لئے اور ایک ایسے واقعہ کے لئے جو تمام قدیم مستند روایتوں کے خلاف ہے، آٹھویں صدی کے ایک مؤلف کا بیان کہاں تک قابل وثوق ہوگا۔

لیکن اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ مضمون نگار نے شیخ خطیب رحمۃ اللہ علیہ کی اصل عبارت نقل نہیں کی اور صرف یہ لکھ کر کہ ایسے ثقہ اور معتبر و مستند مؤلف نے یہ لکھا ہے۔ اس کے بعد مذکورۂ بالا بیان جزم ویقین اور حتم کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، حالانکہ غریب خطیب نے اس کو ضعف کے صیغہ کے ساتھ نقل کیا ہے، اصل الفاظ یہ ہیں:

قِيلَ اَسلَمَتْ بَعْدَ سَبْعَةَ عَشَرَ اِنْسَانًا وَ هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا عَائِشَةَ بِعَشْرِ سِنِيْنَ وَ مَاتَتْ بَعْدَ قَتْلِ اِبْنِهَا بِعَشْرَةِ اَيَّامٍ وَ قِيلَ بِعِشْرِيْنَ يَوْمًا وَلَهُ مِائَةُ سَنَةٍ وَ ذٰلِكَ سَنَةُ ثَلَاثٍ وَ سَبْعِيْنَ.

"کہا گیا ہے کہ وہ (اسماء رضی اللہ عنہا) ۱۷ آدمیوں کے بعد اسلام لائی۔ وہ اپنی بہن عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس برس بڑی ہیں۔ اپنے فرزند (عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما) کے قتل کے دس دن اور کہا گیا ہے کہ بیس دن کے بعد انتقال کیا۔ اس وقت ان کی عمر ۱۰۰ برس کی تھی اور ۷۳ھ تھا۔"

کہاں مضمون نگار کا جزم و یقین، کہاں مؤلف کا ضعف و عدم قطعیت، اگر اس عبارت کو قیل کے تحت میں بھی مانئے تو یہ مانیے کہ ہر مصنف سے تسامح کا ہونا ممکن ہے۔ خطیب نے بھی یہاں غلطی کی ہے اور وہ بلا شک وشبہ تسامح کے مرتکب ہوئے ہیں، چنانچہ اسی کتاب میں حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کے حال میں وہ لکھتے ہیں:

تَزَوَّجَهَا بِمَكَّةَ فِي شَوَّالٍ سَنَةَ عَشْرٍ مِنَ النُّبُوَّةِ قَبْلَ الْهِجْرَةِ بِثَلٰثِ سِنِيْنَ وَ قِيْلَ غَيْرُ ذَالِكَ وَ اَعْرَسَ بِهَا بِالْمَدِيْنَةِ فِي شَوَّالٍ سَنَةَ اِثْنَيْنِ مِنَ الْهِجْرَةِ عَلٰى رَأْسِ ثَمَانِيَ عَشَرَ شَهْرًا اَوْلَهَا تِسْعُ سِنِيْنَ وَ قِيْلَ دَخَلَ بِهَا بِالْمَدِيْنَةِ بَعْدَ سَبْعَةِ اَشْهُرٍ مِنْ مَقْدَمِهٖ بَقِيَتْ مَعَهٗ تِسْعَ سِنِيْنَ وَ مَاتَ عَنْهَا وَلَهَا ثَمَانِيَ عَشَرَةَ سَنَةً.

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال ۱۰ھ نبوی میں ہجرت سے تین سال پہلے ان سے شادی کی اور ہجرت سے اس تین سال سے کم وبیش زمانہ بھی بتایا گیا اور آپ نے ان کے ساتھ شب عروسی گزاری، مدینہ میں شوال ۲ھ میں ہجرت کے ۱۸ مہینے بعد اس وقت وہ نو برس کی تھیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہجرت کے سات مہینہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت کی اور آپ کے ساتھ وہ نو برس رہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت وہ ۱۸ برس کی تھیں۔''

ذرا ہمارے محقق مضمون نگار ایک ہی مصنف کی ایک ہی کتاب کے ان دو مقامات میں ذرا تطبیق تو دے دیں، پھر کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تحقیق حال کے لئے انہوں نے اس رسالہ میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا تو حال پڑھا ہو، لیکن خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حال پر ان کی نظر نہ پڑی ہو۔ پھر کیا یہ دانستہ غلطی کا ارتکاب نہیں ہے۔

جو کچھ خطیب نے اس موقع پر لکھا ہے۔ اسلام کے پورے تاریخی سرمایہ میں ایک حرف بھی اس کے خلاف نہیں ہے۔ صحیح بخاری (مناقب عائشہ رضی اللہ عنہا، تزویج صغار (وغیرہ ابواب) صحیح مسلم (نکاح) مستدرک حاکم (جلد۴) مسند احمد (جلد ۶ صفحہ ۱۱۸) نیز ابن سعد (جلد ۸) استیعاب، اسد الغابہ، اصابہ وغیرہ حدیث کی تمام کتابوں میں یہی لکھا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میرا نکاح چھ برس کے سن میں اور رخصتی نو برس کے سن میں ہوئی۔ بخاری (فضل خدیجہ رضی اللہ عنہا) اور مسند احمد (جلد ۶، صفحہ ۵۸) میں جو یہ لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تین برس بعد میری شادی ہوئی۔ اس سے مقصود میری رخصتی ہے، یا راویوں نے غلطی سے رخصتی کی تاریخ کے بجائے اس کو نکاح کی تاریخ بتا دیا ہے کیونکہ دیگر صحیح روایتوں سے اس کی تطبیق ناگزیر ہے۔

اب یا تو آٹھویں صدی کے خطیب کی ایک غلط روایت پر قیاس در قیاس کو صحیح مانو، یا امام بخاری، امام مسلم، امام احمد بن حنبل، ابن سعد، ابن عبدالبر، ابن الاثیر، ابن حجر رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ محدثین و مؤرخینِ اسلام کو مانو، یہ بھی یاد رہے کہ بخاری، مسلم، ابن حنبل، حاکم اور ابن سعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح و رخصتی کی یہ تاریخیں خود انہیں کی زبانی اور انہیں کے گھر کے لوگوں کے ذریعہ سے مروی ہیں، جس سے زیادہ معتبر روایت اور کیا ہو سکتی ہے۔

ان اصل شہادتوں کے ساتھ ضمنی بیانات کو بھی ملا لو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نکاح اور رخصتی کے وقت اتنی چھوٹی تھیں، ہنڈولے جھولتی تھیں، گڑیاں کھیلتی تھیں۔ (ابوداؤد کتاب الادب و ابن ماجہ باب مدارۃ النساء و صحیح مسلم باب فضل عائشہ رضی اللہ عنہا) وہ فرماتی ہیں کہ سورۂ قمر کی آیتیں جب نازل ہوئیں، تو میں کھیل رہی تھی۔ (صحیح بخاری تفسیر قمر) کہتی ہیں کہ جب میرا نکاح ہوا تو مجھے خبر نہ ہوئی تھی۔ (ابن سعد ۸، صفحہ ۴۳) افک کے موقع پر ہے کہ وہ جاریۃ حدیثۃ السن (بخاری) "کم سن لڑکی تھیں" حالانکہ مضمون نگار کے قیاس در قیاس کی رو سے اس وقت ان کی عمر کم از کم بیس اکیس برس ہوگی، بیس اکیس برس کی عورت کم سن لڑکی کہی جائے گی؟

ان دلائل کے بعد خطیب کی ایک اتفاقی غلطی پر جو بنیاد کھڑی کی گئی ہے، اس کے گرنے میں کتنی دیر لگے گی۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس ارادی غلطی کا کیوں ارتکاب کیا گیا ہے لیکن افسوس ہے کہ ہم علم اور مذہب کے باب میں "دروغ مصلحت آمیز" کے فتویٰ پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

اب رہا اصل اعتراض کا جواب تو وہ یہ ہے کہ معترض یورپ کی سرد آب و ہوا پر عرب کی گرم آب و ہوا کا قیاس کر رہا ہے۔ ٹھنڈے ملکوں میں بلوغ کی عمر بہت دیر کو آتی ہے اور گرم ملکوں میں بہت جلد آ جاتی ہے۔ خود ہندوستان میں بھی یورپ سے نسبتاً جلد لڑکیاں جوان ہو جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں اس نکاح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مقصود تھا، وہ تاریخ اسلام کے صفحوں سے ظاہر ہے۔ اول مقصود تو نبوت و خلافت کے باہمی رشتوں کا استحکام تھا اور دوسرے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طبعی ذکاوت و ذہانت سے اسلام کو فائدہ پہنچانا اور عورتوں کے اسلامی تعلیمات کے نشر و اشاعت کا سامان کرنا۔ بحمد اللہ کہ یہ مقاصد عظمیٰ حرف بحرف پورے ہوئے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زندگی اس کی گواہ ہے، تاہم یہ نبوت کی وہ استثنائی مثال ہے جس کی پیروی مسلمان کو صرف استثنائی ہی صورت میں کرنا چاہئے۔

بہر حال تمام احادیث میں خود حضرت عائشہ صدیقہ سے ان کے نکاح اور رخصتی کے متعلق جو الفاظ مروی ہیں وہ بالا استثنا یہی ہیں۔ صحیح بخاری، باب النکاح الرجل میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم تَزَوَّجَهَا وَ هِیَ بِنْتُ سِتِّ سِنِیْنَ وَاُدْخِلَتْ عَلَیْهِ وَهِیَ بِنْتُ تِسْعٍ وَ مَكَثَتْ عِنْدَهٗ تِسْعًا. [جلد۱، ص۷۷۱]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ان کی شادی کی تو وہ چھ برس کی تھیں اور جب وہ آپ کی خدمت میں لائی گئیں تو نو برس کی تھیں اور نو برس آپ کی رفاقت میں رہیں۔''

یہی واقعہ احادیث کے مختلف ابواب وفصول میں اور خصوصاً بخاری میں شاید چار پانچ مقام پر ہے۔ صحیح بخاری باب تزویج عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے:

قَالَ تُوُفِّیَتْ خَدِیْجَةُ قَبْلَ مَخْرَجِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اِلَی الْمَدِیْنَةِ بِثَلَاثٍ فَلَبِثَ سَنَتَیْنِ اَوْ قَرِیْبًا مِّنْ ذَالِكَ وَ نَكَحَ عَائِشَةَ وَ هِیَ بِنْتُ سِتِّ سِنِیْنَ وَ بَنٰی بِهَا وَ هِیَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِیْنَ. [جلد۱، ص۵۵۱]

''عروہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ہجرت سے تین سال پہلے وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً دو برس ٹھہرے اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو وہ چھ برس کی تھیں اور جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو ۹ برس کی تھیں۔''

فَلَبِثَ سَنَتَیْنِ اَوْ قَرِیْبًا مِّنْ ذَالِكَ سے مراد بے نکاح کے رہنا نہیں ہے جیسا کہ ظاہر بین کو دھوکا ہوسکتا ہے ورنہ ۱ھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نو برس کی عمر نہیں ہوسکتی۔ بلکہ یہ کنایہ اس بات سے ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد باوجود حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لینے کے آپ دو برس تک کسی بیوی کے قریب نہ گئے۔

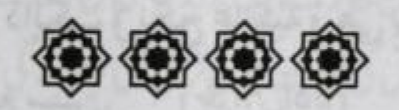
اسی صفحہ میں دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

تَزَوَّجَنِی النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَ اَنَا بِنْتُ سِتِّ سِنِیْنَ اَسْلَمَتْنِیْ اِلَیْهِ وَ اَنَا بِنْتُ تِسْعِ سِنِیْنَ.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھ سے شادی کی تو میں چھ برس کی تھی اور جب عورتوں نے مجھے آپ کے سپرد کیا تو میں نو برس کی تھی۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سال وفات میں اور اس کی بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح و پیدائش کی تاریخ میں جو بھی اختلاف ہو، مگر اس میں کہیں بھی اختلاف نہیں کہ وہ نکاح کے وقت ۶ برس کی اور رخصتی کے وقت ۹ برس کی تھیں، یہی روایت تمام حدیث کی کتابوں میں ہے۔ یہ واقعہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں اور ان سے سُن کر حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، اور عروہ رضی اللہ عنہ سے ان کے بیٹے ہشام، حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کون ہیں؟ ان حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے جن کے سال و عمر سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سال و عمر کی تعیین کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

[معارف: شمارہ نمبر ا، جلد ۲۲]



شاید ناظرین کو یاد ہو کہ مولانا محمد علی صاحب لاہوری کے ایک بالکل نئے فتویٰ پر جس کا مفہوم یہ تھا، کہ اسلام میں صغرسنی کی شادی جائز نہیں، اور اسی کے سلسلے میں یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ وہ صغرسنی میں بیاہی گئی تھیں، صحیح نہیں ہے۔ ہم نے ''معارف'' (جولائی ۱۹۲۸ء) کے شذرات میں کچھ سوالات کئے تھے، کئی مہینے بعد احباب کے اصرار پر صاحب مضمون نے اپنے اخبار میں ان شذرات کا جواب دیا ہے، ہم نے تحقیق حق کے لئے مناسب سمجھا کہ اس جواب کی تنقید کریں اور اس کے مسامحات کو واضح کر دیں۔

[شذرات: شمارہ جنوری ۱۹۲۹ء]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر

مولانا سید سلیمان ندوی کے اعتراضات کا جواب

[از: مولانا محمد علی صاحب لاہوری]

صغر سنی کی شادی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کا سوال مدت سے میرے دل میں کھٹکتا رہا ہے، نہ اس لئے کہ میں نے اس بات کو ناممکن سمجھا ہو کہ کوئی نو سال کی غیر معمولی قویٰ کی لڑکی حدِ بلوغ کو پہنچ جائے اور اس میں تعلقات ازدواجی کی صلاحیت پیدا ہو جائے، بلکہ اس لئے کہ ایک طرف اگر وہ احادیث تھیں جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کا بوقت نکاح چھ یا سات سال ہونا اور بوقت رخصتانہ ۹ سال ہونا بیان کیا گیا ہے تو دوسری طرف بعض ایسی احادیث بھی تھیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سن اتنا چھوٹا نہ تھا، مگر میں نے اس سوال پر کبھی غائر نظر نہیں ڈالی۔ سال رواں میں جب صغر سنی کی شادی کے متعلق ایک بل اسمبلی میں پیش ہوا، تو مجھے ضرورت ہوئی کہ میں بھی اس امر پر اپنے خیالات کا اظہار کروں کہ آیا صغر سنی کی شادی اگر قانوناً روک دی جائے تو یہ امر خلافِ شریعت اسلامی ہوگا؟ میں نے اس مسئلہ پر غور کیا تو میری سمجھ میں یہی آیا کہ ایسی ممانعت خلافِ شریعت اسلامی نہیں کیونکہ شریعتِ اسلامی، کا منشا بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شادی بلوغ کے بعد ہو، چنانچہ میں نے اپنی جماعت کے چند علما کے خیالات کو بھی معلوم کیا تو ان کی رائے کو اپنی رائے کے موافق پایا اور ایک مضمون اس موضوع پر لکھ کر اخبار ''لائٹ'' میں شائع کیا، اس مضمون کے ذیل میں مجھے اس بات کا جواب دینے کی ضرورت محسوس ہوئی جو صغر سنی کی ممانعت کو خلافِ شریعت اسلامی قرار دینے والوں کی طرف سے زور سے پیش کی گئی تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی صغر سنی میں ہوئی اور جب خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مجوز ہوں تو اور کسی کو کیا حق ہے کہ وہ صغر سنی کی شادی کو روک سکے۔

اصل مبحث

اس مضمون کا اردو ترجمہ منشی دوست محمد صاحب ایڈیٹر ''پیغام صلح'' نے خود کر کے ''پیغام صلح'' میں

بھی شائع کیا۔''پیغام صلح'' میں جواب ان الفاظ میں تھا:

''اس کے خلاف یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت شادی کی جب وہ چھ یا سات سال کی عمر میں تھیں، ایسی احادیث کو اگر معتبر بھی سمجھا جائے تو بھی یہ ایک مسلم بات ہے کہ شادی اور طلاق کے قوانین جو قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں مدینہ میں نازل ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح اس وقت ہوا جب ابھی آپ مکہ میں تھے، اس لئے اگر یہ نکاح فی الحقیقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صغرسنی ہی میں ہوا ہو تو بھی اسے، اس قانون کے بالمقابل جو بعد میں نازل ہوا اور اس کے، اس صحیح مفہوم کے خلاف جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، بطور دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا۔''

اس جواب کے ساتھ ہی ذیل کے الفاظ بھی ہیں جو''پیغام صلح'' سے ہی نقل کرتا ہوں۔

''لیکن یہ باور کرنے کے وجوہ ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت فی الحقیقت اس قدر صغرسنی نہ تھیں۔ معتبر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی بڑی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے دس برس چھوٹی تھیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو ہجرت کی ستائیس سال تھی، اس لحاظ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے ایک سال قبل ان سے شادی کی، سولہ سال تھی۔''

اس جواب سے ظاہر ہے کہ میرے مضمون کا اصل مبحث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نہ تھا بلکہ صغرسنی کی شادی تھا اور حقیقی جواب جو میں نے دیا ہے وہ اسی قدر تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مکہ میں ہوا، اور نکاح کے قوانین جو قرآن کریم میں نازل ہوئے وہ اس کے بعد مدینہ میں نازل ہوئے اور یہ جواب یہ فرض کر کے دیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی صغرسنی میں ہوئی۔ لیکن ضمناً یہ بات بھی بیان کر دی گئی ہے کہ یہ باور کرنے کے وجوہ بھی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت اتنی تھوڑی نہ تھی۔

بنائے استدلال

اس مضمون کے نکلنے پر اور پھر اس پر جو تنقید معارف (جولائی) میں ہوئی، مجھے متعدد خطوط موصول ہوئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے سوال پر پوری روشنی ڈالی جائے، مگر سب سے بڑھ کر

سید ریاست علی صاحب ندوی کا اصرار رہا کہ میں ان روایات کا پتہ دوں جس کے لئے انہوں نے متعدد خطوط بھی منشی دوست محمد صاحب کو لکھے، کہ میں اپنی غلطی کا اقرار کروں سو یہ تو درست ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے دس سال چھوٹے ہونے کا حوالہ میں نے دیا تو میری ذہن میں "اکمال" کا حوالہ بھی تھا۔ جو پچھلے دنوں بصورت اشتہار شائع ہوا اور جس پر سید سلیمان صاحب نے معارف میں تنقید بھی کی ہے۔ اس کے علاوہ میرے ایک کرم فرما نے مجھ سے ذکر کیا کہ ان کے پاس اسد الغابہ کا ایک حوالہ ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت بارہ سال تھی۔ اتفاق سے اسد الغابہ میرے پاس نہ تھی اور چونکہ انہوں نے جزم سے یہ کہا کہ ایسا حوالہ موجود ہے مگر کتاب اس وقت نہیں ملی، اس لئے میں نے ان کی یادداشت پر اعتبار کیا (البتہ اب جو کتاب اسد الغابہ میں نے منگوا کر دیکھی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تذکرے میں مجھے یہ حوالہ نہیں ملا۔ گو میرے وہ دوست اب بھی کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسی عبارت اسد الغابہ میں پڑھی ہے اور فرصت ملنے پر وہ اس کو نکال دیں گے) مگر ان سب سے بڑھ کر مجھے خود بعض معتبر احادیث کی بنا پر یہ خیال تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت اتنی چھوٹی نہ تھی۔

ضمنی بحث کی وجہ سے کم توجہی

مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے متعلق چونکہ ضمنی ذکر کیا تھا اور اصل مبحث کچھ اور تھا جس پر عمر کے چھوٹا یا بڑا ہونے سے کوئی اثر نہ پڑتا تھا، اس لئے میں نے اس پر کوئی زیادہ توجہ نہیں کی اور ان امور کی بنا پر جو میرے ذہن میں موجود تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے متعلق وہ الفاظ لکھے جن کو اوپر نقل کر چکا ہوں۔ ان میں علاوہ عمر کے بڑا ہونے کے یہ ذکر ہے کہ ہجرت سے ایک سال پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی ہوئی حالانکہ ایک سال پہلے نہیں بلکہ تین سال پہلے نکاح ہوا تھا۔ گو روایتیں دونوں طرح کی موجود ہیں یعنی بعض روایتوں میں تین اور بعض میں ایک سال قبل ہجرت، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا ذکر ہے۔ [1]

---

[1] سید سلیمان صاحب نے جہاں "معارف" میں میرے اس مضمون پر تنقید فرمائی ہے، وہاں میرے الفاظ کو نقل کر کے آخر پر استہزاءً یہ فقرہ چسپاں کیا ہے "غلطی ہائے مضامین مت پوچھ"، غلطی کا تو مجھے انکار نہیں، لیکن جب سید صاحب نے اس موقع پر جو استہزاء کیا ہے گو میری غلطیاں اسی لائق ہوں مگر ان کی فضیلت کے شایاں یہ نہ تھا۔ وہ کہہ سکتے تھے کہ اس مضمون میں ایک نہیں دو غلطیاں ہیں۔ اگر میں نے غلطی سے ہجرت سے ایک سال پہلے نکاح ہونا لکھ دیا تو کیا ⟸

نو سال کی عمر میں نکاح کی روایات

یہ تو محض تمہیدی باتیں ہیں، اب میں اصل مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ روایات کے بڑے حصہ کا اس بات پر اتفاق نظر آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت چھ یا سات سال تھی اور رخصتانہ کے وقت ۹ سال تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اٹھارہ سال تھی۔ لیکن طبقات ابن سعد میں دو روایتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذکر میں ایسی ہیں، جن میں نو سال کی عمر میں نکاح کا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ جلد ہشتم صفحہ ۴۱ پر ہے: تَزَوَّجَهَا رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ هِیَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِيْنَ۔ یعنی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا جب وہ نو سال کی تھیں" اور صفحہ ۴۲ پر ہے: نَكَحَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَائِشَةَ وَ هِیَ اِبْنَةُ تِسْعِ سِنِيْنَ اَوْ سَبْعٍ. یعنی "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور ان کی عمر اس وقت نو یا سات سال کی تھی" اور یہ کہا جائے گا کہ اس اختلاف کی کوئی ایسی توجیہہ کرنی چاہئے جو ان روایات کو کثرت روایات کے مطابق کردے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ کثرت روایات میں جو عمر بتائی گئی ہے وہ بروئے حساب درست نہیں آتی اور درایتاً ان روایات کی طرف توجہ نہیں کی گئی جیسا کہ میں نے کہا کثرتِ روایات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت چھ یا سات سال اور رخصتانہ کے وقت نو سال تھی۔ اب اگر نکاح اور رخصتانہ کی تاریخوں کو دیکھا جائے تو ان روایات کی صحت میں گو وہ بخاری، مسلم یا مسند احمد میں ہوں، سخت شبہات پیدا ہوتے ہیں۔

تاریخِ نکاح کی روایات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی تاریخ پر روایات میں اختلاف تو ضرور ہے لیکن اس میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ مستند یہی ہے کہ نکاح ۱۰ ھ نبوی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تھوڑے دن بعد ہی ہو گیا اور اس کے معاً بعد ہی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے

بقیہ حاشیہ...... بخاری میں یہ دونوں قول موجود نہیں اور گو اب (معارف جولائی صفحہ ۱۱) سید صاحب نے بخاری کے الفاظ فلبث سنتین او قریباً من ذالک و نکح عائشہ کی اور توجیہہ کی ہے مگر سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں وہ خود اختلاف تسلیم کر چکے ہیں۔ "اس اختلاف کے موقع پر خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول زیادہ معتبر ہو سکتا تھا، لیکن لطف یہ ہے کہ بخاری اور مسند میں خود ان سے دو روایتیں ہیں۔ ایک میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تین برس بعد نکاح ہوا اور دوسری میں ہے کہ اسی سال کا یہ واقعہ ہے۔" [سیرت عائشہ: ص ۲۶]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح پہلے ہوا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے اس کے بعد ہوا، اور چونکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ۱۰ھ نبوی میں یعنی ہجرت سے تین سال پیشتر ہوا، ایک مسلم امر ہے جیسا سید سلیمان صاحب نے بھی سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے صفحہ ۶۱ پر لکھا ہے، تو یہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے ۱۰ھ نبوی میں ہونے پر ایک فیصلہ کن امر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی تاریخ کے متعلق جو اختلاف روایات میں ہے وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی تاریخ میں اختلاف سے پیدا ہوا معلوم ہوتا ہے یعنی بعض مؤرخین نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال، ہجرت سے پانچ اور بعض نے ہجرت سے چار سال پیشتر مانا ہے، ان کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات میں ایک یا دو سال کا فرق ہوگا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۱۰ نبوی میں ہوئی، تو اس فرق کی بنا پر یہ خیال کر لیا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہجرت سے ایک یا دو سال پیشتر ہوا۔ بہرحال روایات میں اختلاف ہے اور خود بخاری کی روایات دونوں طرح کی ہیں۔ یعنی بعض میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہجرت سے تین سال اور بعض میں ایک سال پیشتر مانا گیا ہے۔

تو ظاہر ہے کہ دونوں روایات میں سے ایک قسم کی روایات یقیناً غلط ہیں خواہ وہ بخاری میں ہوں یا مسلم میں۔ اس لیے تنقیدی امور میں جذبات کو برانگیختہ کرنا کہ کیا ہم بخاری یا مسلم کو غلط مانیں صحیح طریق نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بخاری بڑے اعلیٰ پایہ کی اور حدیث کی سب سے زیادہ مستند کتاب ہے، لیکن وہ کتاب اللہ نہیں۔ اس لئے غلطیاں اس میں بھی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی تاریخ کے بارے میں جو اختلاف ہے اس میں جمہور محققین نے یہی صحیح مانا ہے کہ ۱۰ نبوی نکاح کی تاریخ ہے جیسا کہ خود سید سلیمان صاحب نے بھی مانا ہے:

> ''جمہور محققین کا فیصلہ یہ ہے اور روایت کا کثیر اور مستند حصہ اسی کا مؤید ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبوت کے دسویں سال ہجرت سے تقریباً تین برس پہلے رمضان میں انتقال کیا اور اسی کے ایک مہینے کے بعد شوال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔'' [سیرت عائشہ، ص ۲۶]

تاریخ رخصتانہ

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کب آئیں؟ سو اس میں بھی اختلاف تو ضرور ہے یعنی بعض روایات میں ہجرت سے آٹھ ماہ بعد کا واقعہ اسے قرار دیا

ہے اور بعض میں اٹھارہ ماہ بعد۔ سید سلیمان صاحب نے سیرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی جنگ بدر کے بعد ہوئی یعنی ۲ھ میں رد کرتے ہوئے شوال ۱ھ کو صحیح قرار دیا ہے (صفحہ ۳۰) اور حاجی معین الدین صاحب ندوی نے ''خلفائے راشدین'' میں ہجرت کے بعد دو سال کو صحیح قرار دیا ہے (خلفائے راشدین صفحہ ۶) سید سلیمان صاحب نے ۲ھ میں رخصتانہ کے قول کو صرف اس لئے رد کیا ہے کہ اس بیان کے موافق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دسواں سال ہوگا۔ غالباً ان کی توجہ اس طرف نہیں گئی کہ اگر ہجرت کا پہلا سال بھی رخصتانہ کا مانا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کا ان روایات کے مطابق بھی یہ دسواں سال نہیں گیارھواں سال تھا۔ شوال ۱۰ نبوی میں نکاح ہوا اور اس وقت عمر چھ یا سات سال کی بتائی جاتی ہے، اس حساب سے شوال ۱۳ نبوی میں یعنی ہجرت سے چھ یا سات ماہ پیشتر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نو یا دس سال ہو چکی تھی اور شوال ۱ھ کو بھی تاریخ رخصتانہ اگر مانا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت ان روایات کے مطابق بھی پورے دس سال کی ہو کر گیارہویں سال میں داخل ہو چکی تھیں یا گیارہ سال کی ہو کر بارہویں سال میں داخل ہو چکی تھیں اور نو سال کی عمر کسی صورت میں بھی صحیح نہیں ٹھہرتی، لیکن درست وہی ہے جو عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رخصتانہ جنگ بدر کے بعد ۲ھ میں ہوا۔ اسی کے موافق علامہ ابن عبدالبر نے بھی استیعاب میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رخصتانہ نبوت سے اٹھارہ ماہ بعد ہوا، تو اس حساب سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رخصتانہ کے وقت ان روایات کی بنا پر بھی گیارہ سال کی ہو کر بارہویں سال میں یا بارہ کی ہو کر تیرہویں میں داخل ہو چکی تھیں۔ بہر حال اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ اگر یہ روایات درست ہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی عمر بیان کرنے میں کچھ غلطی لگی ہے۔ کیونکہ ان کے نکاح اور رخصتانہ میں پورے پانچ سال کا فرق تھا اور چار سال سے کم تو کسی صورت میں نہ تھا۔ اس لئے اگر ان کی عمر بوقت نکاح چھ یا سات سال کی مانی جائے جیسا کہ اکثر روایات میں ہے تو بوقتِ رخصتانہ نو سال کی عمر ہونا ناممکنات میں سے ہے۔

دوسری روایات سے عمر کا قیاس

اس کے علاوہ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقتِ نکاح یعنی ۱۰ نبوی میں اس قدر کم نہ تھی یعنی چھ یا سات سال جیسے ان روایات سے معلوم ہوتا ہے اور یہی وہ روایات ہیں جن کی وجہ سے مجھے پہلے پہلے یہ شبہ پیدا ہوا کہ ان روایات میں جن میں نکاح

کے وقت چھ یا سات سال عمر بتائی گئی ہے کچھ نقص ضرور ہے۔ یہ روایات بھی صحیح بخاری کی ہیں۔ ایک روایت کتاب التفسیر میں سورۂ قمر کی تفسیر میں ہے جس کی راوی خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ قَالَتْ لَقَدْ اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ بِمَكَّةَ وَ اِنِّی لَجَارِيَةٌ اَلْعَبُ ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ﴾ یعنی ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر مکہ میں یہ آیت نازل ہوئی اور میں اس وقت لڑکی تھی“ ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ﴾ اب یہ آیت سورۂ قمر میں ہے اور سورۂ قمر کا نزول ابتدائی مکی زمانہ کا ہے۔ کیونکہ اس میں معجزہ شق القمر کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معجزہ ابتدائی زمانہ کا ہے، کیونکہ بعد میں کفار کی مخالفت آنحضرت ﷺ سے اس قدر سخت ہوگئی تھی کہ انہوں نے آپ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا تھا اور یہ ۷ ؁ نبوی کا واقعہ ہے۔ اور دوسرے سورۂ نجم اور سورۂ قمر کا باہم بہت تعلق ہے جیسا کہ مفسرین نے تسلیم کیا ہے۔ اس لئے ان کا نزول بھی ایک ہی زمانہ کا ہونا چاہئے اور سورۂ نجم کا ۵ ؁ نبوی میں نازل ہونا یقینی امر ہے۔ پس اسی وقت کے قریب قریب سورۂ قمر بھی نازل ہوئی اور جن لوگوں نے آیات ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ﴾ کا مدینہ میں نازل ہونا مانا ہے۔ انہیں یہ غلطی اس لئے لگی ہے کہ یہ آیات آنحضرت ﷺ نے جنگ بدر کے موقعہ پر تلاوت فرمائی تھیں۔ یہ بتانے کو کہ ان میں وہ پیشین گوئی ہے جو بدر کے دن پوری ہوئی، تو بعض لوگوں نے غلطی سے ان کا نزول مدینہ میں سمجھ لیا۔ پس ۵ ؁ نبوی یا ۶ ؁ نبوی ان آیات کا نزول ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اس وقت لڑکی تھی اور کھیلا کرتی تھی اور پھر ان آیات کو سن کر سمجھ کر یاد بھی رکھتی تھی، تو یہ پانچ چھ سال سے کم عمر کا زمانہ نہیں ہوسکتا۔ اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۰ ؁ نبوی میں بوقت نکاح چھ یا سات سال ہونا قرین قیاس نہیں اور اگر یہ روایات صحیح ہیں تو اپنی عمر کے بیان کرنے میں انہیں غلطی لگی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور روایت

اسی کی تائید بخاری کی ایک اور روایت سے ہوتی ہے جو باب ہجرۃ النبی ﷺ میں آتی ہے اور یہ روایت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے، قَالَتْ لَمْ اَعْقِلْ اَبَوَیَّ قَطُّ اِلَّا وَھُمَا يَدِيْنَانِ الدِّيْنَ وَ لَمْ يَمُرَّ عَلَيْنَا يَوْمٌ اِلَّا يَاْتِيْنَا فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَرَفَیِ النَّهَارِ بُكْرَةً وَ عَشِيَّةً فَلَمَّا ابْتُلِیَ الْمُسْلِمُوْنَ خَرَجَ اَبُوْبَكْرٍ مُهَاجِرًا نَحْوَ اَرْضِ الْحَبْشَةِ. یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا اپنے ماں باپ کو دین اسلام پر پایا اور کوئی دن نہیں گزرتا تھا مگر رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح اور شام ہمارے ہاں آتے تھے، پھر جب مسلمانوں پر مصائب آئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سرزمین حبش کی طرف نکلے۔ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو پہلے مسلمان ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان بھی ابتدائی مسلمانوں میں سے ہیں۔ جن کا اسلام ۳ھ نبوی یا اس سے پیشتر کا ہے، کیونکہ وہ سترہ آدمیوں کے بعد اسلام لائیں اور ۴ھ نبوی میں چالیس مسلمان ہو چکے تھے اور اس کے ساتھ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے واقعہ بیان کیا ہے، یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہجرت کر کے حبش کی طرف نکلنا یہ ۵ھ نبوی کا واقعہ ہونا چاہئے۔ اور اس سے پیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاں صبح اور شام جانا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں اور اسے وہ اپنے ہوش کا زمانہ بتاتی ہیں اور ظاہر ہے کہ ہوش کا زمانہ پانچ چھ سال سے کم عمر کا نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ ان روایات کے مطابق جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی عمر بیان کی ہے ۵ھ نبوی ان کی پیدائش کا زمانہ بنتا ہے۔

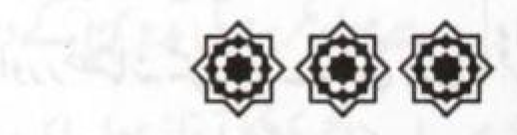
عمر کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیال

تو ان روایات کے مطابق ۵ھ یا ۶ھ نبوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہوش کا زمانہ نہیں کہلا سکتا اور ۷ھ نبوی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے تھے۔ اس وقت آپ کی آمد ورفت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر نہ ہو سکتی تھی۔ اور جب شعب سے نکلے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جلد ہی وفات پا گئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہو گیا۔ پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان جس میں بعض واقعات کا ذکر ہے جس کی تصدیق دوسری طرح بھی ہو سکتی ہے، یقیناً اس کے خلاف ہے، جس میں انہوں نے اپنی عمر بیان کی ہے۔ اس لئے اس بیان کو ترجیح دی جائے گی جس کی تصدیق دوسرے واقعات سے ہوتی ہے اور یہ کہنا پڑے گا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی عمر کے متعلق کچھ غلط فہمی تھی اور قرین قیاس یہ ہے کہ ان کی عمر نکاح کے وقت گیارہ سال سے اور رخصتانہ کے وقت سولہ سال سے کم نہ تھی۔ ایک اور امر قابل ذکر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے متعلق دریافت کیا گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ ایک جگہ پہلے کہہ چکے ہیں۔ ان سے دریافت کر کے جواب دیں گے۔ اب ظاہر ہے کہ عرب میں چار چار پانچ پانچ سال کی لڑکیوں کی نسبت یا نکاح کا رواج نہ تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت کا پہلے ہو چکنا بتاتا ہے کہ ان کی عمر اس وقت ایسی تھی کہ جب لڑکیوں کی نسبت یا نکاح کا عام طور پر خیال ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک شہادت اس امر پر ہے کہ بوقت نکاح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال سے زیادہ تھی۔

صاحبِ مشکوٰۃ کا قول

یہ سچ ہے کہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ صاحبِ مشکوٰۃ کے اس قول کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسماء رضی اللہ عنہا سے صرف دس سال چھوٹی تھیں، کیا بناء ہے لیکن یہ کہنا پڑے گا کہ ان کے قول کی بنا کسی روایت پر ہی ہوگی جیسا کہ انہوں نے خود بھی اسے "قیل" کے لفظ سے بیان کیا ہے۔ اس پایہ کا آدمی اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہہ کر "قیل" کے ساتھ اسے بیان نہیں کر سکتا، انہیں کوئی روایت ملی ہوگی جس کی بنا پر انہوں نے یہ لکھا ممکن ہے کہ ایسی کوئی روایت تلاش سے مل بھی جائے، میں نے اسے اس لئے قابلِ اعتبار سمجھا کہ ایک طرف تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت چھ یا سات سال اور رخصتانہ کے وقت نو سال ہونے میں یقیناً کچھ گڑ بڑ ہے۔ دوسرے بخاری کی بعض احادیث صاف بتاتی ہیں کہ بعثت کے پانچویں چھٹے سال میں وہ ہوش سنبھالے ہوئے تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آتے جاتے تھے اور اسی وقت انہوں نے سورۂ قمر کی آیت ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ﴾ کا نزول بھی یاد رکھا پس نکاح کے وقت ان کی عمر چھ یا سات سال ہونا کسی صورت میں صحیح نہیں بلکہ غالباً گیارہ بارہ سال کی عمر ہوگی۔ ممکن ہے مزید تحقیقات سے کچھ اور روشنی اس امر پر پڑ سکے۔ سردست اس اصرار کی وجہ سے جو بعض اطراف سے ہو رہا تھا میں نے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔

[محمد علی ۲۲ نومبر ۱۹۳۸ء]



حضرت سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر

مولانا محمد علی صاحب کے شبہات کا جواب

ناظرین! اوپر کا مضمون آپ ملاحظہ فرما چکے، اب اس ضمن میں میری گزارشوں پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے، جو گو کسی قدر طویل ہیں، تاہم فوائد سے خالی نہیں۔ سب سے پہلے میں اپنے شذرات (معارف) میں غالبؔ کے ایک مصرع کے لکھنے پر معافی چاہتا ہوں جس کو مولوی صاحب نے طنز و استہزاء سمجھا ہے حالانکہ اس کا درجہ شوخی تحریر تک ہے۔ مگر بہر حال میں اس ایک مصرع کی معافی چاہتا ہوں کہ اس تحریر و مراسلہ سے مقصود واقعہ کی تحقیق ہے نہ کہ کسی فریق کی دلآزاری اور استہزاء۔

اس کے بعد میں مولوی صاحب کی انصاف پسندی اور جرأت کی داد دیتا ہوں کہ انہوں نے نہایت صفائی کے ساتھ اپنے مسافحات کا اعتراف کیا، اور صاف لکھا کہ ان کے پاس بوقت نکاح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سولہ سال اور بوقت رخصتی سترہ سال کی عمر ہونے پر تاریخ وحدیث کی کوئی سند موجود نہیں ہے۔ اور یہ تسلیم کرلیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح شوال ۱۰ نبوی میں اور رخصتی شوال ۲ھ میں ہوئی اور بہت کھینچ تان کرنے کے بعد بھی یہی تسلیم کیا کہ نکاح کے وقت ان کی عمر نو برس کے بجائے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بار بار بیان ہے ۱۲ یا ۱۳ برس تھی، اور نکاح اور رخصتی میں تین برس کا نہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں، بلکہ

> ''ان کے نکاح اور رخصتانہ میں پورے پانچ برس کا فرق تھا، اور چار سال سے کم تو کسی صورت میں نہ تھا۔ اس لئے اگر ان کی عمر بوقت نکاح چھ یا سات سال مانی جائے جیسا کہ اکثر روایات میں ہے تو بوقت رخصتانہ نو سال کی عمر ہونا ناممکنات سے ہے۔
>
> اس سلسلہ میں چند امور کی طرف اشارہ کرنا ہے جس سے یہ ناممکن، ممکن ہوسکتا ہے۔''

① سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آغاز اسلام میں بلکہ عہد نبوت میں اور عہد صدیقی میں

سنہ کا رواج نہ تھا، سنہ کی ترتیب عہد فاروقی میں ہوئی ہے۔ پہلے یہ طریقہ تھا کہ ہجرت سے اتنے مہینہ پیشتر یا اتنے مہینے بعد یہ واقعہ ہوا۔ بعد میں لوگوں نے ان مہینوں سے سال بنالیا، پھر سنہ کی ترتیب قائم ہوگئی۔

② یہ جو مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد تیرہ برس مکہ میں رہے، اور یہ پورے تیرہ برس نہیں ہیں، بلکہ کسور کے ساتھ ہیں یعنی چند مہینوں کی کمی کے ساتھ۔

③ سنہ نبوی کو سنہ ہجری کے ساتھ جوڑنے میں ایک غلطی کثیر الوقوع ہے۔ وہ یہ ہے کہ لوگ سنہ ہجری کی خصوصیات سنہ نبوی پر بھی عائد کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ سنہ ہجری محرم سے شروع ہو کر ذی الحجہ پر تمام ہوتا ہے، مگر سنہ نبوی کا یہ حال نہیں ہے، وہ مبہم طریقہ سے کسی مہینہ سے شروع ہو کر ذی الحجہ پر تمام ہوتا ہے اور آخر میں محرم سے شروع ہو کر ربیع الاول پر تمام ہوتا ہے۔

④ قرآن پاک کے اشارات اور ابن اسحاق کی روایت کی بنا پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۱ھ نبوی رمضان سے شروع ہوا، تو گویا چار مہینے کے بعد ہی ذی الحجہ میں چار مہینوں پر تمام ہوا، اور آخری سال یعنی ۱۴ھ نبوی محرم اور صفر صرف دو مہینوں پر تمام ہوا۔ اس بنا پر سنہ نبوی درحقیقت بارہ برس اور چھ مہینوں پر مشتمل ہے جس کو تجوز عام میں ۱۳ برس کہہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

⑤ ہجرت کا آغاز ربیع الاول سے ہوا، مگر سنہ کی تدوین کے وقت دو مہینے آگے بڑھا کر محرم ۱۲ھ نبوی سے محرم ۱ھ ہجری کا آغاز ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سال کے حساب میں اگر تدقیق اور غور سے کام نہ لیا جائے تو دو مہینے مکرر پڑ جاتے ہیں۔ اسی لئے ۱۴ھ نبوی نہیں بولتے کیونکہ ۱۴ھ کے صرف دو مہینے ہیں، اور وہ ۱ھ ہجری میں داخل کر لئے گئے۔

⑥ اب سنہ نبوی کا حال یہ ہے کہ اس کا پہلا سال چار مہینہ کا، اس کے بعد ۱۲ سال بارہ

مہینوں پر مشتمل اور آخری سال دو مہینوں پر۔

⑦ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعات کو سنین سے تطبیق دینے میں مولانا محمد علی صاحب نے یہ سمجھا ہے کہ سنین اصل ہیں اور ان کی عمر کا شمار ان سنین پر متفرع، حالانکہ یہ صریحاً مغالطہ ہے۔ اصل ان کی عمر کا شمار ہے اور وہ بھی انہیں کے بتائے ہوئے سنین پر اور اس شمار پر لوگوں نے سنہ ہجری کو تطبیق دیا ہے، اور ان روایات کے بموجب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت چھ برس کی اور رخصتی کے وقت نو برس کی تھی اور بیوگی کے وقت اٹھارہ برس کی۔ اب سنہ ہجری کی تطبیق سے اس کا جو سنہ بھی لگائے، بعضوں نے پورے پورے ۱۲ مہینے کے سال لئے تو سنہ گھٹ گئے اور بعضوں نے نبوت کا پہلا سال چار مہینوں والا، آخری سال دو مہینوں والا اور ہجرت کا پہلا سال دس مہینوں والا لیا تو سنہ بڑھ گئے، اسی بنا پر بعض راوی کہتے ہیں کہ فلاں واقعہ ۱ھ کو ہوا دوسرا کہتا ہے ۲ھ میں ہوا، اس لئے خوب سمجھ لینا چاہئے کہ سنہ کا حساب اصل نہیں ہے بلکہ عمر کا حساب اصل ہے، اور اس سے حساب لگا کر راویوں نے سنہ بنایا ہے۔ اس لئے آپ سنہ کے حساب میں ترمیم کر سکتے ہیں مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے حساب میں ترمیم نہیں کر سکتے۔

نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر

مولانا محمد علی لکھتے ہیں:

> ”روایات کے بڑے حصہ کا اس بات پر اتفاق نظر آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت چھ یا سات سال کی تھی۔“

اس کے بعد آپ چھ یا سات سال برابر لکھتے گئے ہیں، حالانکہ صرف ایک مشکوک الحافظہ راوی نے اس وقت آپ کی عمر کا نو برس یا سات برس ہونا ظاہر کیا ہے، اور کہیں بھی سات برس نہیں ہے اس بنا پر یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ”روایات کے بڑے حصہ کا اس بات پر اتفاق نظر آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت چھ یا سات سال کی تھی۔“ بلکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ ایک دو روایتوں کے علاوہ تمام روایتیں اس پر متفق ہیں کہ چھ برس کے سن میں نکاح اور نو برس کے سن میں رخصتی اور ۱۸ برس

کی سن میں بیوگی ہوئی۔

مولانا نے ابن سعد کی یہ روایت نقل کی ہے کہ **تَزَوَّجَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَ هِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِيْنَ** (جلد ۸) آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو وہ نو برس کی تھیں لیکن اس کے بعد ہی کا فقرہ کیوں چھوڑ دیا کہ **وَمَاتَ عَنْهَا وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ سَنَةً یعنی** ''اور آپ ﷺ نے وفات پائی تو وہ اٹھارہ برس کی تھیں۔'' حالانکہ اسی بعد کے فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ راوی سے رخصتی کی جگہ نکاح کا لفظ کہنے میں صریح غلطی ہوئی ہے، اسی طرح سات برس کے سن میں نکاح ہونے کی جو روایت ہشام بن عروہ سے ہے، وہ صفحہ ۴۲ پر ناتمام ہے، مگر ۱۴۱ پر تمام ہے اور وہ یہ ہے کہ ''چھ یا سات میں نکاح ہوا اور نو میں رخصتی ہوئی۔'' مگر مولانا نے اس کامل روایت کے پورے فقرہ کا حوالہ نہیں دیا، تاکہ نو برس کی رخصتی کا واقعہ اس سے ثابت نہ ہو۔ جن ہشام بن عروہ سے نقل کرنے میں ابن سعد کے اس راوی کو اس بارہ میں وہم ہو رہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھ برس کی تھیں یا سات کی، انہیں کے صحیح و مستند راویوں کے بیان ہیں جن کی ابن سعد اور بخاری و مسلم میں روایتیں ہیں، مطلق وہم و تزلزل اس بات میں نہیں ہے کہ وہ نکاح کے وقت چھ برس کی اور رخصتی کے وقت نو برس کی تھیں۔

بہر حال نکاح کے وقت نو برس کا سن ہونا صرف ایک ضعیف الحافظہ راوی کے بیان کے علاوہ جو یہ کہتا ہے کہ ''نویں برس یا ساتویں برس نکاح ہوا۔'' اور کسی نے نو برس کا ہونا نہیں ظاہر کیا، اور جس دوسرے نے یعنی اسود نے نو برس میں نکاح ہونا بیان کیا ہو، ثابت ہو چکا ہے کہ اس سے اس کی مراد رخصتی ہے۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ ''نویں برس نکاح ہوا، اور اٹھارہ برس کی تھیں جب آنحضرت ﷺ نے وفات پائی۔'' اور ظاہر ہے کہ اگر نویں برس نکاح ہوتا اور تین برس کے بعد رخصتی ہوتی، اور اس کے بعد نو برس وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہیں تو وفاتِ نبوی ﷺ کے وقت وہ اٹھارہ کی بجائے اکیس برس کی ہوتیں اور یہ اس راوی کے بیان کے خلاف ہے۔

اب جس راوی (ہشام بن عروہ) سے ایک دو جگہ سات برس کے سن میں نکاح ہونا ابن سعد میں ہے۔ اسی سے متعدد صحیح ترین روایتوں میں بتصریح بلا شک وشبہ چھ برس کے سن میں نکاح اور نو برس کے سن میں رخصتی مروی ہے۔ بخاری و مسلم کا ہرگز لحاظ نہ کیجئے مگر صحیح اور کثیر روایتوں کا تو لحاظ کیجئے جن کی بنا پر یہ بالکل قطعی ہے کہ چھ برس کے سن میں نکاح ہوا اور نو برس کے سن میں رخصتی ہوئی۔ جو کوئی نکاح کی عمر سات برس بھی بتاتا ہے وہ رخصتی کی عمر نو ہی برس کہتا ہے اور سات کو ملا کر نکاح اور رخصتی

میں وہی تین برس کا فصل نکلتا ہے۔

اب آیئے دوسرے محققین کی طرح اس کو نبوی اور ہجری سنین سے تطبیق دے لیں۔ آپ نے تسلیم کر لیا ہے کہ ۱۰ نبوی میں نکاح ہوا۔ مہینہ کی بھی تصریح کر دیجئے تاکہ سنہ کے بنانے میں آسانی ہو، وہ بالاتفاق شوال کا مہینہ تھا۔ نکاح بھی شوال میں ہوا اور رخصتی بھی چند سال کے بعد شوال ہی میں ہوئی اور دونوں باتوں کے درمیان فصل بھی بالاتفاق تین برس ہوا۔ اب جن محققوں نے مثلاً علامہ عینی اور ابن عبدالبر نے رخصتی کا وقت شوال ۲ھ لیا ہے۔ انہوں نے نکاح کا زمانہ ۱۰ نبوی نہیں بلکہ ۱۱ نبوی لیا ہے اور جنہوں نے شوال ۱ھ رخصتی کا زمانہ لیا ہے، انہوں نے نکاح کا زمانہ شوال ۱۰ نبوی بتایا ہے اور اگر کسی ایک دو نے غلطی سے ایسا کیا ہے کہ تاریخ نکاح ۱۰ نبوی اور تاریخ رخصتی ۲ ہجری قرار دیا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ انہوں نے نبوت کا پہلا سال پورا کر کے آخری سال ۳۰ صفر ۱۴ نبوی کے بجائے ۳۰ صفر ۱۳ نبوی کو تمام کیا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شوال ۱۰ نبوی کا زمانہ نکاح مان کر شوال ۲ ہجری کے زمانہ رخصتی کو شوال ۱۰ نبوی کے تین برس بعد ہی قرار دیتے ہیں۔ آپ کی طرح چار پانچ برس نہیں قرار دیتے جو ناممکن ہے۔

آپ سال بڑھانے کی غرض سے یہ کرتے ہیں کہ نکاح کا سال تو دوسرے فریق کے حساب سے لیتے ہیں یعنی ۱۰ نبوی اور رخصتی کا سال پہلے فریق کے حساب سے لیتے ہیں یعنی ۲ھ اور یہ صریح غلطی ہے۔ ان دونوں میں سے کوئی فریق بھی ان دو واقعوں کے درمیان تین برس سے زیادہ کا فصل نہیں مانتا۔ اس بارہ میں انہیں دو بزرگوں کے اقوال اور تحقیقات پیش کرتا ہوں جن کو آپ نے مستند قرار دیا ہے، یعنی علامہ بدرالدین عینی اور حافظ ابن عبدالبر۔ جنہوں نے شوال ۲ ہجری کا زمانہ رخصتی کے لئے اختیار کیا ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

چنانچہ علامہ عینی جو یہ مانتے ہیں کہ شوال ۲ھ میں رخصتی ہوئی، انہوں نے شوال ۲ھ اس لئے تسلیم کیا کہ ان کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ نکاح ۱۰ نبوی میں نہیں بلکہ ۱۱ نبوی میں ہوا۔ اس لئے تین برس کے فصل کے ساتھ انہوں نے شوال ۲ھ تسلیم کیا۔ یہ نہیں کیا ہے کہ نکاح ۱۰ نبوی میں مان کر رخصتی ۲ھ میں تسلیم کیا ہو، جیسا کہ سالوں کے بڑھانے کے لئے آپ کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ اصل مبحث یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے متعلق بھی ان کا بیان محفوظ رکھیے:

تَزَوَّجَهَا رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِمَكَّةَ قَبْلَ الْهِجْرَةِ بِسَنَتَيْنِ، وَ قِيْلَ بِثَلاثٍ وَ قِيْلَ بِسَنَةٍ وَ نِصْفٍ اَوْ نَحْوِهَا فِيْ شَوَّالٍ وَ هِيَ بِنْتُ سِتِّ سِنِيْنَ وَ قِيْلَ سَبْعٍ وَ بَنٰى بِهَا فِيْ شَوَّالٍ اَيْضًا بَعْدَ وَقْعَةِ بَدْرٍ فِي السَّنَةِ الثَّانِيَةِ مِنَ الْهِجْرَةِ اَقَامَ فِيْ صُحْبَتِهٖ ثَمَانِيَةَ اَعْوَامٍ وَّ خَمْسَةَ اَشْهُرٍ وَ تُوُفِّيَ عَنْهَا وَ هِيَ بِنْتُ ثَمَانِيَ عَشَرَةَ وَ عَاشَتْ خَمْسًا وَ سِتِّيْنَ سَنَةً. [عمدۃ القاری جلد ا ص ۴۵]

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مکہ میں ہجرت سے دو سال پہلے اور کہا گیا کہ تین سال پہلے، اور کہا گیا کہ ڈیڑھ سال پہلے یا اس کے قریب شوال میں نکاح کیا۔ جب وہ چھ برس کی تھیں اور کہا گیا کہ سات برس کی تھیں اور ان کی رخصتی کرائی شوال میں واقعہ بدر کے ۲ھ میں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں آٹھ برس اور پانچ مہینے رہیں۔ جب آپ نے وفات پائی تو وہ اٹھارہ برس کی تھیں اور پینسٹھ برس کی عمر پائی۔''

دیکھئے علامہ عینی نے ہجرت سے دو سال پہلے یعنی شوال ۱۱ ؁ کا نکاح تسلیم کیا ہے اور باقی اقوال کو ضعیف قرار دیا ہے۔ جن لوگوں نے ہجرت سے تین سال قبل نکاح تسلیم کیا ہے وہ شوال ۱ ؁ میں رخصتی تسلیم کرتے ہیں۔ جو لوگ ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے کہتے ہیں وہ اس لئے کہ شوال ۲ھ میں ان کے نزدیک تین سال پورے ہو جاتے ہیں۔ الغرض یہ تمام سنین اسی تفصیل میں ہیں کہ نکاح اور رخصتی میں تین سال کا فصل قائم رہے۔ سنین کے تطابق کے جھگڑے کو چھوڑ کر اصل مبحث میں کہ وہ نکاح کے وقت چھ برس کی رخصتی کے وقت نو برس کی اور بیوگی کے وقت اٹھارہ برس کی تھیں، علامہ عینی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ

دوسرا حوالہ آپ نے علامہ ابن عبدالبر کا دیا ہوا ہے۔ بے شک انہوں نے استیعاب جلد دوم صفحہ ۷۶۵ (حیدر آباد) میں زبیر بن بکار کے حوالہ سے منجملہ دوسری روایتوں کے ایک روایت یہ لکھی ہے کہ ''شوال ۱۰ ؁ نبوی میں ہجرت سے تین سال پہلے نکاح ہوا اور مدینہ میں ہجرت سے اٹھارہ مہینے بعد شوال میں رخصتی ہوئی۔''

مگر یہ خود علامہ ابن عبدالبر کی تحقیق نہیں ہے۔ بلکہ ان کی کتاب کی منجملہ اور روایتوں کے ایک

روایت یہ بھی ہے کہ جو ابن شہاب زہری پر موقوف ہے، اور بھی اس میں نقائص ہیں۔ ان کی اصل تحقیق یہ ہے جس کو انہوں نے شروع میں اپنی طرف سے لکھا ہے:

وَتَزَوَّجَهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِمَكَّةَ قَبْلَ الْهِجْرَةِ بِسَنَتَيْنِ هٰذَا قَوْلُ اَبِیْ عُبَیْدَةَ وَ قَالَ غَیْرُهٗ بِثَلَاثِ سِنِیْنَ وَ هِیَ بِنْتُ سِتٍّ وَ قِیْلَ بِنْتُ سَبْعٍ.

"آنحضرت ﷺ نے ان سے مکہ میں ہجرت سے دو برس پہلے نکاح کیا یہ ابو عبیدہ کا قول ہے اور دوسرے نے کہا کہ تین برس پہلے نکاح کیا اور وہ اس نکاح کے وقت چھ برس کی تھیں اور کہا گیا ہے کہ سات برس کی تھیں۔"

اور سب سے آخر میں ان کا وہ بیان ہے جس کو وہ اجماعی کہتے ہیں۔

وَابْتَنٰی بِهَا بِالْمَدِیْنَةِ وَ هِیَ ابْنَةُ تِسْعٍ لَا اَعْلَمُهُمْ اِخْتَلَفُوْا فِیْ ذٰلِكَ

"اور ان کی رخصتی مدینہ میں ہوئی جب وہ نو برس کی تھیں اور مجھے علم نہیں کہ کسی نے بھی اس میں اختلاف کیا ہے۔"

یہی علامہ ابن عبدالبر اسی کتاب کے حصہ اول صفحہ ۱۹ (حیدر آباد) میں لکھتے ہیں:

تَزَوَّجَهَا بِمَكَّةَ قَبْلَ سَوْدَةَ وَ قِیْلَ بَعْدَ سَوْدَةَ اَجْمَعُوْا عَلٰی اَنَّهٗ لَمْ یَبْنِ بِهَا اِلَّا بِالْمَدِیْنَةِ قِیْلَ سَنَةَ هَاجَرَ وَ قِیْلَ سَنَةَ اِثْنَتَیْنِ مِنَ الْهِجْرَةِ فِیْ شَوَّالٍ وَ هِیَ ابْنَةُ تِسْعِ سِنِیْنَ وَ كَانَتْ فِیْ حِیْنِ عَقَدَ عَلَیْهَا بِنْتَ سِتِّ سِنِیْنَ وَ قِیْلَ بِنْتَ سَبْعِ سِنِیْنَ.

"ان سے نکاح مکہ میں ہوا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے پہلے اور کہا گیا ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے بعد۔ اس پر اتفاق ہے کہ رخصتی مدینہ ہی میں ہوئی۔ کہا گیا ہے کہ جس سال ہجرت فرمائی اسی سال (یعنی ۱ھ) اور کہا گیا ہے شوال ۲ھ اور اس وقت وہ نو برس کی تھیں اور عقد کے وقت چھ برس کی تھیں اور کہا گیا کہ سات برس کی تھیں"

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ سنہ اصل نہیں بلکہ عمر کا بیان اصل ہے اور اس سے سنین کی تعیین کی گئی ہے اور چونکہ سنین میں مہینے چھوٹے اور بڑھے ہیں، اس لئے لوگوں میں سنین کی تعیین میں اختلاف ہے لیکن نکاح کے وقت چھ برس اور رخصتی کے وقت نو برس میں اصلاً کسی محقق کو اختلاف نہیں ہے۔

صاحبِ مشکوٰۃ کا قول

افسوس ہے کہ مجیب نے آخر میں اس امر کو کہ ''کہا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی بہن اسماء سے دس برس چھوٹی تھیں، صاحب مشکوٰۃ کا قول بتایا ہے۔ حالانکہ مشکوٰۃ میں اس قسم کا کوئی قول نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مشکوٰۃ کے مؤلف کا ایک دوسرا مختصر سا رسالہ ''اسماء الرجال'' میں ہے۔ اس میں نسخہ کی غلطی یا کتابت کی غلطی یا نقل کی غلطی سے ایسا ''قیل'' یعنی ضعیف روایت کے طور پر لکھا ہے، جس کی صحت کی تائید اسلام کے کسی ایک مجموعہ سے نہیں ہوتی، چہ جائکہ معتبر احادیث سے ہو۔ جیسا کہ فریق نے کہا تھا۔ بہرحال ولی الدین خطیب تبریزی نے بحیثیت صاحب مشکوٰۃ نہیں، بلکہ بحیثیت ''صاحبِ اکمال فی اسماء الرجال'' ایسا ضعیف اور غیر مؤید قول ''قیل'' کر کے نقل کیا ہے۔ میں نے ''صاحب مشکوٰۃ'' کے لفظ سے اس لئے انکار کیا کہ عام لوگوں میں مشکوٰۃ شریف کو جو اہمیت حاصل ہے اس کی بنا پر ان کو شبہ ہوگا کہ شاید یہ کہیں مشکوٰۃ میں مذکور ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے، بہرحال اگر اب مشکوٰۃ اور اکمال کے مؤلف سے ہی آپ کو اس قدر حسنِ ظن ہے کہ ''اس پایہ کا آدمی اپنی طرف سے کوئی بات کہہ کر قیل کے ساتھ اسے بیان نہیں کر سکتا۔'' تو اس پایہ کا آدمی یقیناً ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ کو جن دو حدیثوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح اور رخصتی کی عمر میں مغالطہ ہوا، وہ ان سے بے خبر ہو، باایں ہمہ دیکھئے کہ وہ کیا کہتا ہے، اسی اکمال میں جس کو آپ اس پایہ کی کتاب سمجھتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حال میں ہے (یہ ملحوظ رہے کہ ان کے نزدیک قیام مکہ کا آخری زمانہ ۳۰ صفر ۱۳ھ نبوی ہے) یہ ملحوظ رہے کہ ہجرت سے تین سال قبل سے مقصود شوال ۳ھ قبل ہجرت ہے جو مطابق ۱۱ھ نبوی ہے اور ۲ھ قبل ہجرت مطابق ۱۲ھ نبوی اور ۱ھ قبل ہجرت مطابق محرم ۱۳ھ تا ۳۰ صفر ۱۲ھ نبوی صرف دو ماہ)

خَطَبَهَا النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَ تَزَوَّجَهَا بِمَكَّةَ فِیْ شَوَّالٍ سَنَةَ عَشَرٍ مِّنَ النُّبُوَّةِ قَبْلَ الْهِجْرَةِ بِثَلٰثِ سِنِیْنَ وَ قِیْلَ غَیْرُ ذٰلِكَ وَ اَعْرَسَ بِهَا بِالْمَدِیْنَةِ فِیْ شَوَّالٍ سَنَةَ اِثْنَتَیْنِ عَلٰی رَأْسِ ثَمَانِیَ عَشَرَ شَهْرًا وَلَهَا تِسْعُ سِنِیْنَ وَ قِیْلَ دَخَلَ بِهَا بِالْمَدِیْنَةِ بَعْدَ سَبْعَةِ اَشْهُرٍ مِّنْ مَّقْدَمِهٖ وَ بَقِیَتْ مَعَهٗ تِسْعُ سِنِیْنَ وَ مَاتَ عَنْهَا وَ لَهَا ثَمَانِیَ عَشْرَةَ سَنَةً.

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نسبت کی اور بیاہ کیا، شوال ۱۰ھ نبوی میں، ہجرت سے تین سال پہلے اور اس کے سوا بھی کہا گیا ہے (یعنی دو برس،

ڈیڑھ برس پہلے) اور آپ ﷺ نے ان کو رخصت کرایا مدینہ میں شوال ۲ھ میں، ہجرت کے اٹھارہ مہینے کے بعد اور وہ اس وقت نو برس کی تھیں اور کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو مدینہ میں مدینہ آنے کے سات مہینے بعد (یعنی شوال ۱ھ) میں رخصت کرایا، وہ آپ کے پاس نو برس رہیں اور جب آپ ﷺ نے وفات پائی تو وہ اٹھارہ برس کی تھیں۔''

لیجئے ولی الدین خطیب صاحب مشکوٰۃ وصاحب اکمال بھی اس باب میں وہی کہتے ہیں جو دنیا کہہ رہی ہے۔ پس ایسے اجماعی مسئلہ کا جو صرف بخاری نہیں بلکہ قرآن پاک کے سوا احادیث کے سارے صحاح، جوامع، مسانید، سنن، معاجم بلکہ اسلام کے سارے مذہبی، فقہی، تاریخی، حدیثی، سیرتی ذخیرۂ کتب وروایات کا متفق علیہ ومتواتر بیان ہو اس کی تکذیب اپنے چند غلط قیاسات سے کرنا کس قدر حیرت انگیز ہے۔

سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے استناد

مولانا نے میری تالیف سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی استناد کیا ہے، جس میں نکاح کا سال شوال ۱۰نبوی لکھا ہے، حالانکہ مولانا نے اگر غور کیا ہوتا تو واضح ہو جاتا کہ نبوت کا دسواں سال اس فرض پر لکھا گیا ہے کہ نبوت کا پہلا سال پورا لیا جائے اور تیرہویں سال میں ادھر صرف دو مہینے محرم اور صفر ڈالے جائیں تو اس حساب سے شوال ۱۰نبوی کے دو مہینے ذیقعدہ اور ذی الحجہ ہوئے۔ ۱۱نبوی کا ایک سال ۱۲نبوی کا ایک سال ۱۳نبوی کے دو ماہ کا کل دو سال چار مہینے، ہجرت سے پہلے اور ربیع الاول ۱ھ سے شوال ۱ھ تک آٹھ مہینے، کل ۳۶ مہینے ہوئے جن کے تین سال پورے ہوئے۔

لیکن دوسرا نظریہ یہ ہے کہ نبوت کے پہلے سال کو ناتمام رکھ کر تیرہویں سال کو پورا کر لیا جائے۔ سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں نبوت کا دسواں سال نکاح کا زمانہ لکھنے میں مجھے اعتراف ہے کہ مجھ سے ان دونوں نظریوں میں تخلیط ہوگئی ہے۔ نبوت کے دسویں سال کے اخیر کی جگہ گیارہویں سال کا اخیر لکھنا چاہئے اور غلطی خود اسی کتاب کی تصریحات سے بالکل ظاہر وواضح ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ مولانا جیسے دقیقہ رس اور نکتہ سنج پر یہ غلطی واضح نہیں ہوئی، کیوں کہ:

① اس کتاب کے صفحہ ۲۰ پر ان لوگوں کے قول کی تردید کے بعد جنہوں نے نبوت کے چوتھے سال کی پیدائش اور دسویں سال کے نکاح کا حساب جوڑا ہے۔ میں نے یہ لکھا ہے کہ:

''اس لحاظ سے ان کی ولادت کی صحیح تاریخ نبوت کے پانچویں سال کا آخری حصہ ہو گا، یعنی شوال ۹ھ قبل ہجرت مطابق جولائی ۶۱۴ء۔''

اب دیکھئے کہ جب شوال ۵ھ نبوی اور ۹ھ قبل ہجرت پیدائش کہہ رہا ہوں تو اس کے چھ برس بعد نکاح کی تاریخ شوال ۱۱ھ نبوی بالکل صاف ہے۔

② پھر صفحہ ۲۷ پر ہے کہ:۔

''اس لحاظ سے شوال ۳ھ قبل ہجرت مطابق مئی ۶۲۰ء میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا''

شوال ۳ھ قبل ہجرت مطابق مئی ۶۲۰ء وہی شوال ۱۱ھ نبوی ہوا۔

③ اس کے اسی صفحہ پر لکھتا ہوں:

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد تقریباً تین برس میکے میں رہیں، دو برس تین مہینے مکہ اور سات آٹھ مہینے ہجرت کے بعد مدینہ میں۔''

کس قدر صریح ہے کہ میں نکاح کے بعد قیامِ مکہ کے صرف دو برس تین مہینے فرض کر رہا ہوں جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ میں نکاح کو ۱۱ھ نبوی کا واقعہ قرار دے رہا ہوں۔

④ مزید تصریح کے لئے شمسی سال کا تطابق بھی لکھ دیا ہے کہ جولائی ۶۱۴ء میں ولادت (ص ۲۰) اور مئی ۶۲۰ء میں نکاح ہوا (ص ۲۷) ۶۱۵ء سے ۶۱۹ء تک پورے پانچ برس ہوئے اور جولائی ۶۱۴ء کے چھ مہینے اور مئی ۶۲۰ء کے پانچ مہینے کل گیارہ مہینے، غرض شمسی حساب سے (میرے مولویانہ تخمینی حساب سے) نکاح کے وقت ان کی عمر پانچ برس ۱۱ مہینے کی تھی۔

⑤ پھر میں نے اسی صفحہ ۲۷ پر ۳ھ قبل ہجرت نکاح کا سال لکھتے ہوئے کہا ہے کہ اسی کی توثیق علامہ ابن عبد البر نے بھی کی ہے، اب دیکھ لیجئے کہ جس قول کو انہوں نے اختیار کیا ہے، وہ کیا ہے وہ یہی ہے کہ ہجرت سے دو سال پیشتر (استیعاب جلد ۲ ص ۷۶۵) اور یہ تخمیناً ہے، ورنہ تدقیقاً دو سال چار مہینے ہوئے۔

ان تمام تصریحات سے صاف ظاہر ہے کہ سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا مصنف کے نزدیک نکاح شوال ۱۱ھ نبوی اور رخصتی شوال ۱ھ کا واقعہ ہے، شوال ۱۱ھ نبوی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال اور تین سال کے بعد شوال ۲ھ میں وہ نو برس کی تھیں۔ ۱۲ھ نبوی کا پورا سال ۱۳ھ نبوی کا پورا سال دو برس ہوئے، اور ۱۱ھ نبوی کے ذیعقدہ اور ذی الحجہ دو مہینے اور ۱۴ھ نبوی یعنی ۱ھ کے دس

مہینے، ۱۲ مہینے ہوئے، پورے تین سال کا فرق ہوا۔

سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے صفحہ ۲۸ پر میں نے لکھا ہے:

''جس دن یہ مختصر قافلہ دشمن کی گھاٹیوں سے بچتا ہوا مدینہ پہنچا، نبوت کا چودھواں سال اور ربیع الاول کی بارہویں تاریخ تھی۔''

ان تمام تصریحات کا صاف وصریح اقتضا یہ ہے کہ سیرت کے صفحہ ۲۷ پر جو نبوت کا دسواں سال لکھا ہے وہ درحقیقت گیارہواں سال ہے، دسواں نہیں، اور یہ ایک ایسی کھلی ہوئی لفظی غلطی ہے کہ مولانا محمد علی صاحب کے فضل وکمال کو دیکھتے ہوئے یقین نہیں آتا کہ وہ اس پر متنبہ نہ ہوئے ہوں۔

ہجرت سے تین برس پہلے شوال میں نکاح ہونا جو لوگ کہتے ہیں وہ درحقیقت لفظی تسامح میں مبتلا ہیں۔ ہجرت سے تین سال پہلے سے ان کا مقصود شوال ۳ھ قبل ہجرت ہے، نہ یہ کہ گن کر پورے تین سال، کہ گننے میں تو وہ صرف دو برس چار مہینے ہوں گے اور سنہ کہنے میں ۳ھ قبل ہجرت کہنا صحیح ہوگا کہ سنہ کہنے کے لئے پورے ۱۲ مہینے کا لینا ضروری نہیں اور سال کہنے میں پورے بارہ مہینوں کا تخیل آتا ہے۔ اسی بنا پر صحیح بخاری (باب تزویج عائشہ) میں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے جو یہ روایت ہے کہ:

تُوُفِّيَتْ خَدِيْجَةُ قَبْلَ مَخْرَجِ النَّبِيِّ ﷺ اِلَى الْمَدِيْنَةِ بِثَلَاثِ سِنِيْنَ فَلَبِثَ سَنَتَيْنِ اَوْ قَرِيْبًا مِنْ ذٰلِكَ وَ نَكَحَ عَائِشَةَ وَ هِيَ بِنْتُ سِتِّ سِنِيْنَ ثُمَّ بَنٰى بِهَا وَ هِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِيْنَ. [ج ۱، ص ۵۵۱]

''حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کے مدینہ کی طرف نکلنے سے تین سال پہلے انتقال کیا۔ پھر آپ دو برس یا اس کے قریب ٹھہرے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جب وہ چھ برس کی تھیں اور رخصتی کرائی جب وہ نو برس کی تھیں۔''

اس عبارت میں ہجرتِ مدینہ سے تین برس قبل جو کہا گیا ہے اگر اس سے پورے تدقیقی تین سال مراد لئے جائیں تو اس عبارت سے کہ ''پھر آپ دو برس یا اس کے قریب ٹھہرے'' یہ مطلب ہوگا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تخمیناً دو برس یا اس کے قریب اور تدقیقاً ڈیڑھ برس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔ یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ نبوی میں ماننا پڑے گی تاکہ ربیع الاول ۱۴ھ نبوی مطابق ربیع الاول ۱ھ میں پورے تین برس ان کی وفات کو ہو

جائیں۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اس کے ڈیڑھ برس بعد شوال ۱۲ نبوی میں ماننا پڑے گا۔ یعنی ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے جیسا کہ بعضوں نے مانا ہے، اور پھر رخصتی تین برس کے بعد شوال ۱۵ نبوی مطابق شوال ۲ ھ میں، یہ ایک قول ہے جس کی طرف محققین کی ایک جماعت گئی ہے، جس میں علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شامل ہیں۔ اس قول کے بموجب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ولادت شوال ۶ نبوی ماننی پڑے گی۔

دوسرا مطلب اس روایت کا یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہجرت سے تین برس پہلے تخمیناً ہوئی۔ یعنی ۳ قبل ہجرت اس لحاظ سے وفات رمضان ۱۱ نبوی میں ہوگی، یعنی ہجرت سے تدقیقاً ڈھائی برس پیشتر، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اس کے ایک ہی مہینہ کے بعد شوال ۱۱ نبوی میں ہوا، اور رخصتی شوال ۱۴ نبوی یعنی شوال ۱ ھ میں، اور اس بنا پر روایت کے اس فقرہ کا کہ ”پھر آپ دو برس یا ڈیڑھ برس ٹھہرے“ کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوجانے کے باوجود آپ کسی بیوی کے پاس ڈیڑھ دو برس تک نہیں گئے۔ پھر اس مدت کے بعد مکہ میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کی اور اس کے ڈیڑھ برس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔ اس حساب سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ولادت ۵ نبوی کا آخر ہوگا۔ نکاح کا زمانہ شوال ۱۱ نبوی ہوگا اور رخصتی کا زمانہ ۱ ھ ہوگا، حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے اس قول کو اختیار کیا ہے اور روایات کی تطبیق و مراجعت سے اسی کو صحیح ثابت کیا ہے۔

الغرض تمام محققینِ اخبار و سیر و آثار نے روایات اور ان کے مطالب کے اختلاف کی بنا پر سنین کی تعیین میں جو کچھ اختلاف کیا ہو، مگر اس امر میں اختلاف نہیں کیا ہے کہ وہ نکاح کے وقت چھ برس کی یا زیادہ سے زیادہ سات برس کی اور رخصتی کے وقت وہ نو برس کی تھیں۔ یعنی ان کی عمر کے شمار کی مطابقت میں سنین ترتیب دیئے ہیں۔ سنین کی مطابقت سے عمر کی تعیین نہیں کی ہے، دوسری عبارت میں یوں کہئے کہ ان کی عمر کا شمار اصل ہے اور نبوی و ہجری سنین کی تعیین فرع و نتیجہ ہے، یہ نہیں کہ ہجری و نبوی سنین اصل ہیں اور عمر کا شمار نتیجہ و فرع ہے، سنین میں اصلاح و ترمیم ہو سکتی ہے مگر عمر کے شمار میں نہیں ہو سکتی۔ هٰذَا هُوَ الْمَطْلُوْبُ.

فریق کے دو مؤیدات

اصل دلائل کے بعد اب مؤیدات کی بحث باقی ہے، گو کہ مجھے یہ حق پہنچتا ہے کہ میں بھی مجیب

کے مؤیدات کے جواب دینے سے اسی طرح احتراز کروں جس طرح اس نے میرے مؤیدات کے جواب دینے سے احتراز کیا ہے، حالانکہ وہ پورا مضمون جو معارف جولائی ۲۸ء میں چھپا ہے، اس کے ملاحظہ سے گزر چکا ہے، مگر صرف اس لئے کہ تحقیق حق ہو، میں مجیب کے دونوں قیاسی مؤیدات کا بھی جواب دیتا ہوں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ارادۂ ہجرت کے واقعہ سے استدلال

قیاس کا سلسلہ یہ ہے کہ صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ میں روایت ہے۔ جو مولوی صاحب کے ترجمہ کے مطابق یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "میں نے جب سے ہوش سنبھالا اپنے ماں باپ کو دین اسلام پر پایا، اور کوئی دن نہیں گزرتا تھا مگر رسول اللہ ﷺ صبح اور شام ہمارے ہاں آتے تھے، پھر جب مسلمانوں پر مصائب آئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سرزمینِ حبش کی طرف نکلے۔" مولوی صاحب ممدوح نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلی ہجرت (۵ نبوی والی) میں شرکت کرنی چاہی اور اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صاحب ہوش تھیں اور ہوش کے لئے پانچ چھ سال کا ہونا ضروری ہے۔ غالباً مولوی صاحب کے اس قیاس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ولادت ۱ نبوی بتائیں، یا اس سے بھی ایک سال پہلے۔

لیکن اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ حدیث میں الفاظ یہ ہیں "لَمْ اَعْقِلْ اَبَوَیَّ قَطُّ اِلَّا وَهُمَا یَدِیْنَانِ الدِّیْنَ" اس کا ترجمہ مولوی صاحب نے اپنے مطلب کے مطابق یہ کیا ہے کہ "جب سے میں نے ہوش سنبھالا اپنے ماں باپ کو دین پر پایا۔" حالانکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "میں نے اپنے ماں باپ کو نہیں پہچانا لیکن ان کو دین کی پیروی کرتے ہوئے" ہر عاقل سمجھ جاتا ہے کہ "میں نے جب سے ہوش سنبھالا۔" اور "میں نے جب سے اپنے ماں باپ کو سمجھا یا پہچانا" دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ "ہوش سنبھالنے" کا لفظ کسی قدر زیادہ سن کے لئے یا سنِ تمیز کے لئے بولا جاتا ہے۔ لیکن "جب سے میں نے اپنے ماں باپ کو سمجھا یا پہچانا۔" اتنے سن اور تمیز کو ظاہر نہیں کرتا۔ اس لئے اس لفظ سے ہمارے فریق کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہجرت کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پانچ چھ برس کے صاحب تمیز و ہوش ہونے پر استدلال صحیح نہیں۔

اس کے بعد اس حدیث کے متعلق مجھے دو حیثیت سے بحث کرنی ہے، ایک تو اپنے جاننے محد ثانہ بحث کرنا ہے، جسے خواص اور علمِ حدیث کے صاحبِ ذوق سمجھ سکتے ہیں اور دوسری عام اور

رواداری کی حیثیت سے۔

پہلا طریقہ

اصل یہ ہے کہ یہ حدیث چار ٹکڑوں سے مرکب ہے، ایک یہ ہے کہ "میں نے جب سے اپنے والدین کو جانا پہچانا ان کو دین کا پیرو پایا۔" دوسرا ٹکڑا "روزانہ صبح وشام کی آمد ورفت کا ہے۔" تیسرا "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہجرت حبشہ کے ارادہ کا ہے" اور چوتھا ٹکڑا "مدینہ منورہ کی ہجرت کا ہے۔" یہ حدیث ابن شہاب زہری سے مروی ہے۔ ان کی عادت ہے کہ اخبار وسیر کی روایات میں وہ ایک واقعہ کے مختلف واقعات متعلقہ کو تسلسل کے لئے جوڑ کر بیان کرتے ہیں۔ تمام بڑے بڑے واقعات میں انہوں نے یہی کیا ہے، مثلاً حدیث آغازِ وحی، حدیث سفیان وقیصر ومصاحبینِ قیصر، حدیث واقعۂ افک اور آخری واقعہ میں جیسا کہ بخاری میں ہے اور کتبِ سیر میں تو ہر جگہ انہوں نے اپنی اس روش کی تشریح کردی ہے۔

یہ حدیث کتبِ صحاح میں سے صرف صحیح بخاری میں ہے۔ امام بخاری نے اپنے دستور کے مطابق اس حدیث کو کہیں ایک ساتھ ٹکڑے کر کے، مختلف ابواب میں درج کیا ہے مثلاً کتاب المساجد، کتاب الکفالہ، کتاب الادب، باب عزوۃ الرجیع، کتاب الہجرۃ۔

کتاب الکفالۃ بروایت عقیل عن ابن شہاب الزہری صرف پہلا ٹکڑا ہے یعنی:

لَمْ اَعْقِلْ اَبَوَیَّ اِلَّا وَهُمَا یَدِیْنَانِ الدِّیْنَ.

"میں نے اپنے والدین کو جب سے پہچانا ان کو دین کا پیرو پایا۔"

نیز ابن سعد (ترجمہ ابی بکر) میں بھی بروایت زہری اتنا ہی ٹکڑا ہے۔ پھر صحیح بخاری باب الادب میں والدین کی شناخت، حضور کی روزانہ صبح وشام کی آمد اور پھر ہجرتِ مدینہ کا ذکر ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

لَمْ اَعْقِلْ اَبَوَیَّ اِلَّا وَهُمَا یَدِیْنَانِ الدِّیْنَ وَ لَمْ یَمُرَّ عَلَیْنَا یَوْمٌ اِلَّا وَ یَاْتِیْنَا فِیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بُکْرَةً وَّ عَشِیًّا فَبَیْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ فِیْ بَیْتِ اَبِیْ بَکْرٍ فِیْ نَحْرِ الظَّهِیْرَةِ قَالَ قَائِلٌ هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ سَاعَةٍ لَّمْ یَکُنْ یَّاْتِیْنَا فِیْهَا قَالَ اَبُوْبَکْرٍ مَا جَاءَ بِهٖ فِیْ هٰذِهِ السَّاعَةِ اِلَّا اَمْرٌ قَالَ اِنِّیْ اُذِنَ لِیْ الْخُرُوْجُ.

''میں نے اپنے والدین کو جب سے پہچانا اُن کو دین کا پیرو پایا اور رسول اللہ ﷺ کوئی دن ہم پر نہیں گزرا کہ صبح وشام ہمارے پاس نہ آئے ہوں، تو ہم ایک دفعہ ٹھیک دو پہر کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر (یا کمرہ) میں تھے کہ کسی کہنے والے نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں، ایسے وقت آئے کہ جو وقت آپ کی تشریف آوری کا نہ تھا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسی وقت آپ کسی خاص ضرورت سے تشریف لائے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ہجرت کی اجازت ہوگئی۔''

باب غزوۃ الرجیع میں ابن شہاب زہری سے نہیں بلکہ ابواسامہ بن عروہ سے جو روایت ہے۔ اس میں یہ سب کچھ نہیں ہے بلکہ قصہ کو صرف ہجرتِ مدینہ سے شروع کیا ہے۔ کتاب المساجد میں، پہلے والدین کی شناخت کے وقت سے مسلمان ہونے کا ذکر، پھر روزانہ صبح وشام کی تشریف آوری کا ذکر، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مسجد بنا لینے کا ذکر ہے۔ کتاب الہجرۃ میں حدیث کے پورے ٹکڑے یک جا ہیں، مگر ترتیب اس طرح ہے۔ پہلے والدین کی شناخت کے وقت ان کے مسلمان ہونے، پھر آپ کی روزانہ صبح وشام کی تشریف آوری، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ اور چند منزل کا سفر، ابن دغنہ کا پناہ دے کر ان کو واپس لانا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مسجد بنا کر نماز پڑھنا، ابن دغنہ کی پناہ سے نکل آنا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پھر ہجرت کے لئے اذن طلب کرنا، آپ کا منع کرنا اور ہجرت کی اجازت خدا کی طرف سے ملنے کا انتظار، پھر ہجرت کا سامان اور ہجرت۔

ہر وہ شخص جس کو امام بخاری کی تبویب اور احادیث کے ٹکڑوں کی ترتیب کے سلیقہ کا علم ہے۔ وہ جان سکتا ہے کہ خاص قرائن کے بغیر محض ترتیب اجزاء سے کسی مختلف الاجزاء حدیث سے کسی نتیجہ پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ فریق کا سارا استدلال اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے، جب والدین کی شناخت، حضور ﷺ کی روزانہ صبح وشام کی آمد کے بعد ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہجرت حبشہ کے ارادہ کا ہونا مسلم ہو، مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہے بلکہ ذرا غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ روزانہ صبح و شام کے وقت آنے کا تعلق، آپ کی ہجرتِ مدینہ کے دن خلافِ معمول آنے سے ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الادب کی روایت مذکورۂ بالا میں اور نیز کتبِ سیرت میں سے ابن اسحاق کی سیرت میں ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ لَا يُخْطِئُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ

يَأْتِي بَيْتَ أَبِي بَكْرٍ أَحَدَ طَرَفَيِ النَّهَارِ إِمَّا بُكْرَةً وَ إِمَّا عِشَاءً حَتَّى إِذَا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي أُذِنَ فِيهِ لِرَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْهِجْرَةِ وَالْخُرُوجِ مِنْ مَكَّةَ مِنْ بَيْنِ ظَهْرَيْ قَوْمِهِ أَتَانَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِالْهَاجِرَةِ فِي سَاعَةٍ كَانَ لَا يَأْتِي فِيهَا (ابن ہشام)

''ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ کوئی دن صبح یا شام کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آنے میں ناغہ نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت اور مکہ سے نکلنے کی اجازت ہوئی تو آپ ہمارے پاس دوپہر کو اس وقت آئے، جس وقت آپ آیا نہیں کرتے تھے۔''

ان اقتباسات سے یہ واضح ہوگا کہ اصل میں ان ٹکڑوں کی ترتیب یہ ہے کہ والدین کی شناخت، پھر صبح وشام کی آمد ورفت، پھر ہجرت کے دن معمول کے خلاف دوپہر کو تشریف آوری اور ہجرت مدینہ۔ اسی ہجرتِ مدینہ کی تقریب سے زہری نے یہ کیا کہ والدین کی شناخت سے ان کے مسلمان ہونے، حضور کی صبح وشام آمدرفت، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حبشہ کی ہجرت کے ارادہ اور چند منزل کے سفر اور واپسی اور بنائے مسجد، پھر ہجرتِ مدینہ کی تفصیلات کا ذکر کیا۔ اس ترتیب سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہجرتِ حبشہ کے ارادہ کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہوش وتمیز والی تھیں اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آیا کرتے تھے، بالکل بے بنیاد ہے۔ حالانکہ اگر ہم اس نتیجہ کو مان بھی لیں تو بھی جیسا کہ ہم ابھی بتا چکے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس وقت (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ارادہ ہجرتِ حبشہ) کے وقت ہوش وتمیز والی ہونا حدیث سے نہیں ثابت ہوگا بلکہ ان کا نکاح اس عمر میں ہونا کہ وہ والدین کو اچھی طرح پہچان سکیں اور ان کو کچھ کام کرتے ہوئے دیکھ کر یہ جان سکیں کہ یہ کچھ پڑھ رہے ہیں، اور اٹھ بیٹھ کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہجرتِ حبشہ کے ارادہ اور چند منزل کے سفر کے بیان کے موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کاموں میں اپنی کسی قسم کی شرکت نہیں ظاہر کرتیں، جیسا کہ ہجرتِ مدینہ کے موقع پر توشہ کے باندھنے میں اپنی بہن اسماء کے ساتھ شرکت ظاہر کر رہی ہیں۔

اصل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کی ترتیب یہ ہوگی کہ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہجرتِ حبشہ کا بیان، پھر اپنے والدین کی شناخت سے اسلام کا بیان، پھر آپ کی روزانہ صبح وشام کی

آمد کا بیان، پھر مدینہ کی ہجرت کا بیان، اس ترتیب پر میری دلیل بھی ہے۔ روزانہ صبح وشام کی آمد و رفت کے سلسلہ کا تو روایت کی رو سے ہجرت مدینہ کے دن دو پہر کو آنے کے ساتھ تعلق ظاہر ہو چکا۔ اور عقلاً بھی ظاہر ہے کہ حضور کی صبح وشام کی آمد سے ہجرت مدینہ کے دن دو پہر کو خلافِ معمول آنے سے ہے اور حبشہ کی ہجرت سے اس کو اصلاً تعلق نہیں ہے۔

ترتیب کے اس نکتہ کو ابن شہاب الدین زہری: نے کہیں کہیں ظاہر بھی کر دیا ہے۔ چنانچہ کتاب الادب [باب بل یزور صاحبه کل یوم ابوبکرة و عشیا] میں جس میں صحیح ترتیب ہے یعنی پہلے والدین کی شناخت کے وقت سے ان کے مسلمان ہونے کا، پھر آنحضرت ﷺ کی روزانہ صبح وشام آمد کا، پھر ہجرتِ مدینہ کے دن خلافِ معمول آمد کا ذکر ہے۔اس کی روایت یوں شروع ہوئی ہے:

حَدَّثَنِیُ عَقِیۡلٌ، قَالَ ابۡنُ شَهَابٍ اَخۡبَرَنِیُ عُرۡوَةُ بۡنُ الزُّبَیۡرِ اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتۡ لَمۡ اَعۡقِلۡ اَبَوَیَّ اِلَّا وَهُمَا یَدِیۡنَانِ الدِّیۡنَ وَلَمۡ یَمُرُّ عَلَیۡنَا یَوۡمٌ اِلَّا یَاۡتِیۡنَا فِیۡهِ رَسُوۡلُ اللهِ ﷺ طَرَفَیِ النَّهَارِ بُکۡرَةً وَ عَشِیًّا فَبَیۡنَا نَحۡنُ جُلُوۡسٌ فِیۡ بَیۡتِ اَبِیۡ بَکۡرٍ فِیۡ نَحۡرِ الظَّهِیۡرَةِ حَتّٰی قَالَ قَائِلٌ هٰذَا رَسُوۡلُ اللهِ فِیۡ سَاعَةٍ لَمۡ یَکُنۡ یَاۡتِیۡنَا فِیۡهِ فَقَالَ اَبُوۡبَکۡرٍ مَاجَاءَ بِهٖ فِیۡ هٰذِهِ السَّاعَةِ اِلَّا اَمۡرٌ قَالَ اِنِّیۡ اُذِنَ لِیۡ فِی الۡخُرُوۡجِ.

”مجھ سے عقیل نے کہا، ابن شہاب زہری نے کہا تو مجھ سے عروہ بن زبیر نے بیان کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے اپنے والدین کو نہیں پہچانا، لیکن یہ کہ وہ دونوں دینِ اسلام کی پیروی کر رہے تھے اور کوئی دن ہم پر ایسا نہیں گزرا کہ اس میں رسول اللہ ﷺ صبح اور شام دن کے دونوں کناروں میں نہ آتے ہوں۔ تو ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں ٹھیک دو پہر کو بیٹھے تھے کہ ایک کہنے والے نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ آ رہے ہیں اس گھڑی میں، جس میں وہ نہیں آتے تھے۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا اس وقت آپ کو نہیں لائی ہو گی لیکن کوئی ضرورت۔ آپ ﷺ نے کہا کہ مجھے ہجرت کی اجازت دی گئی۔“

دیکھیے اس میں پہلے والدین کی شناخت سے ان کا اسلام، پھر روزانہ صبح وشام کی آمد و رفت،

پھر ہجرتِ مدینہ کے دن خلافِ معمول دوپہر کو آنا بیان کیا ہے مگر حبشہ کی ہجرت کے ارادے کا ذکر نہیں ہے۔لیکن شروع روایت پر نظر کیجئے کہ وہاں ابن شہاب زہری اخبرنی عروۃ ''مجھ سے عروہ نے یہ بیان کیا'' نہیں ہے بلکہ فاخبرنی عروۃ تو، یا، پس یا اس کے بعد مجھ سے عروہ نے مجھ سے یہ بیان کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ارادۂ ہجرتِ حبشہ کا ٹکڑا، والدین کی شناخت سے ان کے مسلمان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روزانہ آمد کے ذکر سے پہلے تھا۔جو اس باب میں بے تعلق ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا۔اور کتاب الہجرۃ میں بھی جہاں پہلے والدین کی شناخت، پھر روزانہ آمدورفت، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہجرتِ حبشہ پھر ہجرتِ مدینہ کا ذکر ہے، روایت کے شروع میں ایسا ہی کیا ہے یعنی اخبرنی، مجھے خبر دی نہیں، بلکہ فاخبرنی ہی کہا ہے۔جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس سے اوپر کچھ بات تھی۔جس کی ترتیب کی رعایت نہیں کی گئی ہے۔ فافہم.

تسلیم کر کے جواب:

لیکن چونکہ میرے اس جواب کو صرف اشارات اور بخاری کے اجزائے حدیث کی ترتیب اور بعض قرائن پر مبنی ہے۔جس کا تسلیم کرنا صرف حدیث کے ذوق پر مبنی ہے۔اس لئے میں فریق کو اس کے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا، بلکہ میں ہی تسلیم کر لیتا ہوں کہ واقعات کی ترتیب وہی ہے جو کتاب الہجرۃ میں ہے، یعنی پہلے والدین کی شناخت سے ان کے مسلمان ہونے کا ذکر، پھر روزانہ آمدورفت کا ذکر، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہجرت کا بیان ہے۔تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث کی رو سے یہ کیونکر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کے ارادہ کا زمانہ ۵ھ نبوی ہے۔اس حدیث میں تو کوئی لفظ ایسا نہیں ہے۔جس میں وقت اور زمانہ کی تعیین ہو۔سب جانتے ہیں کہ ہجرت حبشہ کا واقعہ دو دفعہ پیش آیا۔ایک ۵ نبوی میں جس کو ''ہجرت اولیٰ'' کہتے ہیں، دوسرے ۷ نبوی میں جس کو ''ہجرت ثانیہ'' کہتے ہیں اور اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم شعب ابی طالب میں چلے گئے ہیں۔پھر ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہجرت حبشہ کے ارادہ کے لئے ۵ھ نبوی ماننے پر مجبور کیوں ہیں؟ کیوں نہ ہم اس کے چند سال بعد مانیں، حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے زمانہ کی تعیین پر استدلال کر سکیں۔

فریق کہہ سکتا ہے کہ اس میں ایک لفظ ایسا ہے اور وہ ''فَلَمَّا ابْتُلِیَ الْمُسْلِمُوْنَ'' جب مسلمانوں پر مصیبتیں آئیں یا مسلمان ستائے گئے، تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا۔

لیکن یہ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کے ستائے جانے کا زمانہ صرف ۵ھ نبوی تھا۔ ستائے جانے کے زمانے اور مراتب مختلف رہے۔ غلام وبیکس اور بے مددگار لوگ شروع ہی سے جب سے اسلام کا اعلان کیا گیا، ستائے جانے لگے۔ ان سے بڑے لوگوں کے ستائے جانے کی باری اس وقت آئی جب کفارِ مکہ کو مسلمانوں کی ہجرت حبشہ کرنے کا حال معلوم ہوا اور اپنی کوششوں میں ان کو ناکامی ہوئی، اور یہ ۷ھ نبوی میں ہوا۔ جب بیاسی مسلمانوں نے ہجرت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شعب ابی طالب میں چلے گئے اور اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ میں باوجود اپنی جاہ ومرتبہ کے تنہا سے معلوم ہونے لگے ہوں گے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی جسمانی تکلیف کا واقعہ ۱۰ھ نبوی کے بعد ہوا۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا، اور سختیاں سب سے زیادہ اس وقت ہونے لگیں، جب کفارِ مکہ کو مدینہ میں اسلام کی اشاعت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اُدھر ہجرت کرنے کا آغاز ہوا، جو ۱۱ھ نبوی سے شروع ہو گیا تھا، اس لئے ''جب مسلمانوں پر سختیاں ہوئیں'' سے ۵ نبوی کی تخصیص کیونکر ہو گئی؟ مسلمانوں کے ستائے جانے کی مدت تو پوری تیرہ برس ہے اور ان تمام برسوں میں سے ہر ایک برس ہے۔ چنانچہ قیام مکہ کے آخری سالوں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ستائے جانے کا ذکر اسی ہجرتِ مدینہ کے تعلق سے، انہیں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی اسی بخاری میں مذکور ہے:

قَالَتْ اِسْتَاذَنَ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم اَبُوْبَكْرٍ فِیْ الْخُرُوْجِ حِیْنَ اشْتَدَّ عَلَیْهِ الْاَذٰی فَقَالَ لَهٗ اَقِمْ. [باب غزوۃ الرجیع]

''کہتی ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ سے نکل جانے کی اجازت چاہی، جب ان کو سخت اذیت دی جانے لگی۔ تو آپ نے فرمایا ٹھہرو، مجھے بھی ہجرت کی اجازت خدا سے ملنے والی ہے (پھر ہجرت مدینہ کا ذکر ہے)۔''

دیکھئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ۵ھ نبوی میں نہیں بلکہ ۱۳ھ میں سخت تکلیف دی جا رہی ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ فَلَمَّا ابْتُلِیَ الْمُسْلِمُوْنَ ''جب مسلمانوں کو تکلیف دی گئی'' سے خوامخواہ ۵ھ نبوی مراد لینا ضروری نہیں، اور اس لئے اس لفظ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ارادۂ ہجرتِ حبشہ کی تاریخ ۵ نبوی معین کرنے پر دلیل نہیں حاصل کی جا سکتی۔

آگے بڑھ کر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سنہ ۵ھ نبوی والی ہجرتِ حبشہ اولی

میں شرکت کی نہ ےہ والی ہجرتِ حبشہ ثانیہ میں ہجرت کی، کہ ان دونوں موقعوں پر جمیعتوں کے ساتھ سفر ہوا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تنہا نکلے، یہ دونوں قافلے جدہ سے گئے اور آئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یمن کی طرف برک الغماد سے رخ کر رہے ہیں۔ چنانچہ علمائے سیر اور محدثین میں سے جو لوگ حدیث ہجرت جس سے فریق کو مغالطہ ہو رہا ہے اس کے جوڑ اور بند کو سمجھتے ہیں۔ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس ہجرت حبشہ کے ارادہ کا زمانہ ۵ہ نبوی میں نہیں ےہ نبوی نہیں، بلکہ اس کے بعد متعین کیا ہے۔ چنانچہ ابن اسحاق نے اس کا ذکر ہجرت ثانیہ کے بعد، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شعب ابی طالب میں بھی جانے کے بعد، اور نقض صحیفہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شعب ابی طالب سے ۹ہ یا ۱۰ہ نبوی میں نکلنے کے فوراً ہی متصل پہلے ذکر کیا ہے اور یہ روایت کی:

وَ قَدْ كَانَ اَبُوبَكْرٍ صِدِّيْقِ كَمَا حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمِ الزُّهْرِيُّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ حِيْنَ ضَاقَتْ عَلَيْهِ مَكَّةُ وَ اَصَابَهٗ فِيْهَا الْاَذٰى وَ رَاى مِنْ تَظَاهُرِ قُرَيْش عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ اَصْحَابِهٖ مَارَاى اِسْتَاذَنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِى الْهِجْرَةِ فَاَذِنَ لَهٗ فَخَرَجَ.......الخ

''اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جیسا کہ مجھ سے بیان کیا، محمد بن مسلم (یعنی ابن شہاب زہری) نے عروہ اور عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ پر مکہ کی زمین تنگ ہوگئی اور ان کو تکلیف ہوئی اور دیکھا کہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تکلیف دینے پر سب مل کر ایک ہوگئے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نکلے......''

دیکھئے یہ وہی روایت ہے، وہی سند ہے، وہی تمام رواۃ ہیں۔ جنہوں نے بخاری کی کتاب الہجرۃ کی وہ ملی جلی روایت بیان کی ہے، جس سے فریق کو مغالطہ ہوا۔ ابن اسحاق نے حضور کی روزانہ صبح و شام کی آمد و رفت کے ٹکڑا کو صحیح طور سے ہجرت مدینہ کے ساتھ رکھا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہجرت حبشہ کے ارادہ کے وقت اس کو نہیں رکھا کہ اس سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ خوشی ہے کہ ہمارے فریق نے نہایت رواداری کے ساتھ بالاعلان کہہ دیا ہے کہ بخاری اور غیر بخاری میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے ابن اسحاق کے مقابلہ میں بخاری کے نام سے ظاہر ہے کہ وہ مرعوب نہ ہوگا۔ حالانکہ بخاری کتاب الادب میں بھی وہی ترتیب ہے جو ابن اسحاق میں ہے اور تکلیف وایذا کا زمانہ بھی ۵ہ نبوی

نہیں رکھا بلکہ بعد۔

محدثین میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا جو پایہ ہے خصوصاً صحیح بخاری کے رموز واشارات کے سمجھنے میں جو ان کو کمال ہے اس کی بنا پر ان کو شہادت میں پیش کرنا ضروری ہے۔ آیئے دیکھیں کہ وہ فَلَمَّا ابْتُلِیَ الْمُسْلِمُوْنَ۔ ''جب مسلمانوں کو تکلیف دی گئی'' سے کون سا زمانہ مراد لیتے ہیں:

فَلَمَّا ابْتُلِیَ الْمُسْلِمُوْنَ اَیْ بِاَذَی الْمُشْرِکِیْنَ لَمَّا حَصَرُوْا بَنِیْ هَاشِمٍ وَالْمُطَّلِبِ فِیْ شَعْبِ اَبِیْ طَالِبٍ وَ اَذِنَ النَّبِیُّ ﷺ لِاَصْحَابِهٖ فِی الْهِجْرَةِ اِلَی الْحَبْشَةِ کَمَا تَقَدَّمَ بَیَانُهٗ خَرَجَ اَبُوْبَکْرٍ مُهَاجِرًا اِلٰی اَرْضِ الْحَبْشَةِ اَیْ لِیَلْحَقَ بِمَنْ سَبَقَ اِلَیْهَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ [ج۷،ص۱۸۰]

''جب مسلمانوں کو تکلیف دی گئی یعنی مشرکوں کا ستانا، جب انہوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا، اور آنحضرت ﷺ نے اپنے رفیقوں کو ہجرتِ حبشہ کی اجازت دی، جیسا اوپر بیان گزرا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کے لئے نکلے یعنی تاکہ جو مسلمان حبشہ پہلے جا چکے ہیں ان کے ساتھ مل جائیں۔''

اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ جو لوگ حدیث کے اجزاء کو اچھی طرح سمجھتے ہیں انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہجرتِ حبشہ کے ارادہ کا وقت مسلمانوں کی عام ہجرتِ حبشہ کے بعد اور شعب ابی طالب کی محصوری کے بعد کا زمانہ بتایا، یعنی ۷ ـہ نبوی کے بعد، ممکن ہے ۸ ـہ نبوی ہو یا ۹ ـہ نبوی ہو (نقض صحیفہ سے پہلے) اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اگر ۴ ـہ نبوی کی ولادت کا حساب ہو جو ابن سعد وغیرہ نے لگایا ہے تو ۸ ـہ نبوی میں بھی ان کی عمر کا پانچواں سال ہوگا، اور میری تحقیق کی بنا پر کہ ۵ ـہ نبوی کی ولادت مانتا ہوں، ان کی عمر کا چوتھا سال ہوگا، اور باوجود اس کے کہ والدین کی شناختِ اسلام اور آنحضرت ﷺ کی روزانہ صبح و شام کی آمد کا میرے نزدیک اس ہجرتِ حبشہ کے ارادہ سے قطعاً تعلق نہیں۔ تاہم میں کہتا ہوں کہ ایک مستثنیٰ حافظہ اور ہوش و گوش والی لڑکی کے لئے چوتھا سال اس بات کے لئے کافی ہے کہ وہ اپنے والدین کو نماز پڑھتے دیکھے یا قرآن پڑھتے سنے، تو ان کاموں کو یاد رکھے اور زیادہ تمیز آنے پر یہ سمجھے کہ یہ مسلمانوں کے کام کرتے تھے۔ هٰذَا هُوَ الْمُرَادُ.

دوسرا عام طریقہ

دوسرا عام طریقہ جس کا میں نے اوپر حوالہ دیا تھا، وہ یہ ہے کہ پوری حدیث ایک مسلسل واقعہ ہے اور اسی ترتیب سے ہے، جیسی بخاری کتاب الہجرۃ میں ہے۔ جن محدثین اور ارباب سیر کی نظر احادیث کے ان اجزاء پرنہیں پڑی اور انہوں نے اس حدیث کو مسلسل و مرتب واقعہ مانا ہے۔ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس ہجرت کے ارادہ کا زمانہ ۵ھ نبوی نہیں جیسا کہ فریق مجیب نے کہا ہے بلکہ ۱۳ھ نبوی قرار دیا ہے اور جو بھی اس پر سرسری نظر ڈالے گا وہ یہی سمجھے گا، اور اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں ناظرین کے سامنے اس متنازع فیہ حدیث کا لفظی ترجمہ کروں گا، اور اہم امور کو روایت کے اصل الفاظ میں ادا کروں، اور وہ یہ ہیں:

"ابن شہاب زہری نے کہا کہ مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے اپنے ماں باپ کو نہیں پہچانا، لیکن ان کو دین کی پیروی کرتے ہوئے، اور ہم پر کوئی دن نہیں گزرا لیکن یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں دن کے دونوں کناروں میں صبح و شام ہمارے ہاں آتے تھے، تو جب مسلمانوں کو تکلیف دی گئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے حبشہ کی طرف چلے، یہاں تک کہ جب برک الغماد پہنچے تو ان کو ابن دغنہ ملا جو قارہ کا سردار تھا۔ اس نے پوچھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کدھر کا ارادہ ہے؟ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھ کو میری قوم نے نکال دیا، تو چاہتا ہوں کہ زمین میں چل پھر کر اپنے رب کو پوجوں۔ ابن دغنہ نے کہا کہ آپ جیسا آدمی نہیں نکل سکتا، یا نہیں نکالا جا سکتا۔ آپ غریب کی مدد کرتے ہیں، رشتہ داروں کا حق ادا کرتے ہیں، قرض دیتے ہیں، مہمانی کرتے ہیں، لوگوں کی مصیبتوں میں کام آتے ہیں، آپ جیسا آدمی نہیں نکل سکتا، یا نہیں نکالا جا سکتا۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ لوٹے اور ابن دغنہ آپ کے ساتھ چلا۔ پھر قریش کے اشراف میں شام کو گھوما، پھر ان سے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے آدمی نہیں نکالے جا سکتے، کیا ایسے شخص کو نکالتے ہو جو غریب کی مدد کرتا ہے (صفات مذکورہ گنائے) تو قریش نے ابن دغنہ کی پناہ کو نہیں جھٹلایا اور انہوں نے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ اپنے رب کو اپنے گھر میں پوجیں اور اسی میں نماز پڑھیں اور جو چاہیں پڑھیں، ہم کو اس سے آزار نہ پہنچائیں اور نہ اس نماز قرأت کا اعلان کریں کیوں کہ ہم کو اپنی عورتوں اور لڑکوں کا ڈر ہے کہ وہ نہ کہیں بہک جائیں (یعنی اسلام

کے اثر میں نہ آ جائیں) تو ابن دغنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اس پر ٹھہرے فَلَبِثَ اَبُوْبَکْرٍ بِذٰلِکَ اپنے رب کو اپنے گھر میں پوجتے رہے، اور اپنی نماز کو اعلان کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔ اور اپنے گھر کے سوا کہیں قرآن نہیں پڑھتے تھے۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے بدل گئی تو اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی اور اس میں نماز قرآن پڑھنے لگے، تو مشرکین کی عورتیں اور بچے ان پر ٹوٹنے لگے اور وہ تعجب کرتے تھے اور ان کو دیکھتے تھے، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ قرآن پڑھتے تو روتے تھے، اور ان کو اپنی آنکھوں پر قابو نہ رہتا۔ اس امر نے قریش کے سرداروں کو گھبرا دیا، تو انہوں نے ابن دغنہ کو کہلا بھیجا، وہ آیا، تو انہوں نے کہا کہ ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تمہاری پناہ دینے سے اس شرط پر پناہ دی تھی کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کیا کریں۔ اب انہوں نے اس سے تجاوز کیا، اب انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنا لی ہے، نماز اور قرآن زور سے اس میں پڑھتے ہیں، اور ہم کو اپنی عورتوں اور لڑکوں کے فتنہ میں پڑنے کا ڈر ہے۔ تو ان کو روک دو، اگر اس بات پر رک جائیں کہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں تو وہ کریں، اور اگر انکار کریں تو ان سے کہو کہ تمہاری ذمہ داری واپس کر دیں، کیونکہ ہم کو تمہاری ذمہ داری کو توڑنا پسند نہیں، اور ہم کبھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اعلان کے ساتھ نماز اور قرآن پڑھنے نہیں دے سکتے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ابن دغنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ کس شرط پر میں نے تم سے معاہدہ کیا تھا تو یا تو باز آ جاؤ یا میری ذمہ داری واپس کر دو، کیونکہ میں پسند نہیں کرتا کہ عرب سنیں کہ میں نے کسی سے معاہدہ کیا اور وہ توڑا گیا۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمہاری پناہ واپس کرتا ہوں، اور خدا کی پناہ مجھ کو کافی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں مکہ ہی میں تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا کہ مجھے خواب میں تمہاری ہجرت کا مقام چھوہاروں والی دو پہاڑیوں کے بیچ کی زمین دکھائی گئی ہے تو جس نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور عموماً صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی مدینہ کی طرف واپس آئے، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کی تیاری کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی ٹھہرو کہ مجھے

بھی امید ہے کہ اجازت دی جائے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کے لئے روکے رکھا اور دو اونٹنیوں کو خبط کے پتے چار مہینے تک کھلائے۔ ابن شہاب نے کہا کہ عروہ نے کہا کہ ان سے عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا، تو ہم ایک دن ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کمرہ میں ٹھیک دو پہر کو بیٹھے تھے کہ کسی کہنے والے نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرہے ہیں، منہ پر چادر ڈالے اس گھڑی میں جس میں آپ نہیں آیا کرتے تھے، تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا میرے ماں باپ قربان، خدا کی قسم! آپ کو اس گھڑی نہیں لایا لیکن کوئی اہم کام، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تمہارے پاس اس وقت ہو اس کو علیحدہ کر دو، عرض کی میرا باپ قربان، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی اجازت کا حال سنایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اسماء رضی اللہ عنہا نے مل کر سامان درست کیا۔"

میں نے عام ناظرین کے سامنے روایت کے پورے الفاظ رکھ دیئے، جو اہل نظر ہیں انہوں نے اس حدیث کے مختلف ٹکڑوں کو پہچان لیا ہوگا کہ اپنے والدین کی شناخت سے ان کو اسلامی کام کرتے ہوئے دیکھنا، ایک ٹکڑا ہے۔ روزانہ صبح و شام آمد کا تعلق ہجرت کے دن دوپہر کے آنے سے ہے، بیچ میں ہجرت کے تعلق سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ہجرتِ حبشہ کے ارادہ کا ذکر ہے۔ پھر ہجرت مدینہ کا بیان شروع ہوتا ہے مگر بہر حال مجھ کو تو یہاں ایک سرسری حیثیت سے اس حدیث پر گفتگو کرنا ہے۔

ایک حد تو متفقاً متعین ہے کہ مدینہ کی ہجرت کا واقعہ ۱۴ھ نبوی یعنی قیام مکہ کے آخری سال کا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث کے تمام ٹکڑے وقوع اور پیش آنے میں مسلسل اور ملے ہوئے بلا فصل ہیں یا ان میں جوڑ، فصل اور عدم تسلسل ہے۔ اگر جوڑ اور فصل ہے تو لازم آتا ہے کہ یہ مانیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شناختِ والدین کا واقعہ الگ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روزانہ آمد و رفت کا واقعہ الگ ہے۔ ہجرت حبشہ کے ارادے کا واقعہ الگ، اور سب سے آخر ہجرت مدینہ کا واقعہ الگ ہے۔ تو اس صورت میں فریق کا یہ قیاس واستنباط کہ وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ہجرت حبشہ کے ارادے کے وقت ہوش و تمیز کی حالت میں تھیں، بالکل بے بنیاد ہے، اور اگر یہ مانا جاتا ہے کہ یہ واقعات اپنے وقوع میں مسلسل اور بلا فصل پیش آئے ہیں تو ظاہراً صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام واقعات ہجرتِ

مدینہ کے واقعہ کے قرب میں پیش آئے ہیں، واقعات کا تسلسل جو روایت میں مذکور ہے وہ ادھر ہی لئے جاتا ہے۔

فریق یہ کرتا ہے کہ پہلا اور دوسرا ٹکڑا یعنی والدین کی شناخت اور ہجرت حبشہ کے ارادہ کو تو شروع میں اٹھا کر لے جاتا ہے، یعنی ۵ھ نبوی میں، اور آخری یعنی مدینہ کی ہجرت کے واقعہ کے زمانہ کو چونکہ بڑھا گھٹا نہیں سکتا، اس لئے اس کو ۱۴ھ نبوی میں قائم رکھتا ہے اور دونوں کے بیچ میں آٹھ نو برس کا فصل قرار دیتا ہے، جو کسی طرح روایتِ الفاظ سے ثابت نہیں ہوسکتا اور اتنے بڑے فصل کی گنجائش اس کو مسلسل و مربوط واقعہ مان کر نہیں نکالی جا سکتی۔ عبارت کا حرف حرف ناظرین کے سامنے ہے پڑھ لیں فَلَبِثَ "پس ٹھہرے ابوبکر رضی اللہ عنہ" سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آٹھ نو برس کے توقف کا زمانہ مراد ہے کہ اتنے عرصہ تک انہوں نے چپ چاپ گھر میں نماز پڑھی، پھر اعلان کیا۔ یا یہ کہ اعلان تو جلدی کیا ہو مگر قریش آٹھ نو برس تک صبر کرتے رہے، دو میں کوئی بات صاف نہیں ثابت ہو سکتی، پھر اس میں نماز اور تلاوت کا ذکر ہے۔ ۵ نبوی میں جبکہ تین برس کی فترت کے بعد قرآن کے نزول کو دوسرا ہی سال تھا اتنا قرآن نہیں ہوسکتا جو تلاوت اور قرأت میں آئے اور نہ اس وقت باقاعدہ نماز شروع ہوئی تھی (باقاعدہ پانچ وقت کی نماز معراج میں فرض ہوئی تھی)۔ ان قرینوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۵ نبوی کا واقعہ نہیں ہوسکتا، بلکہ آخری سالوں کا ہے۔ چنانچہ محدثین اور علمائے سیر میں سے جن لوگوں نے اس حدیث کے ظاہری ربط و تسلسل کا خیال کیا ہے انہوں نے ۱۳ نبوی کا واقعہ قرار دیا ہے۔ سیرت حلبی علامہ برہان الدین حلبی لکھتے ہیں۔

وَفِي السَّنَةِ الثَّالِثَةَ عَشَرَ مِنَ النُّبُوَّةِ كَانَتْ بَيْعَةُ الْعَقَبَةِ الثَّانِيَةِ وَفِي هٰذِهِ السَّنَةِ اَرَادَ اَبُوْبَكْرٍ اَنْ يُّهَاجِرَ لِلْحَبْشَةِ فَلَمَّا بَلَغَ بَرْكَ الْغِمَادِ.

[جلد ۳، ص ۳۰۶ مصر]

"اور ۱۳ھ میں عقبہ ثانیہ کی بیعت ہوئی اور اسی سال ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو جب برق الغماد پہنچے۔"

تاریخ خمیس فی احوال انفس نفیس میں علامہ حسین بن احمد دیار بکری ۱۳ھ نبوی کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

وَفِي هٰذِهِ السَّنَةِ هَاجَرَ اَبُوْبَكْرٍ اِلَى الْحَبْشَةِ رُوِيَ لَمَّا ابْتُلِيَ

الْمُسْلِمُوْنَ. [جلد اول، ص ۳۱۹]

''اور اسی سال ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، روایت ہے کہ جب مسلمانوں کو تکلیف دی گئی۔ (روایت بلفظ گزر چکی ہے)''

اب ظاہر ہے کہ اس وقت یعنی ۱۳ نبوی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر آٹھ برس کی ہوگی اور اس وقت جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پوری عقل وتمیز کے سن میں تھیں۔

ہم نے پوری تحقیقات منظر عام پر لا کر رکھ دی ہے اور ہر ممکن پہلو سے اور ہر نقطۂ نظر سے بحث کر دی ہے جس سے بحمد للہ کہ ہر طرح سے مجیب کے شبہ کا رد ہو گیا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر جمہور علماء ومورخین ومحدثینِ اسلام کے مطابق ماننے اور تسلیم کرنے میں فریق کو کم از کم اس حدیث کا خدشہ باقی نہ رہے گا، اب دوسرا شبہ لیجئے۔

سورۂ نجم اور سورۂ قمر کے نزول سے استدلال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ:

لَقَدْ اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم وَ اِنِّی لَجَارِیَةٌ اَلْعَبُ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَ السَّاعَةُ اَدْهٰی وَ اَمَرُّ. [صحیح بخاری تفسیر سورۂ قمر]

''بلاشک مکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اترا جب میں بچی تھی اور کھیلتی تھی، ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَ السَّاعَةُ اَدْهٰی وَ اَمَرُّ﴾ [۵۴/القمر:۴۶]

فریق اس حدیث کو پیش کر کے استدلال کرتا ہے کہ یہ آیت سورۂ قمر کی ہے اور سورۂ قمر کا نزول ابتدائی مکی زمانہ کا ہے کیونکہ اس میں معجزہ شق القمر کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معجزہ ابتدائی زمانہ کا ہے کیونکہ بعد میں کفار کی مخالفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر سخت ہو گئی تھی کہ انہوں نے آپ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا تھا اور یہ ۷ نبوی کا واقعہ ہے (یعنی محصور کرنا)

پھر فرماتے ہیں:۔

''اور دوسرے سورۂ نجم اور سورۂ قمر کا باہم بہت تعلق ہے، جیسا کہ مفسرین نے تسلیم کیا ہے اس لئے ان کا (قمر و نجم کا) نزول بھی ایک ہی زمانہ کا ہونا چاہئے۔ اور سورۂ نجم کا ۵ نبوی میں نازل ہونا یقینی امر ہے، پس اسی وقت کے قریب قریب سورۂ قمر بھی

نازل ہوئی۔ پس ۵ نبوی یا ۶ نبوی کا ان آیات کا نزول ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اس وقت لڑکی تھی اور کھیلا کرتی تھی۔ پھر ان آیات کو سن کر سمجھ کر یاد بھی کرتی تھی۔ اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۰ نبوی میں بوقت نکاح چھ یا سات سال ہونا قرین قیاس نہیں۔"

ہمارے مخدوم نے اوپر کے مقدمات میں یقینات کا جو سلسلہ جوڑا ہے، ان میں سے ہر ایک بے بنیاد ہے، اور پر دو دلیلیں قائم کی گئی ہیں، جن کی الگ الگ منطقی ترتیب یہ ہے:

اول یہ آیت سورۂ قمر میں ہے، سورۂ قمر سورۂ نجم کے مناسب ہے۔ سورہ نجم قطعاً ۵ نبوی میں اتری، اس لئے سورۂ قمر بھی ۵ نبوی میں اتری اور اس میں یہ آیت ہے، جس کا حضرت عائشہ یاد رکھنا فرماتی ہیں، اس لئے وہ ۵ نبوی میں اتنی بڑی تھیں کہ اس کو یاد رکھ سکیں اس لئے اگر پانچ چھ برس بھی اس وقت عمر مانی جائے تو ۱۰ نبوی میں بوقت نکاح وہ دس گیارہ برس کی ہوں گی۔

اس مرتب دلیل میں کتنے بے بنیاد مقدمات ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو صرف ایک آیت کا نزول اور اسکا یاد رکھنا فرماتی ہیں اور فریق پورے سورہ قمر کا احاطہ کر لیتا ہے۔ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ قرآن پاک میں کبھی ایک آیت، کبھی چند آیتیں، کبھی پوری سورت اتری کبھی ایک ایک سورہ چند سالوں میں متفرق طور پر نازل ہو کر پوری ہوتی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلاں مقام پر رکھو، اس لئے جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ یہ آیت مذکورہ تنہا نہیں بلکہ پوری سورۂ قمر ایک ساتھ اتری اس وقت تک دلیل تمام نہیں ہو سکتی، اگر پوری سورۂ ایک ساتھ اترتی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سورۂ قمر کا حوالہ دینے کے بجائے، اخیر کی ایک تنہا آیت کا حوالہ کیوں دیتیں؟

سب کو معلوم ہے کہ سورۂ مائدہ کی آیت ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ [۵/المائدہ:۳] ۱۰ھ میں حجۃ الوداع میں اتری اور سورۂ مائدہ کی بہت سی آیتیں اس سے برسوں پہلے ۵ھ میں اتریں جیسے تیمم کا حکم وغیرہ۔ جانوروں کے حلت وحرمت کے احکام جو اس میں ہیں وہ غالباً اس کے دو برس بعد خیبر کے زمانہ کے ہیں۔ سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں معراج میں مکہ میں عنایت ہوئیں، مگر باقی سورۂ بقرہ مدینہ میں پوری ہوئی اسی طرح یہ سب جانتے ہیں کہ ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ کی چند ابتدائی آیتیں، اولین وحی ہیں، مگر آخر سورہ میں نماز سے روکنے کا واقعہ بہت بعد کا ہے۔ وہ آیت جس کو سورۂ نجم کے قصہ کے تعلق سے ان باطل روایتوں میں نقل کیا گیا۔ ﴿اِذَا تَمَنّٰى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِىْ

اُمْنِيَّتِهٖ ﴾ [۲۲ الحج: ۵۲] سورۂ حج میں ہے اس لئے اس کا نزول ۵ھ نبوی میں ہوگا، لیکن قتال کی اجازت کی پہلی آیت ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ ﴾ بھی اسی میں ہے جو ہجرت کے بعد بدر سے پہلے نازل ہوئی۔ پھر اس میں حج ابراہیمی کا ذکر ہے، وہ اس کے بھی بعد کا واقعہ ہوگا، اور اکثر آیتیں اس کی مدنی ہیں، خود قمر اور نجم کی بعض آیتیں مدنی کہی جاتی ہیں (دیکھئے روح المعانی) اسی طرح اور بھی بہت سی آیتوں کا حال تصریحی اور یقینی طور سے معلوم ہے، اس لئے ایک آیت سے پوری سورت کا قیاس کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔

نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ دو متناسب سورتیں ایک ہی ساتھ یا ایک ہی زمانہ میں نازل ہوں۔ سورۂ نساء اور سورۂ طلاق بہت متناسب ہیں، مگر ان کے نزول میں برسوں کا فرق ہے اور سورتوں کا بھی یہی حال ہے۔ سورۂ انفال اور برأت میں اتنا اتصال اور مناسبت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیچ میں فصل کی بسم اللہ بھی نہیں لکھی۔ مگر ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ انفال کا زیادہ تر تعلق غزوۂ بدر سے ہے جو ۲ھ کا واقعہ ہے اور سورۂ برأت کا فتحِ مکہ کے بعد سے جو ۹ھ کا واقعہ ہے۔

سورۂ نجم کے نزول کی قطعی تاریخ ۵ھ نبوی بتانا بھی صحیح نہیں۔ آپ یہ زمانہ اس لئے قطعی سمجھتے ہیں کہ یہی وہ سورہ ہے جس کو رمضان ۵ھ نبوی میں تلاوت کرتے وقت آپ نے یا شیطان نے نعوذ باللہ بتوں کی تعریف ''تِلْكَ الْغَرَانِيْق'' ملا دی تھی اور سب نے مع مسلمانوں اور مشرکوں کے سجدہ کر لیا تھا، اور یہ سن کر مہاجرین حبش جنہوں نے رجب ۵ھ نبوی میں ہجرت کی تھی شوال ۵ھ نبوی میں حبشہ سے واپس چلے آئے، اس لئے یہ سورۂ ۵ھ نبوی میں اتری۔ لیکن تمام ناقدینِ حدیث جانتے ہیں کہ یہ واقعہ تمام تر لغو ہے۔ سورۂ نجم کی تلاوت اور تمام کفار کے سجدہ کرنے کا ذکر بلا وقت کی تعیین کے اور بغیر اس کے کہ اس میں تلک الغرانیق والا ٹکڑا ہو اور بغیر اس کے کہ یہ واقعہ مہاجرین حبش کی واپسی کا غلط سبب بنے احادیث صحیحہ میں مذکور ہے، مگر اس سے آپ کے استدلال کا کوئی تعلق نہیں۔ تعلق اسی وقت ہوگا کہ جب اس لغو حصہ کی شمولیت ہو، اور یہ صحیح نہیں، بلکہ اگر چند آیتوں سے پوری پوری سورہ پر حکم لگایا جا سکتا ہے، تو میں کہتا ہوں کہ سورۂ نجم کا ۵ھ نبوی میں نازل ہونا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری سورہ کی اس وقت قرأت کرنا ناممکن ہے، کیوں کہ اس سورہ کی ابتداء میں معراج کے روحانی مناظر و مشاہد کا ذکر ہے اور معراج کی تاریخیں ۱۱ھ نبوی یا ۱۲ھ نبوی ہیں۔ اس لئے کیونکر ممکن ہے کہ ۵ھ نبوی میں یہ سورہ پوری اتری ہو، اور تلاوت کی گئی ہو۔

دوم: اور دوسری دلیل ملاحظہ طلب ہے، اور وہ یہ ہے کہ:۔

''یہ آیت سورۂ قمر کی ہے اور سورۂ قمر میں شق القمر کے معجزہ کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معجزہ ابتدائی زمانہ کا ہے۔ کیونکہ بعد میں کفار کی مخالفت آنحضرت ﷺ سے اس قدر سخت ہوگئی کہ انہوں نے آپ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا۔ اور یہ واقع (یعنی شعب ابی طالب میں محصور ہونا) ۷ نبوی کا واقع ہے۔''

اول تو اس قیاس و استنباط پر بھی وہی اعتراض ہے کہ ایک آیت سے پوری سورہ کا قیاس کرنا اور پوری سورہ کے نزول کو متعین کرنا مشتبہ اور مشکوک اور غیر یقینی ہے۔ پھر معجزۂ شق القمر کے وقوع کے زمانہ کو اس لئے ابتدائی بتانا کہ ۷ نبوی سے تو آپ ﷺ شعب ابی طالب میں چلے گئے (محصور صحیح نہیں کہ آنا جانا، نکلنا، بند نہیں تھا، تعلقات اور خرید و فروخت کی بندش تھی) کیا آپ ﷺ شعب ابی طالب میں یا اس سے نکلنے کے بعد ۹ نبوی سے لے کر ۱۴ نبوی تک اس معجزہ کو نہیں دکھا سکتے تھے۔ یہ کیا لزوم ہے کہ اگر آپ ﷺ یہ معجزہ دکھا سکتے تو ۵ نبوی یا ۶ نبوی ہی تک دکھا سکتے تھے کوئی اور دلیل اس کی ہو تو ہو، مگر یہ تو کوئی دلیل نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ایک دو نہیں، بکثرت محدثین اور علماء سیر نے شق القمر کے معجزہ کی تاریخ ۵ قبل ہجرت متعین کی ہے یعنی ۱۰ نبوی (دیکھو فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۲۶۴ قسطلانی جلد ۷، صفحہ ۴۰۷ سیرت حلبی جلد ۳ صفحہ ۴۰۵، زرقانی بر مواہب جلد ۵ صفحہ ۱۲۴ تاریخ خمیس دیار بکری جلد اول صفحہ ۲۹۸)۔ شاید غالباً ہمارے مجیب کو ۵ نبوی اور ۵ قبل ہجرت کے الفاظ میں تسامح اور تشابہ ہو گیا، حالانکہ ان دونوں میں چھ برس کے قریب کا فرق ہے۔ ان تصریحات کی بنا پر سورۂ قمر کا نزول کم از کم ۱۰ نبوی کا واقعہ ہونا چاہئے، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کا پانچواں سال ختم یا چھٹا سال شروع ہوگا اس لئے اس عمر میں کھیل کے وقت ایک اور صرف ایک آیت کا کان میں پڑ کر یاد رہ جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے اور خصوصاً ایک تیز اور ذہین اور قوی الحافظہ لڑکی کے لئے۔ اس لئے اس دلیل سے بھی اس سورہ کے بلکہ صحیح یوں کہنا چاہئے کہ اس ایک آیت کے نزول کا وقت ۵ نبوی یا ۶ نبوی ٹھہرانا بے ثبوت ہے۔

عرب میں نکاحِ صغیر کا رواج

مولوی صاحب کا آخری استدلال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے نکاح سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے منسوب تھیں اور

''عرب میں چار پانچ سال کی لڑکیوں کی نسبت یا نکاح کا رواج نہ تھا، اور اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت کا پہلے ہو چکنا بتاتا ہے کہ ان کی عمر اس وقت ایسی تھی کہ جب لڑکیوں کی نسبت یا نکاح کا عام طور پر خیال ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک شہادت اس امر پر ہے کہ بوقتِ نکاح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال سے زیادہ تھی۔''

عرض یہ ہے کہ عرب میں نہ صرف کمسن بچیوں کے پیام ونسبت کا رواج تھا بلکہ شیر خوار بچیوں کے نکاح کا بھی، بلکہ حمل کے اندر جو اولاد ہو اس کے نکاح کا وعدہ بھی (ملاحظہ ہو سنن ابوداؤد کتاب النکاح باب فی تزویج من لم یولد) کہ جاہلیت میں غیر مولود بچہ کا بھی پیام ہو جاتا تھا۔ عرب میں کمسن لڑکیوں کے نکاح کے عدمِ رواج سے مطلب اگر زمانہ جاہلیت ہے تو یہ تو ہر شخص کو معلوم ہے کہ زمانہ جاہلیت کے واقعات محفوظ نہیں، جو اس عہد کے عرب کے متعلق آپ نفیاً یا اثباتاً کچھ کہہ سکیں۔ پھر معلوم نہیں کہ عدم رواج کا دعویٰ اس عہد کے متعلق کس دلیل پر مبنی ہے، اور اگر اسلام کے زمانہ کا عرب مراد ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کمسن لڑکیوں کے نکاح کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ جن کی تفصیل مولوی ریاست علی صاحب ندوی نے ایک مضمون میں لکھ کر ''پیغام صلح'' کے پاس بھیجی ہے، مگر جس کو وہ اب تک کسی وجہ سے شائع نہ کر سکا، اس کی دو مثالیں آپ کے سامنے پیش ہیں:۔

1. حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی نو مولود لڑکی سے اسی دن نکاح پڑھایا جس دن وہ پیدا ہوئی۔ [مرقاۃ ملا علی قاری حنفی جلد ۳، صفحہ ۴۱۷]
2. خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے کمسن لڑکے سلمہ رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہیدِ احد کی نابالغ لڑکی سے کر دیا۔ [احکام القرآن رازی حنفی جلد ۲ ص ۵۵]

خود مولوی صاحب نے اس حد تک تسلیم کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گیارہ برس کی سن میں بیاہی گئیں۔

انہیں دو پر موقوف نہیں بلکہ:۔

وَتَزْوِيجُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ ابْنَتَهُ الصَّغِيرَةَ.

[ترکمانی علی البیہقی ج ۱ ص ۷۶-۷۹]

''اور ایک سے زائد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی نابالغ لڑکیوں کا نکاح کیا۔''

بالاتفاق وبلا اختلاف تمام صحابہ رضی اللہ عنہم، تمام تابعین اور تمام ائمہ مجتہدین کے نزدیک باپ کو

اختیار ہے کہ وہ اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دے۔ایسے اجماعی مسئلہ کا انکار، میں نہیں جانتا کہ اس کو کیا کہوں؟

خلاصۂ بحث

میرا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا معتبر ترین، مستند ترین اور ایک دو کے سوا تمام متفقہ راویوں کے مطابق چھ برس کی سن میں بیاہی گئیں اور متفقاً بلا اختلاف نو برس کے سن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ میں آئیں اور تمام واقعات وسنین کی تطبیق کی بنا پر وہ ۵ نبوی کے آخر میں پیدا ہوئیں۔شوال ۱۱ نبوی میں بیاہی گئیں اور شوال ۱ھ میں رخصت ہو کر آئیں۔

مولانا محمد علی صاحب نے اپنے پہلے مضمون میں جو جولائی ۱۹۲۸ء میں ''پیغام صلح'' میں شائع ہوا تھا، لکھا تھا کہ معتبر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) اپنی بڑی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے دس برس چھوٹی تھیں۔اس لحاظ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے ایک سال قبل ان سے شادی کی سولہ سال تھی۔

میں نے جولائی ۱۹۲۸ء کے معارف میں مولانا محمد علی کو ٹوکا اور متعدد سوال کیے اور دریافت کیا۔کیا ان معتبر احادیث میں سے کوئی ایک حدیث بھی ایسی پیش کر سکتے ہیں جس سے ثابت ہو کہ:۔

① وہ اپنی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے دس برس چھوٹی تھیں۔

② ہجرت سے ایک سال پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی ہوئی تھی۔

③ اور ہجرت سے ایک سال پہلے وہ سولہ برس کی تھیں (اور رخصتی کے وقت ۱۸ برس کی)

چار مہینوں کے بعد'' احباب کے بڑے اصرار پر'' ۲۷ نومبر کے ''پیغام صلح'' میں مولانا محمد علی صاحب نے جو جوابی مضمون لکھا۔اس میں اپنے پہلے دعووں سے ہٹ کر اولاً یہ تصریحات کیں کہ:۔

☆ ایسی کوئی حدیث ان کو نہیں ملی جس سے یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی بڑی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے دس برس چھوٹی تھیں، ثابت ہو۔

☆ نکاح کے وقت ان کا سولہ برس کا ہونا صحیح نہیں۔

☆ یہ بھی تسلیم ہے کہ ہجرت سے ایک برس پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہونا غلطی

سے لکھا گیا۔

مگر ان سچی اور صریح تصریحات کے ساتھ اب یہ نئے دعوے کئے ہیں۔

① حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنی عمر کے بیان میں غلطی ہوئی ہے۔

② نکاح کے وقت (۱۰ نبوی) میں وہ گیارہ سال سے کم نہ تھیں۔

③ اور ۲ھ میں رخصتی کے وقت سولہ سال سے کم نہ تھیں۔

انصاف کیجئے کہ ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے غلطی ہوئی کہ تمام محدثین و مؤرخین اور رواۃ سے یکساں غلطی ہوئی۔ پھر کسی ایسے شخص سے جیسی کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں جن کا حافظہ اپنی قوت میں ممتاز و مستثنیٰ تھا، خود اپنی عمر کے متعلق ایسی غلطی ہونا کہ وہ اپنی گیارہ برس کی عمر کو چھ برس کی اور سولہ برس کی عمر کو نو برس کی اور اپنی پچیس برس کی بیوگی کو اٹھارہ برس کی عمر کی بیوگی کہہ دے۔ اعجوبہ روزگار ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس وقت رخصت ہو کر میکے لائی جاتی ہیں تو وہ جھولے پر سے اور کھیل سے اٹھا کر لائی جاتی ہیں۔ ان کی ماں ان کا منہ دھو دیتی ہیں، بال برابر کر دیتی ہیں۔ چھوٹی سہیلیاں ساتھ ہوتی ہیں۔ یہاں آ کر بھی گڑیوں کے کھیلنے کا شوق باقی رہتا ہے اور یہ تمام واقعات احادیث میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آیا یہ ایک نو برس کی کمسن لڑکی کا حلیہ ہے یا سولہ برس کی پوری جوان عورت کا؟ [دیکھو مسند طیالسی ص ۲۰۵ اور دارمی ص ۲۹۲]

افک کا واقعہ ۵ھ کا ہے، اس وقت جمہور محدثین و مؤرخین کے نزدیک وہ بارہ یا تیرہ برس کی تھیں اور مولانا محمد علی کے حساب سے ۱۹ برس کی ہوں گی۔ واقعہ افک کے بیان میں (بخاری) ان کی لونڈی بریرہ اور وہ خود اپنی نسبت دو جگہ جَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ ''کمسن چھوکری'' کہتی ہیں۔ عربی جاننے والوں سے سوال ہے کہ ''جَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ'' کا مصداق بارہ تیرہ برس کی لڑکی ہوگی یا انیس برس کی عورت؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ وَ اَنَا جَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ لَمْ اَقْرَءْ كَثِيْرًا مِنَ الْقُرْاٰنِ (بخاری) ''میں کم سن چھوکری تھی زیادہ قرآن نہیں پڑھی تھی۔'' یہ عذر بارہ تیرہ برس کی لڑکی کی زبان سے درست ہوگا یا انیس برس کی عورت کی زبان سے۔

آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے ان کی رخصتی کا پورا منظر سنا کر اس بحث کو ختم کرتا ہوں، فرماتی ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری (ص ۵۵۱) و صحیح مسلم کتاب النکاح و سنن دارمی (ص ۲۹۳)

میں ہے:

''مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے جب نکاح کیا تو میں چھ برس کی تھی، پھر ہم مدینہ آئے، تو بنی حارث کے محلہ میں اترے، پھر میں بیمار پڑ گئی، تو میرے سر کے بال گر گئے، ایک چوٹی سی رہ گئی تو میری ماں ام رومان آئیں اور میں جھولے پر تھی اور میرے ساتھ میری سہیلیاں تھیں۔ تو میری ماں نے مجھے چلا کر بلایا تو میں آئی اور مجھے خبر نہیں کہ وہ کیا چاہتی ہیں، تو میرا ہاتھ پکڑا اور دروازہ پر کھڑا کیا اور میری سانس پھول رہی تھی۔ (شاید کھیل کی دوڑ دھوپ سے) یہاں تک کہ کچھ سانس درست ہوئی، پھر تھوڑا پانی لے کر میرا منہ اور سر دھویا، پھر کمرہ کے اندر لے گئیں، تو وہاں دیکھا کہ ایک کمرہ میں انصار کی چند عورتیں ہیں۔ انہوں نے مبارک باد دی، میری ماں نے مجھے ان کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے کچھ میری حالت درست کی تو رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے حیرت ہوئی، تو انہوں نے مجھے آپ ﷺ کے سپرد کر دیا اور میں اس وقت نو برس کی تھی۔''

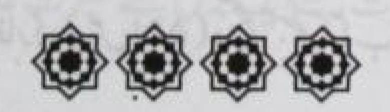
کیا یہ حلیہ، یہ منظر، یہ حالت ایک سولہ برس کی لڑکی کا ہے یا نو برس کی؟ پھر جو عورت اپنی رخصتی کے اتنے جزئیات یاد رکھے وہ اپنی عمر ہی بھول جائے گی اور بلا تذبذب اور بلا شک وشبہ ہر شخص سے اپنی رخصتی کے وقت نو برس کی عمر بتانے میں غلطی کرے گی۔ اِنَّ هٰذَا لَعُجَابٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے نو برس کے سن میں رخصتی ہونا اتنا یقینی ہے کہ وہ نو برس کے سن کو ایک عرب لڑکی کے بلوغ کا زمانہ متعین کر دیتی ہیں۔ فرماتی ہیں اِذَا بَلَغَتِ الْجَارِيَةُ تِسْعَ سِنِيْنَ فَهِيَ اِمْرَاَةٌ ''جب لڑکی نو برس کو پہنچ گئی تو وہ عورت ہے۔'' [دیکھو ترمذی کتاب النکاح]

کیا ان تفصیلات کے بعد بھی یہ کہا جائے گا کہ وہ نکاح کے وقت بارہ، تیرہ یا سولہ، سترہ برس کی تھیں،

وَ مَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ.

[مجلہ ''معارف'' اعظم گڑھ ۱۹۲۹ء جنوری]



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیسویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں برصغیر کی علمی
کہکشاں جن روشن ستاروں سے آراستہ تھی، ان میں ایک کوکب علمی
علامہ سیّد سلیمان ندوی (۱۸۸۴ء۔۱۹۵۳ء) کی گرانقدر شخصیت ہے۔ آپ
بیک وقت ایک مصنف، محقق، ادیب، مؤرخ، سوانح نگار، سیرت نگار، مبلغ، قاضی اور
مہ شہیر تھے۔ ندوہ کے زمانہ طالب علمی میں انہیں علامہ شبلی نعمانیؒ سے براہ راست استفادے
وقع ملا اور پھر وہ ان کے بہترین علمی جانشین ثابت ہوئے۔ انہوں نے تفسیر وحدیث، سیرت و
خ، ادب وفلسفہ، تاریخ وجغرافیہ، لغت وقواعد اور دیگر متنوع موضوعات پر اپنی گرانقدر نگارشات
چھوڑی ہیں۔ جن میں سے ایک "سیرت عائشہؓ" بھی ہے۔ اس علمی منصوبے کا آغاز انہوں نے
لب علمی سے کیا، اس کے کچھ اجزاء مختلف رسائل میں شائع ہوئے اور پھر بالآخر اس کی اوّلین
ت ۱۹۲۰ء میں منصۂ شہود پر آئی۔

سیرت عائشہؓ، صحابیات کی سیرت کے حوالے سے سب سے وقیع علمی تصنیف ہے۔ اس علمی
ر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بیک وقت ان کے سوانحی کوائف، خاندانی پس منظر،
شرتی اور ازدواجی زندگی، علمی اور اصلاحی کارنامے، کتاب وسنت کی فقاہت، اجتہادی بصیرت،
ر وخطابت اور مقام صدیقیت جیسے اہم موضوع پر تحقیقی قلم اٹھایا گیا ہے، فاضل مصنف ایک
علمی اور تحقیقی اسلوب کے حامل ہیں۔ کتاب کے موضوع اور اسلوب کی تازگی نے اس
کے مطالب کو دوچند کر دیا ہے۔ مکتبہ اسلامیہ نے اس تحقیقی شہ پارے کی نئی طباعت
کا اہتمام کرکے اپنے علمی ذوق اور اشاعتی جذبے کا اظہار کیا ہے۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر
ڈائریکٹر بیت الحکمت، لاہور



علامہ سید سلیمان ندویؒ

